تالیفاتِ عثمانی

جلد ۱

شیخ الاسلام حضرۃ علامہ

شبیر احمد عثمانی

قدس سرہٗ

محدث دارالعلوم دیوبند

کے اہم علمی و دینی رسائل کا مجموعہ

- اسلام کے بنیادی عقائد
- اسلام اور معجزات
- اعجاز القرآن
- الروح فی القرآن
- المعراج فی القرآن
- العقل والنقل
- ھدیہ سنیہ
- تحقیق الخطبہ
- سجود الشمس
- مسئلہ تقدیر
- الشہاب

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰-انارکلی لاہور ۲

Marfat.com

DATA ENTERED

طباعت اوّل : صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
: ستمبر ۱۹۹۰ء

باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمان
ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور
مطبع :
قیمت :

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی ۱
ادارۃ المعارف۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی
مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی

رسائل کے عنوانات

اِسلام کے بنیادی عقائد ——— ۵

اِسلام اور معجزات ——— ۷۵

اعجاز القرآن ——— ۱۲۳

الروح فی القرآن ——— ۲۲۳

المعراج فی القرآن ——— ۲۴۱

العقل والنقل ——— ۲۴۹

ھدیہ سنیّہ ——— ۳۴۵

تحقیق الخطبہ ——— ۴۰۷

سجود الشمس ——— ۴۳۱

مسئلہ تقدیر ——— ۴۵۷

الشہاب ——— ۵۰۷

Marfat.com

الاسلام

یعنی

اسلام کے بنیادی عقائد

بمع

اسلام اور معجزات

از تالیفات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی۔ لاہور

Marfat.com

٣١٩٨٩

Marfat.com

فہرست عنوانات

اسلام کے بُنیادی عقائد

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	عرض ناشر	۴
۲	اسلام	۶
۳	خدا کا وجود	۱۲
۴	توحید	۲۹
۵	نبوت	۴۲
۶	ملائکہ اور شیاطین	۴۸
۷	نبی کی علامات	۵۲
۸	حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت	۵۷
۹	اسلام اور علم وفن	۶۱
۱۰	اسلام اور معجزات	۷۳

عرضِ ناشر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا برصغیر میں جو علمی و دینی مقام ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں مولانا علمی و عملی کمالات کا مجموعہ زہد و تقویٰ کی تصویر، اور شرافت و دیانت، کا نادر نمونہ تھے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے۔ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور وہیں ایک عرصہ تک تفسیر و حدیث کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔

قیامِ پاکستان کی تحریک میں اپنے ہمراہیوں مولانا ظفر احمد تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم، وغیرہ کے ہمراہ عظیم اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ اور قیام پاکستان کے بعد اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔ افسوس کہ اب تدریج مولانا کے علمی اور عملی کارنامے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے جارہے ہیں۔ اور نئی نسل مولانا کے بارے میں یہ تک نہیں جانتی کہ پاکستان کے قیام کے لئے انہوں نے کتنی قربانیاں دیں ہیں اور یہ کہ مولانا کا علمی دنیا میں کیا مقام ہے۔ اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے "ادارہ اسلامیات" کی جانب سے مولانا کے تحریر فرمودہ رسائل اور کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا کے تحریر فرمودہ دو رسائل "اعجاز القرآن" اور "العقل والنقل" اس سے قبل زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قبولیت عام حاصل کر چکے ہیں اور یہ مجموعہ بھی اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دو رسالے شامل ہیں۔ پہلا رسالہ الاسلام جو "اسلام کے بنیادی عقائد" کے نام سے پیش خدمت ہے۔ دوسرا خوارقِ عادات جو "اسلام اور معجزات" کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلے رسالہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے اسلام کے بنیادی عقائد، خدا کا وجود، توحید، نبوت، قیامت، ملائکہ اور شیاطین کا وجود جیسے اہم اور نازک مسائل پر انتہائی دلنشین اور سلیس انداز سے بحث کی ہے۔ بیان اس قدر شگفتہ اور انداز اس قدر دلآویز ہے کہ مذہب اسلام کی حقانیت دل کی گہرائیوں میں اُترتی چلی جاتی ہے

دوسرے رسالہ میں مولاناؒ نے معجزات کے وجود پر بحث کی ہے اور اپنے مخصوص انداز سے ثابت کیا ہے کہ معجزات کا وجود برحق اور عین قوانین قدرت کے مطابق ہے۔ اسی ضمن میں علامہؒ نے ارہاص کی تعریف اور کرامت، اور استدراج کے درمیان فرق کو بھی خوب واضح کر دیا ہے

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی دیگر تصانیف کی طرح ان رسالوں کو بھی قبولیت عامہ سے نوازے آمین۔ والسلام

ناشر

Marfat.com

اسلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، ولعد

یہ مُبارک عنوان جس کی بقدر مناسب تفصیل لکھنے پر آج میری خوش قسمتی اور سعادت نے مُجھ کو آمادہ کیا ہے جس قدر اپنے تلفظ کی حیثیت سے چھوٹا۔ مختصر اور مفرد دکھائی دیتا ہے اسی قدر اپنی معنوی وسعت کے اعتبار سے تفصیل طلب اور دِقّت خیز ہے، اسلام کی تاریخ اس کی صداقت، اس کے فوائد اس کے برکات، اور اس کی ترقی و تنزل کی داستان بے حد پُر نتائج اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس قلیل وقت میں پوری نہیں ہو سکتی جو اس تحریر کے لکھنے میں مَیں اپنے پاس سے صَرف کر سکتا ہوں لیکن محض یہ نیت کر کے کہ ایسے مُقدّس اجلاس کے سلسلہ میں مضامین کا اس طرح کہ اہم اور ضروری عنوان سے خالی رہنا بھی شاید بہتر علامت نہ ہو، میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اقرار کر دینے کے بعد بہ کمال اختصار اسلامی اصول کو جس طرح پر کہ میں سمجھا ہُوا ہُوں اپنی قوم اور احباب کے رُوبرُو پیش کر دوں تاکہ ہمارا یہ مجمع اسلام کے بابرکت تذکرہ کے ثواب سے محرُوم نہ رہے اور مولینا عبید اللہ صاحب کے

Marfat.com

حکم کی (جنہوں نے میرے دل میں اس مضمون کی تحریک پیدا کی) تعمیل نہ کرنے کا بھی مجھ کو گنہگار نہ ہونا پڑے

اس میں کچھ شک نہیں کہ مجھ سے پہلے سینکڑوں مصنفین نے اسی مضمون پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہزاروں فضلا اسی عنوان پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور لاکھوں پیرایوں میں انہیں مسائل کا اعادہ ہو چکا ہے اور بے شمار آدمی اس موضوع پر اپنی جادو بیانی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ایسی حالت میں ہماری اس ناچیز تحریر کی کوئی وقعت قائم ہونا نہایت مشکل ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم کو اپنے مضمون کی وقعت قائم کرنے کی خلش ہرگز دامن گیر نہیں ہے اور نہ ہمارے دل میں یہ تمنا ہے کہ ہمارے ہر ہر جملہ پر واہ واہ کے نعرے بلند کئے جاویں یا احسنت اور مرحبا کی صداؤں سے آسمان سر پر اٹھایا جاوے یا بات بات پر سبحان اللہ اور الحمد للہ کا ورد پڑھا جاوے

ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے، اور اسی میں کامیاب ہونے کو ہم اپنی محنت کا اصلی صلہ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو دلی خیالات ہم نہایت صفائی کے ساتھ عام پبلک میں پیش کریں گے اگر سچائی اور راستی پر مبنی ہیں اور درحقیقت ان خیالات کا ماننے والا حیات ابدی کا مستحق ہو سکتا ہے تو اہل عقل ان کی تصدیق فرما کر ہم کو راحت اور تسلی بخشیں اور اگر فی الواقع ان خیالات کو ہم نے اپنی غلطی سے دل میں جما لیا ہے یا ان کے تسلیم کرنے میں اوہام کی آمیزش لگی ہوئی ہے یا کسی کو راہ

Marfat.com

تقلید اور بے جا حسن ظن کی وجہ سے اُنہوں نے ہمارے دل میں راہ پالی ہے تو براہِ نوازش ہماری غلطیوں پر ہم کو متنبہ فرما کر ایک گم گشتہ راہ کی ہدایت کا اجر جو خدا کے یہاں سے مل سکتا ہے اپنے دفتر حسنات میں درج کرانے کی کوشش کریں۔

سامعین کو یہ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میری تحریر کا عام ماخذ اگرچہ اکابر سلف کی تصنیفات سے باہر نہ ہوگا، لیکن اس کا پیرایۂ بیان اور ترتیب دلائل جداگانہ طرز پر ہوگی اور شاید اصول اسلام کے ضمن میں بعض ایسے مضامین بھی نظر پڑیں گے جن کی اسقدر تفصیل دوسری کتابوں میں نہ مل سکے گی کیوں کہ اسلام کی فیض رسانی ہر خاص و عام اور ہر عالم و جاہل کے واسطے ہے اور اس کے اسرار اور فیوض عامہ کسی شخص پر ختم ہونے والے نہیں ہیں وہ اسلام جس کے چشمہ سے قطرہ قطرہ آبِ حیات بن کر نکلا ہے جس کے خزانے میں سے علم و معرفت کے لعل و جواہر تقسیم ہوتے رہے ہیں جس کی عالمگیر روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ جگمگا اُٹھا ہے وہ اپنے اخیر زمانہ کے پیروؤں کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور اپنے ایک سچے مناقب و کمالات بیان کرنے والے کی کچھ امداد نہ کرے یہ بالکل قیاس سے باہر ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ میری تقریر کا روشن عنوان اس مضمون میں خود میری رہبری کرے گا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ ایک ایسے اولوالعزم مذہب کے نام لینے ہی سے میری تقریر کی کافی حد تک عزت کی جا سکے گی۔

Marfat.com

یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اسلام کے یا اور کسی مذہب کے غیر متناہی فروع کا احاطہ کرنا اور ہر ایک جزئی جزئی کو دلائل یا قیاسات سے ثابت کر دکھانا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ فضول اور بے کار بھی ہے کیوں کہ جب ایک مذہب کے تمام اصول بروئے عقل و انصاف تسلیم کر لئے گئے تو فروعات اور جزئیات کے ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی، اس لئے ہر مذہب و ملت کی جانچ اس کے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کی جائے گی اور اس کی حقانیت کی پڑتال کا یہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائے گا۔

اس قید کو ملحوظ رکھ کر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول بلکہ (تنگی وقت کا لحاظ کر کے) اصل الاصول کہاں تک عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح و بہبودگی کس حد تک کفالت کر سکتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے ان کو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہے انہوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر و منزلت قائم کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہوگا خاطر خواہ کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا، اور بہت سے دوستوں کو جو مجھ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کد و کاوش اور دردسری سے نجات دلا دی اور ہزارہا بندگان خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا۔

Marfat.com

ہاں یہ بات بار بار یاد دلانے کے قابل ہے کہ اس مختصر تحریر میں جو کچھ مذکور ہوگا وہ طویل و عریض بیانات نہ ہوں گے، نہ کثیر التعداد علماء کی رایوں کا استقصا اور موازنہ کیا جاوے گا اور نہ بے انتہا کتابوں کے حوالے درج ہوں گے کیوں کہ ان مباحث کے لئے ہم نے خود ایک ایسی مبسوط اور مستقل تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے جس کو ہماری اس تحریر سے وہی نسبت ہوگی جو کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر دلپذیر کو ان کی حجۃ الاسلام سے اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اصول اسلام کی تشریح میں بعض کار آمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھ دیئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا اندازہ ہو جائیگا اور دوسری طرف اس مفصل کتاب کی (جس کا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا، نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کے واسطے یہ تحریر ایک نمونہ بن جائے گی،

بلا شبہ اس قدر وسیع عنوان (اسلام) کو ان چند اوراق میں کھپا دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے یہ بھی ایک ہے جس پر ڈاکٹر کسٹاو لیبان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہے کہ جس قدر طویل ہے اسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ اس سے ایک حکیم اور ارسطوئے وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے ایسے ہی ایک

Marfat.com

عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہے، اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لاالٰہ لا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے اور یہی کلمہ شریعت اسلام کا جوہر، ایمان کی روح، راستی کا نشان، ہدایت کی زندہ تصویر اور علوم حقائق کا سرچشمہ ہے، اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں اور اسی کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر مذلت میں گرا دیا گیا لیکن جبکہ یہ کلمہ کل اہل اسلام کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کر لیا گیا، تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اول اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہ ہو جائے اسی کو مطمح نظر بنائے رکھے چنانچہ میرا ارادہ بھی اس وقت یہی ہے کہ جہاں تک غور کیا گیا اس کلمہ کے دو جزء نظر آئے ان میں سے پہلا جزو جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت و استحقاق نہیں رکھتی فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہے خدا کا وجود ہونا اس کا قابل عبادات ہونا اور اس کی خدائی میں کسی کا شریک نہ ہونا۔

Marfat.com

خُدا کا وجُود

یہی وُہ مضمُون ہے جس کی تائید تمام ادیان و مذہب نے یک زبان ہوکر کی ہے اور جسپر بلا نکیر اہلِ ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بلا حدہٗ جن کا دُوسرا نام منکرین مذہب بھی ہے، زور شور کے ساتھ اسی مضمُون کی تردید پر تلے ہُوئے ہیں اور مادہ میین (میٹریسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے۔

یورپ میں مادہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اس نے آج کل مذہبی دُنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس کا اظہار کیا ہے کہ خُدا کا وجُود ہرگز کوئی واقعی وجُود نہیں ہے بلکہ وُہ بھی ان وہمی اشیاء میں سے ایک شے ہے جن کو انسانی تخیل نے قوانین طبعیہ سے مرعوب ہوکر اختراع کر لیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خُدا نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا کچھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ اُنہوں نے اپنے تمام اعمال و افعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دے دی اور محض اپنی غرض اعتقادی سے یہ سمجھ لیا کہ دُنیا میں جو کچھ کرتا ہے خُدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہور ہوتا ہے یہانتک کہ اگر ایک پتہ بھی ہلتا ہے اور ایک تنکہ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے تو بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے

نہیں ہو سکتا۔

مادہ پرست کہتے ہیں، کہ اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تم کو ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہے یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کی جا رہی ہے تمہارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو مع اپنی حرکت کے ابدی و ابدی ہے ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا یا خواہی نخواہی تم کو ایک موہوم خارج از عقل ہستی کے سامنے جبہہ سائی ضروری معلوم ہوئی اگر ہم سے پوچھو تو یہ سب خیالات ارباب مذاہب کی ناواقفیت اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے ——— کہ عالم کی تمام سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں، مادہ اور اس کی قوت (حرکت) اور ازل سے دونوں ملازم کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ مادہ اور اس کی حرکت میں جدائی اور انفصال ہو سکے اور ایک بغیر دوسرے کے پایا جاوے، مادہ سے وہی اجزاء دیمقراطیسی مراد ہیں جو اس خلاء میں بکھرے ہوئے ہیں اور جو اگرچہ ذہنی قسمت قبول کر سکتے ہیں لیکن خارجی تقسیم کا ان میں امکان نہیں انہیں ذرات کو اثیر (ایتھر) سے تعبیر کرتے ہیں، اور انھیں کی دوامی حرکت کی وجہ سے اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو

Marfat.com

پہلے سے موجود نہ تھے وجود میں آئے ہیں اور ان چیزوں کا مادہ اور اس کی حرکت سے بننا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی معلول اپنی علت سے بے اختیارہ بن جاتا ہے چنانچہ ان اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ ان میں قصد و ارادہ پایا جاتا ہے اور جب ہم کرّات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادّہ اور اس کی حرکت سے منسوب کر سکتے ہیں تو نہ ہم کو کسی فرضی خدا کی حکومت ماننی پڑتی ہے اور نہ اپنے کو مذہبی طوق و سلاسل میں پھانسنے کی ضرورت رہتی ہے غرض ہمارے نزدیک مادہ بھی قدیم ہے اور اس کی حرکت بھی قدیم ہے اور جو سلسلہ صورتوں کا مادہ کے اندر قائم رہتا ہے وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے اس حالت میں ہم کو خدا کے وجود کی اصلا ضرورت نہیں بلکہ مادہ اور اس کے قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی ضمانت ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ بے شک مادّیین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہم کو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انہوں نے ہم کو ایک نہایت علیم و حکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کر کے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی جو بالکل اندھا، بہرہ، گونگا، اور بے حس و بے شعور ہے جس کا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہو سکتا ہے، نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر

Marfat.com

قادر ہے نہ اس میں سمجھ کا مادہ ہے نہ وہ کسی قاعدہ و قانون سے واقف ہے نہ اس کو امور انتظامیہ کی اطلاع ہے، حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہم کو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جس کے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے سے حصہ کا تتبع کرنے سے حکماء کو خصوصاً ان مادہ بینوں کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہر فطرت کی جس قدر باریکیاں ہم معلوم کر سکے ہیں وہ اس سے بہت ہی کم ہیں جو اب تک معلوم نہیں ہو سکیں، علم تشریح علم الافلاک، علم الحیوانات، علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو رازہائے قدرت تم نے موجودات عالم میں آج تک دریافت کئے ہیں وہ کس قدر ہے، اور ان کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتنے کتب خانہ تم کو درکار ہوتے ہیں۔

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجت مندی کے آثار پائے جاتے ہیں، اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو (جس سے خدا تعالیٰ کی پُر حکمت و جبروت کا سبق حاصل ہوتا ہے) بہ نظر تعمق ملاحظہ کرو تاکہ تم کو معلوم ہو کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سر اور بخت و اتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے۔

آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھئے کہ ایک حال پر قرار نہیں کبھی عروج ہے، کبھی نزول، کبھی طلوع ہے کبھی غروب، کبھی نور، کبھی

Marfat.com

گہن، آگ کو دیکھئے کہ بے قرار ہے تھامے نہیں تھمتی، ہوا کا یہ حال ہے کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمال کبھی جنوب، کبھی پورب اور کبھی پچھم کو ماری ماری پھرتی ہے۔ ادھر پانی کا کرّہ ہوا کے دھکّوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے، اور زمین کو بھی پستی کے سوا لاچاری اس درجہ کی ہے کہ اس پہ کوئی دوڑتا ہے، کوئی بھاگتا ہے، کوئی کھودتا ہے، کوئی بھرتا ہے، اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں کبھی بڑے، کبھی تر ہو جاتے ہیں کبھی خشک ہو جاتے ہیں اور اس پہ ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونے کے باوجود اعلیٰ قدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے علیٰ ہذا القیاس حیوانات خصوصاً بنی نوع انسان باوجودیکہ سب کے سب اربع عناصر ہی سے مرکب ہیں شکل و شمائل خو، بو، اور خاصیّت و مزاج میں اتنے مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ حدِ ادراک سے باہر ہے، اس کے علاوہ بھوک پیاس صحت، مرض، گرمی، سردی اور حرص و ہوا وغیرہ کے بہت سے موکل ان کے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں مل گیا، اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا لشکر کا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعیّن ہوا کہ جس نے اس کی فہم و دانش کو ناچار کر کے تمام شرافت و عزّت کو ملیامیٹ کر دیا، دوسرے حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں،

لباس، مکانات، سواری، عزّت، منصب، جاگیر، میٹھے

Marfat.com

کھٹے، نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس میں کوئی خوبی اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ قیودات میں بند کر کے رکھا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ اگر غریبوں کو قید کرتے تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفالت کرتا ہے، اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر ان کی قید میں آجاتا ہے تو گو اسے تعظیم سے رکھیں لیکن اس پہ بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت کے لئے مقرر کیا کرتے ہیں۔

بہرحال جبکہ ایسے ایسے اشرف اجزائے عالم اس ذلت و خواری میں گرفتار ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا، ایسے مجبور ہیں کہ دم بھر کو بھی ان قیودات کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تو بلاشبہ اُن کے سر پہ کوئی ایسا منتظم حاکم ہے جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بیگاریں لیتا ہے اور چین سے نہیں رہنے دیتا تاکہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور اوروں کو ان پر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو۔

بلکہ ان کو ایسا ذلیل و خوار دیکھ کر یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی خدا کو پہچانیں اور سمجھ لیں کہ یہ اس کے انتظام کی خوبی ہے کہ ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے اور ان پہ قسم قسم کے احوال بھیجتا ہے اور یہ ایسا قصہ ہے جیسا کہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ نہیں رہنے دیتا، اور اس پر کبھی کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

Marfat.com

یورپ کا ایک محقق راسین بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھکر کہتا ہے کہ "اے آسمانوں! مجھکو خبر دو، اے دریاؤ مجھکو بتاؤ، اے زمین مجھکو جواب دے اے بے انتہا ستارو تم بولو کہ کون سا ہاتھ ہے جس نے تمہیں افق میں تھام رکھا ہے۔ اے شب چاردہ[1] کس نے تیری تاریکی کو خوب صورت بنا دیا ہے، تو کس قدر شان والی ہے۔ اور کس قدر عظمت مآب ہے، تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اس نے زمین پہ خاک کا فرش بچھایا ہے، اور گرد کو ابھارا ہے۔ او! مژدہ رساں سحر! او نیر اعظم شکوف! او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے! او آفتاب درخشاں! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردے سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔ اے پُر رعب سمندر، اے وہ کہ غضب ناک ہو کہ زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے، جس طرح شیر کٹھرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے ہے تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

ملین ڈورڈ کہتا ہے کہ "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے

---

[1] چودھویں رات ۳۲

۳۱۹۸۹

Marfat.com

ہوتے ہوئے ایسے بھی موجود ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق نتائج کے ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہیئے کہ مادّہ کی عام علم خاصیت کے نتائج کے ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا "لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنسدان کبھی اس پر اعتقاد نہیں لا سکتا۔ ہربرٹ اسپنسیر کہتا ہے کہ "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی و ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء وجود میں آتی ہیں" پروفیسر لینا کہتا ہے وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب و غریب کاری گریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہوں۔

اب ان سب کے جواب میں مادّہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عمدہ انتظام اور مضبوط قاعدے جو دنیا میں جاری ہیں یہ سب بھی "مادّہ اور حرکت کی" ہی کارسازیاں ہیں اور مادّہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اس سے بے سوچے ایسے ایسے حیرت انگیز قوانین اور اصول بن جاتے ہیں جن کی اس عالم کو ضرورت رہتی ہے اور جس پیدا نظام عالم کا دار و مدار ہے لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گاؤں میں بچہ پیدا ہوا اور بچہ پیدا ہوتے ہی

Marfat.com

اس نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر شروع کی اور وُہ علوم و معارف اس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی، نہ افلاطون کو، نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہنچا تھا اور نہ نیوٹن کا۔

نہ رازی کو وُہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو تو یہ لوگ ہرگز اس کے بیان کی تصدیق نہ کر سکیں گے، بلکہ جو شخص اس عجوبہ قصّہ کی تصدیق کرے گا اس کو بھی ان لوگوں کے یہاں سے مجنوں، دیوانہ، اور خبطی و پاگل کا خطاب ملے گا،

تو کیا اے عقلمند! مادّہ کی وُہ سحر کاریاں اس واقعہ کی ندرت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وُہ بچہ جو ایک نامکمل انسان ہے ان امور کی کی قدرت نہ رکھے جن کو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دے سکتے ہیں، اور ایک "جمادِ لایعقل" جس کو ذرّہ برابر بھی ادراک و شعور نہیں، تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے محکم و دستور العمل تیار کرے جن کو دیکھ کر دُنیا کے عقلاء حیران ہیں اور جن کے اسرار حکمت کی گہرائی کو سب مل کر بھی آج تک معلوم نہیں کر سکے، اگر اس پر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ نہیں کچھ ہی ہو ان تمام قوانین کی واضع وہی مادّہ کی بے اختیاری حرکت ہے تو بقول علامہ حسین آفندی "ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک ان دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے جس میں متعدد کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہوں وُہ شاندار دروازوں اور مضبوط جنگلوں سے آراستہ ہو،

Marfat.com

اس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں، اور کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوئے ہوں، بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں، نہایت بیش قیمت برتن اس کے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں۔

مختلف گھڑیوں، متعدد "مقیاس الحرارۃ" اور مقیاس الہوا کے ذریعہ اس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو۔

غرض اس میں بود و باش کرنے کے لئے جتنے سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں، اس کے چاروں طرف نہایت خوب صورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں۔ گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جن میں درختوں کا صف باندھ کر کھڑا ہونا نگاہوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو قسم قسم کے پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اس کی نہروں اور جدولوں میں پانی بھرا ہوا ہو، اس کے مستحکم بنے ہوئے حوض لبالب بھرے ہوں،

خلاصہ یہ کہ عیش و آرام کے سب سامان مہیا ہوں، اور جو بھی انہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں شئے فلاں حکمت پر مبنی ہے، اس کی یہ ضرورت ہے، اس کا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور خوش تدبیر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینے سے بنائی، اور جس شے کے لئے جو مقام تجویز کیا وہی مناسب تھا۔

اب ایسے مقام پر پہنچ کر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ

کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری عجیب غریب صناعیوں پہ خوب ہی قادر تھا، اور ان کی تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب ہی تو اس نے انتہا درجہ کی حکمت کے اس کو اس قدر مضبوط اور استوار بنایا، اور خوبی یہ کہ اس کے تمام لوازمات کامل طور پہ مہیا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور کماحقہٗ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو اور کوئی امر آسائش و راحت میں مخل نہ ہونے پائے، اس کے بنانے والے کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اس میں علم و قدرت، تدبیر و حکمت وغیرہ اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑتی ہے سب موجود تھے۔

باقی اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ اگرچہ میں اس کو دریافت نہیں کر سکا کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے اطمینان کر لیا ہے کہ اس کا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اس نے ان کو بھی خارج از حکمت و مصلحت نہ بنایا ہوگا۔

اب دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے وجود کا سبب جو تم نے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف (جو اس کوٹھی کے پاس استادہ تھی اور جس کی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تھا) اشارہ کر کے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے اس قطعۂ زمین کی

Marfat.com

جانب جہاں میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے یہی ہوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھروں کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اس کی وجہ سے مختلف شکلوں پہ اس قطعہ زمین پہ جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہوگی کبھی کچھ اسی طرح کبھی وہ چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور ان کی اوضاع شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہانتک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد اب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کمرے، نشستگاہیں دروازے جنگلے، برآمدے، راستے، حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں۔ رہا نہروں کا جاری ہونا اس کی یہ صورت ہوئی کہ اس چشمہ سے جو کہ اس پہاڑی کی تلی میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا۔ اس لئے پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی ہوا اور بارش کا اثر اس کے راستہ میں ہوتا رہا، شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں جاری ہوگئیں اور اس میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔

اب اس کے برتن، گھڑیوں، فرش اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے، ان کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پہ اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں، اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادھر ادھر منتقل کرتی رہی حتیٰ کہ سالہا سال

Marfat.com

کے بعد یہ نوبت پہنچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے، برتن قطار و نمیں آراستہ گھڑیاں اور متیاس دیواروں پہ آویزاں ہوگئیں، یہی حالت ان درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیر گاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں، ان کے بیج ہوا میں اڑکر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پہ جم کر اگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادھر اُدھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پہ آراستہ ہوگئے اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے۔

اب وہ شخص جس کے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہے، بے لاگ ہوکر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کر دے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلادے کہ اس کوٹھی کے تیار ہونے کا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہے عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہے یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس، اور اسی طرح عالم کی پراسرار ہستی کے واسطے ایک قادر مطلق اور "علام الغیوب" خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہے، یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا، اور ایسی صورت میں اربوں کھربوں انسانوں کی رائے (جو آدم علیہ السلام کے عہد سے اس وقت تک گزرے ہیں اور جن کے بڑے بڑے حکماء اور اولوالعزم انبیاء بھی شامل ہیں) صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی۔

بلاشبہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدا تعالیٰ کی حکمتوں

Marfat.com

اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے، خُدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا، بلکہ صرف ان قوانین میں جو حرکت مادّہ سے پیدا ہوئی ہیں باہم توافق تناسب ربط و اتحاد پیدا کرنے کے لئے خُدا کے وجُود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب و اتحاد کا باقی رکھنا بھی اسی مادّہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسے ایسے غامض اور غیر متغیّر قوانین عالم میں جاری کر دیئے ہیں۔

تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علما نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دُوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنا لیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کر دی حالانکہ دُنیا کی وُہ پُرانی کتاب جسپر یہ لوگ نہایت زور شور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جس کو اہلِ ہند کی عزّت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خُدا کی ذات و صفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگوید منترا اشلوک ۱۸ وہیائے ورک ۱۷ کا جو ترجمہ خود سوامی دیانند جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ ۷۵ میں کیا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے :-

جس وقت ذرّوں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی پیدائش کائنات سے پہلے است (غیر محسُوس حالت) تھی یعنی شونیہ اکاش بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اُس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں

Marfat.com

تھا اس وقت (ست پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرّے) تھے وارٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھہ (قدرت جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علت) ارکان ہے موجود تھی الخ

کیا رگوید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہے کیا کسی تاویل کرنے والے کے لفظی اُلٹ پھیر کچھ کام دے سکتے ہیں، کیا اس کے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم اصول قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ و بنیاد قائم رہ سکتی ہے ہم کو افسوس ہے کہ اس قوم کے لیڈروں کی کوشش جو انہوں نے وید کی جدت طرازی میں کی تھی بالکل رائگاں گئی اور انہوں نے خدا کو لوہار، بڑھئی، کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت ضائع کیا ان کا خیال ہے کہ جس طرح بڑھئی، لوہار، ظروف ساز، وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادّہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کے لئے بھی یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ دنیا کے کارخانوں کو بغیر کسی مادّہ کے بنا دے۔

لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھئی، لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں، اعضاء جسمانی وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے، حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا صفحہ ۹ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

بڑھئی، لوہار وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی ضرورت ہے حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزّوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سُنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے۔

تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادّہ کو قدیم کہنے اور اس پر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہدیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے کہ خدا تعالےٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیسا کہ زمین و آسمان اور در و دیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے، اس خدائے واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادۂ نافذہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہے گا نیست کر دے گا نہ اس کو مادّہ کا احتیاج ہے نہ اس پر رُوح کی حکومت ہے نہ اس کے اختیارات محدود ہیں، اور نہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہے وُہ تمام کمالات کے ساتھ موصُوف، اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے، کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجُود ہی ان کا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی ان کا باعث ہُوا ہے تو جب خُدا کا وجُود غیر محدُود اور خانہ زاد ہے کسی دُوسری جگہ سے آیا ہُوا نہیں اور نہ ہی عدم کا قطعاً اس کے

Marfat.com

ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اس کے بے حد و بے پایاں اور اور غیر مستعار ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اس کے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا

پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دنیا کو بنا دیا ہے تو یقیناً اس کی ایجاد اور ابقاء میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہوں گی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا۔ جس کو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موضوع ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنے اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔

بہرحال اب تک جو کچھ ہم نے لکھا اس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جن کی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہے یا جن کو ہم انشاء اللہ اسی مفصل کتاب میں ہم درج کریں گے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا ہے یہاں تو ایک سچے دلنشین اور عام فہم طریقہ سے جس قدر اس مختصر تحریر میں گنجائش تھی عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اس میں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کے لئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہو سکتا ہے اور اسی سے ہماری سب حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں

Marfat.com

یا ہم کو مختلف ضرُوریات کے واسطے در در بھٹکنا پڑے گا اور بہت سے خود مختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی۔

توحید

یہی وُہ بحث ہے جس کے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں یہی وُہ مقام ہے جس میں آکر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھا گئے ہیں اور یہی وُہ موقعہ ہے جہاں پہنچ کر دینِ برحق کے کارناموں کی آزمائش ہوتی ہے مگر قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں کے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب سے علیحدہ ہو کر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائے کامل کے دریافت کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دُنیا کا بلا مشقت انتظام کر سکتا ہے، یا اس کو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں یار مددگار رکھنے کی بھی ضرُورت ہے۔

جہاں تک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامۃ حضرت مولانا محمّد قاسم صاحبؒ سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا اور مصنفین میں سے غالباً اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اس قدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سلجھا سکا چنانچہ مولینا کے ان مضامین کا

Marfat.com

ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے۔ شعر ؎

مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخواں
تا بگویم کہ ز عہد طرب ما یاد آمد

جناب من دُنیا کے پیدا کرنے والے اگر دو یا دو سے زائد خُدا ہوتے تو ہرگز کوئی چیز بھی وجُود میں نہ آسکے گی اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم برہم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کی جا چکی ہے کہ جس چیز کو خُدا کہا جائے اس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہ ہونا چاہیئے اگر ایسا ہو تو عام بندوں میں اور اس میں فرق نہیں رہ سکتا اس لئے کہ بندے خُدا بن لے سے اس لئے محرُوم ہیں کہ ان میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجُود کی باگ ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجُود کر لیں اب اگر خُدا بھی ایسا ہی مجبور ناقص ہو تو اس کو کیا استحقاق ہے کہ وُہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پا گئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ آدھی مخلوق ایک خُدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خُدا میں نصفا نصف خُدائی کی کمی اور کسر ہوگی، اس بنا پر یہی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک خُدا پُوری پُوری خُدائی کا مالک ہے۔

مگر اس صُورت میں جیسا وُہ کامل ہوگا دُوسرے پر اس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہے، جیسے آفتاب یا چاند اور زمین و آسمان وغیرہ کی، آفتاب سے آفتاب کی طرح

کا، اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے، اور زمین و آسمان در و دیوار کوہ و اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شے کو حسب قابلیت منوّر کر دیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر آنے لگتی ہیں لیکن آئینے کا اتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہو جاتا ہے، وہ خود بھی منوّر ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے، الغرض جتنا چاند اور سورج میں فرق ہے اتنا ہی ان کی شعاعوں میں اور اور چیزوں کے منوّر ہونے میں فرق ہے تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھہرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اس کی تاثیر بھی کامل ہوئی۔ اب اگر ایسے ایسے دو یا کئی خدا ہوں گے اور مخلوقات مشترک ہو گی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئے گا، گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتے میں ویسے ویسے دو قدم، اور ایک اچکن میں اس کے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اسی مقدار کی دو تلواریں، اور ایک مکان میں اسی کی گنجائش کے موافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بے شک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہو جائے گی۔

ہاں اگر خدا کے وجود کا کامل ہونا ثابت نہ ہوتا بلکہ اس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یوں بھی کہہ سکتے کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہو

Marfat.com

جاتا ہے دو خُدا کے وجُود کا پہ تو مل کر کمال کو پہنچ جاتا ہوگا، مگر اس کو کیا کیجئے کہ خُدائی کے واسطے کامل الوجُود اور تمام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اس اعتراف کرنا پڑا ہے۔

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وُہ دو وجُود جو خُداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے، اگر ایک ہی خُدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور و قُوت اور شرکت و حشمت دُوسرے کو حاصل ہے وہ سب بھی اس ایک خُدا کے پاس ہوتے تو بلاشُبہ یہ سب مل کر اس ایک تنہا خُدا کی انفرادی قوّۃ میں بہُت کچھُ اضافہ ہو جاتا اس سے ثابت ہُوا کہ ہر ایک خُدا کے وجُود میں فی الجُملہ کوتاہی اور نقصان ہے جس کی مکافات دُوسرے کے وجُود سے کی جا سکتی ہے باوجُودیکہ اس کا اقرار کیا جا چکا ہے کہ خُدائے پاک کی ذات ہر قسم کے قصُور و فتور سے مبرّا ہے وُہ بے نقصان ہے سب چیزیں اس کے بھروسہ پہ قائم ہیں وُہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وُہ سب کی اصل ہے اور سب اس کی فرع ہیں۔

اور کیوں نہ ہو جس سلسلہ کو دیکھئے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے، نورِ آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزارہا روشندانوں میں جدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہے اعداد کا سلسلہ گو ایک سے الیٰ غیر النہایۃ پھیلا ہُوا ہے کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں بیس ۲۰ کہیں سو کہیں ہزار اور اس پہ کہیں جذر کہیں مجذور کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت

Marfat.com

کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ لیکن ان سب کی اصل وہی ایک[1] کا عدد ہے اگر ایک نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست و نابود ہو جائے موجوں اور حبابوں کے کارخانوں کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک جڑ ہے آدمی وغیرہ کو دیکھئے تو سب اصل میں جسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں۔

اسی طرح جہاں نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس کا کوئی "سر منشا" نہ ہو اور پھر ان سر منشاؤں کو دیکھئے تو ان کا کوئی اور سر منشا ہے۔ وھلمّ جرّا مثلاً ہم تم ہندو مسلمان اور یہود و نصاریٰ وغیرہ میں آدمیّت سر منشا ہے۔ اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سر منشا ہے اور گدھوں کی اور اصل اور کتّوں کی اور اصل ہے، ان سب اصولوں کی اصل جاندار ہوتا ہے ادھر نباتات کی اصل علیحدہ ہے اور ان کا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سر منشا ہے۔ پھر ان کی اصل اور، اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جا کر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شئے مشترک عین موجودات نہیں (جیسا کہ اپنے موقعہ میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے) بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شئے کبھی موجود ہو سکتی ہے کبھی معدوم، یہ کہا جائے گا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیسا کہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جو کہ اس کی اصلی اور ذاتی ہے، اس میں عارضی گرمی پیدا کر سکتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عالم کے وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے

Marfat.com

ہے کہ وُہ کسی ایسے موجُود اصلی سے مستعار ہو جس کا وجُود عرضی و مُستعار نہ ہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزارہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یُوں یقین کرنا چاہیئے کہ تمام عالم کا وجُود بھی ایک موجُود حقیقی و اصلی کا پرتو ہے اسی کو ہم خُدا سمجھتے ہیں اور اُسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں تعدد کی گنجائش نہیں۔

اب یہاں پہنچ کر آپ شاید بول اُٹھیں کہ ہم نے مانا کہ موجودات کے وجود میں باہم اس طرح کا فرق نہیں جیسے دھوپ اور چاندنی میں جس کا وجُود ایسا ہی یکساں نظر آتا ہے جیسے اِس میدان کی دھوپ اور اُس میدان کی جس طرح ہر جگہ کی دھوپ کو خواہ وہ میدان وسیع اور جنگل میں ہو یا صحن مکان میں دھوپ ہی کہا جاتا ہے، اسی طرح ہر چیز کے وجُود کا نام بھی خواہ وُہ زمین و آسمان کا ہو یا چاند سورج کا یا انسان و حیوان کا وہی وجود رہتا ہے لیکن اگر فرض کریں کہ آسمان پہ ایسے ایسے کئی آفتاب ہُوں تو جس طور پہ بہت سے ستاروں کا نور مل کر رات کو یکساں نظر آتا ہے یا لیقین ان آفتابوں کا نور بھی مل کر یکساں نظر آئیگا پس اگر عالم کے واسطے کئی صانع ہوں اور سب کے وجُود کا پرتو مل کر اسی طرح یکساں دکھائی دیتا ہو تو کیا بعید ہے۔

اس شُبہ کا جواب اوّل تو وہی ہے جو اس تقریر کے شروع میں معلوم ہو چکا کہ جس کارخانہ کو دیکھئے وُہ کسی ایک چیز پہ منقطع ہوتا ہے اور جس سلسلہ کو دیکھئے کسی ایک پر منتہی ہو جاتا ہے چنانچہ دو ہوں کا آفتاب پہ سلسلہ

اعداد کا ایک پُرموجوں کے قصّہ کا پانی پہ تمام ہونا اور چند مثالیں ان کے سوا پہلے بیان ہوچکی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں میں جتنے پھیلاؤ ہیں وہ کسی ایک شئے کی طرف سمٹے جاتے ہیں۔

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ پانی اور آفتاب وغیرہ اشیاء مذکورہ کی وحدت (یعنی ایک ہونے کی صفت) بھی منجملہ موجودات کے شئے موجود ہے اور ان اشیاء میں وحدت کا وجود بھی عارضی طور پر ہے کیونکہ آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہوسکتے ہیں اگر ان کی وحدت اصلی اور ذاتی ہوتی تو وہ ان سے کسی طرح زائل نہ ہوسکتی یعنی نہ ان میں تقسیم جاری ہوتی اور کثرت کی گنجائش کسی نہج نکل سکتی، اس سے ظاہر ہُوا کہ جیسا عالم کا وجود عارضی ہے وحدت بھی اس کی عارضی ہوگی، اور یہ وحدت بھی اسی موجود اصلی کا فیض ہوگا، جس کا فیض خود وجود عالم ہے اور اس کی وحدت بھی اسی طرح اصلی ہونی چاہیئے جس طرح اس کا وجود اصلی ہے۔ اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ وحدت اقسام وجود میں سے ہے ایسی ہی کثرت بھی ہے اور عالم کا ہر قسم کا وجود عارضی ٹھہرا اور خدا کے وجود کا پرتو ہُوا تو لازم آئے گا کہ وہ صفت کثرت بھی خدا کے اندر پایا جاوے اور اس کے واسطے وصف اصلی اور ذاتی ہو لیکن یہ مغالطہ تمکو اس وجہ سے لگا کہ وحدت کے مانند کثرت کو بھی تم نے اقسام وجود میں شمار کرلیا حالانکہ کثرت کا مبنیٰ عدم پر ہے۔

دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار

ہیں ایک مکان کے دو روشندان برابر برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا غرض یہ کثرت اندھیرے کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر ادھر ادھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہ ہو، مثلاً دیوار کو مکان میں سے اُٹھا ڈالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے گا اور یہ فرق و امتیاز اور تعدد جس کا نام کثرت ہے ذرا باقی نہ رہے گا اب چونکہ اندھیرا نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں اور نہ ہونا ہی عدم ہے تو معلوم ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی نہ وجود کے اقسام میں سے نہیں۔

بہرکیف اس تقریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو اوصاف وجودی ہیں اور عالم میں پائے جاتے ہیں وہ ضرور ہیں کہ خدائے تعالیٰ میں بھی ہوں اور جو اوصاف عدمی ہیں وہ لازم ہے کہ خدا میں نہ ہوں اور یہ ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہوگا اس میں کسی قسم کی تقسیم کی گنجائش نہ ہوگی اور نہ وحدت جو اوصاف وجود میں سے ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اس میں اصلی نہ رہے گی حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اس کا اصلی ہو اور سب قسم کا وجود مخلوقات کو اس سے پہنچے اور ہر طرح کے وجود کا منبع اور معدن ہو اور پھر اس میں بعض انواع وجود کے اصلی نہ ہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اس کا عین ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے اور اوصاف اس کے عین وجود ہیں ورنہ وحدت اصلی اور موجودیت ذاتی باقی نہیں رہ سکتی۔

اس وقت گو میں یقین کرتا ہوں کہ جو شبہ تم کو تعدد صانع کے متعلق پیش آیا تھا اس کا حل کافی حد تک ہوگیا ہے بلکہ اس کے ضمن میں اور بہت

Marfat.com

سے گراں قدر فوائد بھی اختصار کے ساتھ حاصل ہو گئے لیکن میری یہ رائے ہے کہ ابھی اس مضمون کی کچھ اور بھی تشریح کروں اور توحید کے بارے میں جو کچھ بھی شبہات ہوں اُن کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ ڈالوں بگوش و ہوش سنیئے۔

مَیں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجاد عالم میں شریک ہوں گے تو وہ دونوں جیسا کہ صانع ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہوں گے ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیٰحدہ بھی ہوں گے کیوں کہ جہاں اشتراک کے ساتھ تعدّد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے سے علیٰحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجودیکہ آدمیّت میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیسا کہ شکل و صورت قد و قامت، مکان و زمان، رنگ و روپ، خاصیت مزاج وغیرہ میں اگر یہ علیٰحدگی اور فرق نہ ہو تو تعدد ہرگز نہ ہو، وہی ایک آدمی رہے اس بنا پر سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں مشترک ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے اندر ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائی جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

مگر ذات بے وجود کہ معدوم محض ہے کیوں کہ دنیا کی ہر ایک چیز وجود کے ذریعہ سے ہی موجود کہلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے وجود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ ہر شئے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہے مگر خود نور کو اپنی نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور

وہ دونوں وجُود میں اشتراک رکھتے ہوں تو ان دونوں کی ذات (یعنی وہ خصُوصیّات خاصہ جن سے ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہوگی اور چونکہ وجُود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں، اس لئے ہر ایک خدا فی حد ذاتہٖ وجود سے بالکل خالی ہوگا اور ان پہ وجود اسی طرح عارض ہوگا جس طرح زمین آسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور مظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے ان سے کو روشن کر دیا اس صورت میں ہم دونوں خُداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہوں گے جس کا وجود خود اس کی ذات کے اندر داخل ہو اور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتنا ہی تھا کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجُود اصلی پہ ختم ہوتا ہے چنانچہ یہ بات اس تقریر سے بخوبی حاصل ہو گئی کیونکہ جب موجُودات دو خُداؤں سے مثلاً پیدا ہُوئے اور وُہ دونوں ایک موجود اصلی میں شریک اور اصلی سے معدوم ٹھہرے تو یہ معنی ہوئے کہ موجُود اصلی کا فیض ان دونوں کے واسطے سے اوروں کو پہنچتا ہے جیسے پرنالہ کے وسیلے سے چھت کا پانی نیچے آتا ہے اور آتشی شیشہ کے طفیل سے آفتاب کی سوزش دُوسری چیزوں کو پہنچتی ہے اور قلعی دار آئینہ کے صدقہ سے آفتاب کا نور ان در و دیوار کو پہنچتا ہے جو آفتاب کے مقابل نہیں ہوتے ان تمام صورتوں میں سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ آفتاب کی سوزش آتشی

Marfat.com

شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہنچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو اسی طرح اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑ سکتا بلکہ اور یہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے وقائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان وحیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیاریہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے مؤثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اس وقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلۂ فیض اور واسطۂ ایجاد سمجھی جائیں گی اور ان کے خالق ہونے کا شبہہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہو جائے گا اور اس وقت ہم بآواز دہل یہ ندا دے سکیں گے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں ان چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور ادنیٰ درجہ کے مثلاً دیو ہوں یا پری، اوتار ہوں یا فلک دوار، دوا ہو یا دعا، پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز زمانہ ہو یا مکان، چاند ہو یا سورج، ستارے ہوں یا اور کچھ، سب کے سب خدا کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑھئی کے سامنے بسولہ نہانی برما وغیرہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ بے بلائے اس کے نہیں ہلتے اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

Marfat.com

اور اس سارے سلسلۂ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کارخانوں اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے اوّل کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ اخیر کی کل سے ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بجز حرکت جمادات میں سے ہیں ان کے واسطے جبتک کوئی ذی عقل اور صاحبِ ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلے گا اسی طرح سلسلہ عالم کے واسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خدائے تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل اور حقیر سے حقیر چیز بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور کسی شئے کو اس کی سطوت اور حکومت کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں جو کچھ وہ چاہے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا اور مقرّب سے مقرّب بندے بھی اس کے دربار میں بغیر اس کی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جس کی طرف اسلام نے نہایت زور شور کیساتھ دعوت دی ہے یہی خلاصہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اوّلین ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہے اور جن مذاہب میں شرکِ صریح کی تعلیم موجود ہے وہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے

Marfat.com

سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کر لیا جاوے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو، لیکن یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے بالکل خالص اور بے لوث توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اس جہالت اور تاریکی نے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ تھا، ہزاروں بندگانِ خدا کو توحید سے مانوس بنا دیا اور آج تک کروڑہا کروڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دھو ڈالا۔

کیا اسلام کی اس بے غل و غش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کر سکتی ہے جس نے خدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈالدی اور آگ پانی وغیرہ کو بھی قابلِ پرستش سمجھا اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا، اس قوم کی جن کے خدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے ان کا کمزور خدا ان دونوں کے منشاء کے خلاف نہ کبھی کوئی کارروائی کر سکتا ہے اور نہ ان سے بگاڑ کر ایک دم اپنی خدائی کو قائم رکھ سکتا ہے یا اس قوم کی جنکا تثلیث خدا اپنی کرسی عظمت سے اتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیات کا محکوم بنا اور نبی آدم کی خطائیں معاف کرنے کے واسطے اس کو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یا اس قوم کی جن کا خدا خلقت کے بعد سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دنیا میں طوفان آجانے سے ایسے بیحد ملول ہونا پڑا یہاں

Marfat.com

تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اس کی عیادت کرنی پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اس کی کشتی ہوئی تو انہوں نے اس کو زمین پہ پٹک دیا۔

کیوں منصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید ان میں سے کس مذہب کی بدولت دنیا میں نظر آرہی ہے۔

نبوّت

ان تمام مراحل کے بعد جو ہم نے یہاں تک طے کیے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکتہ الآرا بحث جو باقی رہ جاتی ہے وہ نبوّت کی بحث ہے اور افسوس کہ جس قدر وقت اس کے لئے درکار ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اس پہ بھی ہمنے یہ کسی حال میں مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کر دیا جاوے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہاں پہ ایک اجمالی بحث اس کے متعلق لکھ کر تفصیل تام کو اسی ضخیم کتاب کو اوپہ اٹھا رکھیں جس کی امید ہم پہلے دلا چکے ہیں، تاکہ ہمارے سامعین کے دلوں میں اگر کوئی گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو تو وہ اس سے اپنی تسکین کر لیں،

نبوّت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پہ یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے

Marfat.com

یہ عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارے میں جہاں تک تامل سے کام لیا گیا کل تین سبب اس کے متعین ہوئے جلب منفعت، دفع مضرت اور عشق و محبت، چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی اُمید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشۂ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کی بتقاضاء محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو اب اگر یہ تینوں سبب فرض کرو کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو فطرت انسانی یقیناً اس کی خدمت و اطاعت کو فرض عین قرار دے گی۔ پس جبکہ پچھلے اوراق میں حق تعالےٰ شانہ کی نسبت مدلل طریقہ سے یہ طے ہو چکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی داد و ستد، سلب و عطا، اور نفع اور ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اسی کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے اور اس کے سوا کوئی عالم کا مربّی اور محسن بھی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسی خدا کی عبادت سے سرِ مو انحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی کی خدمت گزاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے، جیئے تو اسی کے نام پہ جیئے، اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتا مرے۔ غرض کسی حالت میں اس سے بیگانہ ہووے اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے۔

باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق

Marfat.com

یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اس کا وجود ہر طرح پر عظمت اور کامل اور مکمّل ہے، ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اُسی کو ہے اور وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں اس میں اعلیٰ درجہ کی شانِ محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے اُنہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہو اور خُدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہو۔

مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلّی گاہ کیطرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اس سے اپنے حال کے متعلّق عرض معروض کرنا ادھر سے حکم آجانے پر سرِ نیاز جھکا دینا، اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھ کر نماک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیّت اور آداب شاہی کے قائمقام ہیں؛ علیٰ ہذا القیاس اپنے مال و دولت کو خُدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اس کے حکم کا منتظر رہنا یہ بھی سراپا اطاعت ہونے کے لوازمات میں سے ہے،

پھر اگر خدائے تعالےٰ کو محبُوب حقیقی سمجھتا ہے تو اس کے قرب و وصل کی فکر میں ہر ایک ماسوا سے بیزار ہو جانا آب و طعام اور لذّت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہے) ترک کر دینا اس کے بعد تجلی گاہِ ربّانی کی طرف پا برہنہ سر برہنہ لبیک کہتے ہوئے دوڑنا اور وہاں پہنچکر کبھی حالتِ شوق و وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرنا، کبھی دشمنِ محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا اور کبھی جان و

مال سے فدا ہونے کے لئے تیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوں گے، الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روئے نیاز دوسری جانب نہ پھیرے لیکن سخت مشکل یہ تھی کہ کسی کی اطاعت بغیر اس کے متصور نہیں کہ ہم کو اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہے ہر شخص کی قدرت سے باہر تھا، کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہم نے چند احکام معلوم کر لئے تو اوّل تو تمام احکام کی تفصیل اس سے معلوم نہیں ہو سکتی، دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہ ہماری عقل کا ہر بات میں پابند بھی نہیں ہو سکتا اس بنا پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت و عبادت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضاء و عدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے۔

اور یہ خوب معلوم ہے کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت و تکبر اور ذرا سے چھوٹے استغنا پر ہر دوکان، دوکان اور مکان مکان اپنے احکام سناتے نہیں پھرتے، اور نہ ان کو یہ گوارا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کے واسطے ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین وراء الوراء ثم الوراء جس کو تمام عالم سے بالکل استغناء اور سب چیزوں کو اس کی احتیاج ہے ہر ایک عام و خاص اور ہر ایک رند بازاری کو منہ لگانا اور

Marfat.com

اپنی حضوری و ہمکلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائے گا جب ایسا نہیں تو بیشک خدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہوں گے جیسے بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنت یا والسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہنچتے ہیں ایسے ہی خدا کے پیغام اور امر و نواہی ان معتمدین کے ذریعہ سے ہم تک وصول ہوں گے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسول اور پیغمبر کہتے ہیں اور ہمارا قال ہے کہ جس زمانہ میں خدائے تعالیٰ سمجھتا ہے، ایسے رسولوں کو اس زمانہ کے مناسب ہدایات دے کر مبعوث فرما دیتا ہے۔

یہاں پر تم کو شاید یہ شبہ گزرے کہ مختلف قرون میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاویں گے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے موخر کی شریعت مقدم کی شریعت کے واسطے ناسخ ہوگی تو وہم یہ ہوتا ہے کہ ... پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہو گیا تھا یا بھول چوک سے اس کو مناسب احکام دیئے تھے جو دوسرے نبی کے ذریعے سے اس غلطی کی اصلاح کرائی گئی، مگر یہ شبہ آپ کا سراسر کم فہمی اور نادانی پر مبنی ہے، نسخ کے معنی صرف تبدیلی احکام کے ہیں یہ آگے آپ کا قیاس ہے کہ وہ تبدیلی پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ واقع ہوئی ہوگی۔

خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے،

آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے، چند روز بعد وہ نسخہ

بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہو گئی تھی جس کی مکافات وُہ دُوسرے نسخے سے کر رہا ہے، جب یہاں آپ نے ایسا نہیں سمجھا تو خُدائے تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلا وجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کر لیں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کر کے اس کے موافق مختلف احکام جاری کر دیئے ہیں، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ باقی یہ خلجان کہ کیا خُدائے برتر اس پر قادر نہیں تھا کہ ابتدائے عالم میں ہی کوئی ایسی مکمّل کتاب ہدایت کے لئے نازل فرما دیتا جس میں ہر زمانہ کے تغیرات کی رعایت کر لی جاتی اور اس کی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وُہ اپنے سچّے الہام میں دست اندازی کرے۔ اس کی بابت میں عرض کرتا ہُوں کہ بیشک خُدا اگر اس پر قادر تھا تو کیا اس پر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے، رحم مادر میں پرورش پانے اور بتدریج نشوونما کرنے کے ایک کامل و مکمّل انسان دفعتاً پیدا کر دیتا (جیسا کہ آریہ سماج اپنے چار رشیوں کی نسبت کہتے ہیں) یا بغیر تخم ریزی آب پاشی وغیرہ سامان زراعت کے خود بخود تمام نباتات کو زمین سے اُگا دیتا اگر اس نے باوجُود قدرت کے ان جسمانیت میں (نعوذ باللہ) یہ دردسری اُٹھائی تو رُوحانیت میں بھی اس کو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہیئے اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں اور مصلحتیں متعلق ہو سکتی ہیں تو یہاں اسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنے سے کونسی چیز

Marfat.com

مانع ہے ؟

بہر کیف اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان مختلفہ تخم ہائے اخلاق کی (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈالدیئے گئے ہیں) تربیت اور نشو و نما کے واسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہے، اس کو ترقی اور نشو و نما حاصل ہو وہ ابر ہائے رحمت جیسا کہ بلال رضؓ اور سلمان رضؓ کے کھیتوں کو سرسبز و شاداب کریں ایسے ہی ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر و شقاوت کا بیج بکھیرا گیا ہے اس میں بھی جان تازہ ڈال دیں ان ہی سحابہائے معارف کو انبیاء کہا جاتا ہے۔ ان کے اثر کو تقویت پہنچانے والوں کا نام ملائکہ ہے اور ان کی تدابیر کی رہزنی کرنے والوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے۔

ملائکہ اور شیاطین

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سُنکر بعض منکرین کو شاید ہمپر غُصّہ آ جائے اور وُہ اِس قصُور پہ کہ ہم نے ان کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہے کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقفیّت سے دُور نہ سمجھ بیٹھیں اس وجہ سے مناسب معلُوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کر دی جائے۔

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہل عقل جسم انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں سے دی گئی ہے جن میں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے کے مخالف اور متضاد ہے مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اقوام میں کوئی حصہ آگ کا موجود ہے اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جزو ہوائی کا تیقن ہوتا ہے، اور خشکی سے جزو خاکی کا ثبوت اور تری سے جزو آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی پانی، ہوا، اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حصہ لے کر جسم کا خمیر بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد جب حکما نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اس میں یہ چاروں اجزا ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ بافراط موجود ہوں اور جن میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر خدائے تعالیٰ نے آدم کے جسم کو ترکیب دیا ہو، اس قسم کے چار خزانوں کے نام انہوں نے کرۂ ارض، کرۂ ہوا، کرۂ نار اور کرۂ آب اور ان میں سے ایک ایک کو حرارت، برودت، رطوبت، یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا۔

ٹھیک اسی طرح روح انسان کی ترکیب اور اس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور معارض اجزا سے واقع ہوا ہے جس کی بنا پر انسان کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی بدی کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا، بلکہ صرف یہ سمجھ کر کہ رطوبت، اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا

Marfat.com

نہیں ہوتے ، یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب و خاک وغیرہ سے ہوئی ہے ، اسی طرح طاعت و معصیّت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرّق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ رُوح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے ، اور جب یہ ہے تو جیسا کہ عناصر جسم کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ چار مخزن تسلیم کر لئے گئے تھے ایسا ہی ان دونوں رُوحانی خبروں کے واسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا استبعاد ہے ۔ پس خدا کی وُہ مخلوق جس میں ہمیشہ امورِ خیر اور نیکی ہی کی طرف توجّہ پائی جاوے اور ان کا طبعی اقتضاء طاعت ہی ہو اور ان کی صرف یہی شان ہو کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ اسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں وُہ گروہ جس کی طبیعت میں معصیّت ہی معصیّت رکھی ہو اور اطاعت و عبادت سے اس کا پیمانہ بالکل خالی ہو اور اس کی حالت محض وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ہی سے ادا کی جا سکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں

اس پر بھی اگر ہم سے کوئی مہربان آریہ دریافت کریں کہ گو عقلی دلائل سے ایسی چیزوں کا وجُود ثابت ہو سکتا ہے مگر ہم نے اور کسی نے آج تک اُن کو نہیں دیکھا اور رجماً بالغیب ایمان لانے کو ہمارا دل گوارا نہیں تو ہم اُن حضرات کی خدمت باادب گزارش کریں گے کہ آپ نے وُہ تین حصّے بذاتِ خود روشن دُنیا کے جو ہماری دُنیا سے بالکل علیٰحدہ ہیں ،

Marfat.com

اور جن کا ذکر بیجر دید کے تیسرے منتر میں موجود ہے کب اور کس وقت اور کس جگہ مشاہدہ کئے ہیں۔ اور اگر کئے ہیں تو کیا آپ دوسرے لوگوں کو ان کا مشاہدہ کرانے کے لئے تیار ہیں دیکھئے اب آپ خود اس منتر کا ترجمہ بھاشیہ بھومکا صفحہ ۸۰ میں ملاحظہ فرمائیے کہ گذشتہ و آئندہ و موجودہ جس قدر کائنات ہے اس سب کو پرماتما پرش کے مہما یعنی عظمت کا نشان سمجھنا چاہیئے "

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ محدود کائنات کو اس کی عظمت کا نشان بنانے سے اس کی عظمت محدود ہو جاتی ہے اس کا جواب اسی منتر میں آگے دیتے ہیں کہ اس کی عظمت اس پر محدود نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور غیر محدود ہے پرکرتی سے لے کر زمین تک تمام (لطیف و کثیف) کائنات اس غیر متناہی قدرت والے ایشور کے ایک پہلو میں قائم ہے اس کی ذات پر نور میں امرت (عالم عرفانی یا موکش کا سکھ) موجود ہے یعنی تین حصے کائنات عالم لطیف و روشن میں موجود ہے گویا غیر روشن دنیا ایک حصہ ہے اور بذات خود روشن دنیا اس سے لگنی ہے اور اور وہ ایشور عین راحت موکش سورد پ حاکم کل معبود کل عین مسرت اور سب کو روشن و منور کرنے والا ہے "۔ اس عبارت کو سننے کے بعد بھی کیا ہندوستان کی پرجوش سوسائٹی کا کوئی ممبر جن دھرم یا بہشت و دوزخ کے وجود سے انکار کر سکے گا "

Marfat.com

نبی کی علامات

منکرین کے شبہات کا حل کرنے میں چوں کہ اب ہم اپنے اصلی مقصد سے دور نکل گئے ہیں اس لئے ہم کو اسی طرف پھر عود کرنا چاہیئے اور یہ بتلانا چاہیئے کہ کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہے آیا جو کوئی بھی دعوۂ نبوت زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دنیا کو چند عجیب وغریب تماشے دکھلادے یا جو کوئی بھی، دو چار ہزار مرید جمع کرلے اسی کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کیواسطے کوئی معیار ایسا تجویز کیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جاسکے رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہ ہو۔

بلاشبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد، اس کے وکیل اس کے رازدار اور اس کے نائب ہیں تو ان کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے باخبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنے کے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دنیا بھی جن کو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل، کج خلق پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں، چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب

Marfat.com

وزارت کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جن کی اخلاقی حالت نہایت پست عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں اور بجائے ہدایت پھیلانے کے گمراہ کرنے میں زیادہ مشتاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں۔ اگر نعوذ باللہ خدائے عزّوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وُہ خُدا بالکل بے خبر اور جاہل بندوں سے عداوت رکھنے والا ہے جس کو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وُہ اس کی اہلیّت نہیں رکھتا۔

تو اس صُورت میں یہ واجب ہُوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اوّلاً تو خُدا کی محبّت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادۂ معصیّت کی گنجائش ہی نہ نکلے۔ دُوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں، ان کے اندر فطرتی طور پہ راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وُہ کریں قابلِ اقتداء اور جو فعل بھی اُن سے سرزد ہو باعثِ ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست انہیں امتیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہٖ عیب ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی ان کے حق میں مضر ہے کہ کلام خُداوندی کے اسرارِ غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پہ مطلع ہونا اور ہر ایک ذکی و غبی کو احکامِ الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصوّر ہی نہیں۔

یہی تین اصُول ہیں جو ایک مدّعی نبوت کی صداقت کا ہم کو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دے سکتے ہیں جس میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہو

Marfat.com

باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوّت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدّعی نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راست بازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں اُن سے کہونگا برابر وہ اسی کے موافق کریں گے اور جو فرمائش کروں گا اس کو پورا کرکے دکھلائیں گے یہ کہہ کر سلطان کو کھڑا ہونے کی طرف اشارہ کرے اور کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معاً بیٹھ جائیں اور اس طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرّہ اس کے خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرّہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں تو کیا کسی جاہل اور معاند کو بھی ایسی حالت میں اس شخص کے دعوے کی تصدیق میں کچھ تردّد رہے گا، اور کیا کوئی بیوقوف بھی یہ حجّت کرے گا کہ دعویٰ تو اس کا محبوب اور معتمد ہونے کا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے اس سے اس پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اس کے معتمد ہونے کا اقرار نہ کرے۔

ایسے ہی احمق سے کہنا چاہیئے کہ تصدیق دعویٰ دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک مقالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اس سے بھی بڑھ کر ہے حاصل ہو گئی یہی حال بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا

Marfat.com

کا وزیر اور معتمد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خُدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعویٰ کو سُنتا ہے پھر وُہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ ان کے دعویٰ کی سچّائی دنیا پر ظاہر ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ برابر ان کے حسب مُدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے تو کیا منجانب اللہ یہ ان کے دعویٰ کی حالی تصدیق نہیں ہُوئی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اس سے (اس مدّعی کے کاذب ہونے کی صُورت میں) خُدائے برتر کا کذب ثابت ہُوا (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خُدائے تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے؛

اب اگر کسی کو یہ وہم گزرے کہ یہ سب تقریر اس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ مُعجزہ یا خوارق عادت کا وجُود ممکن ہو حالانکہ اس کا امکان ابھی محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہُوں کہ ہم مُعجزہ اُسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ علم عادت کے خلاف ہو کیونکر مُعجزہ بھی ہمارے نزدیک خُدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیض پہننے کا عادی ہو، مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے، تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اُس کی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خُداوند تعالیٰ کی علم عادت لیکن بعض مواقع میں جیکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحُوظ ہو تو آگ سے وصف احراق سلب کر لینا بھی اُس کی

عادت ہے کیونکہ ثابت ہو چکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وہ خدا کے ارادہ سے ہے وہ جب چاہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعوئ نبوت کیا اور بہت سے معجزات دکھائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اس کے کہنے کے خلاف نہ ہوا ہو تو بے شک و شبہہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہیئے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالےٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا، اور وہ اگر ایسا کرے تو دین میں جملہ رحمت نہ ہوگا۔

مجھ کو افسوس ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ وقوع کی صورت میں وہ ان کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بن جانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

میرا قصد تھا کہ اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھتا اور ان عقلاء کے خیالات کی پوری جانچ کرتا مگر تنگیٔ وقت سے مجبور ہو کر اس مسئلہ کو بھی دوسرے مسائل کی طرح اسی کتاب موعود کے حوالے کرتا ہوا خاص سرورِ کائنات آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

اس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد جو میں عرض کر چکا ہوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کے بیشمار علمی و عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات مل کر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپ کے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و ہمت کا انکی قوت و ہمت سے مقابلہ کرے گا تو یہی اس کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے۔ عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اس کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اس کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو، عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کرے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک

Marfat.com

میں شاد و خرّم عمر گزارے۔ ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات، علم معاملات، علم عبادات، علم اخلاق اور علم سیاست میں رشکِ حکمانامدار بنا دیا یہاں تک کہ دُنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام، اس نبی امّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیرِ حکومت نہیں آئی تھی، رام کیا اور اس درجہ پہ پہنچایا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبی امّی اپنی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے"

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسنِ اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا، نہ باپ دادا لے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہلِ وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلے والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی۔ ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے اُن تند خو گنواروں کو ایک صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت تک ساری دنیا میں کوئی ناپسند آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا۔ یہ وہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتاً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی

Marfat.com

حکومت میں بوچھال آنا شروع ہوگیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا وُہ ایک زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بُت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچا لیا،

غرضیکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف اُبھارا اور تھوڑے سے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خُون گرانے کے لئے تیار ہو گئے گھر بار کو ترک کر دیا زن و فرزند سے بگاڑ لی۔ مال و دولت کو سنگ ریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادۂ جنگ و پیکار ہوئے کسی کو آپ نے مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے۔ پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمع رہے یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلۂ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتکِ ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق بتلایئے۔ اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی ہے اس بھی اگر کوئی یہی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہو سکتا، کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وُہ اپنے اسلام کا

واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان خاموش سے جاکر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب سمجھاتے۔

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپ کے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذاتِ خود امّی محض، جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی، نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اس پر ایسا دین، ایسے آئین، ایسی کتاب لاجواب، اور ایسی ہدایات بیّنات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہ لاسکے بلکہ بڑے بڑے مدعیانِ عقل و تہذیب نے اس کی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کسی پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔ قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے یعنی یہ کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہوگا اور اس کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بھی پیش کر سکے۔

اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے۔ ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پہ تمام کر دیئے گئے تھے، کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا

Marfat.com

اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ اُن کے اتباع میں کسی نے اُن علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام کے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربیِ عالم ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پہ تمام کمالاتِ علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہے گا اس لئے اس کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری ٹھہرے گا، باقی قرآن کے سوا آپ کے جو اور علمی اور عملی معجزات ہیں ان کے بیان کی اس وقت بالکل گنجائش نہیں رہی اور نہ ہیں قلتِ وقت کی وجہ سے توریت و انجیل وغیرہ کے بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کر سکا، جس کسی کو شوق ہو۔ اوّل مضمون کے واسطے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ الاسلام اور دوسرے کیلئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاری کا مطالعہ کرے

اسلام اور علم وفن

البتہ اس اخیر موقع پہ اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپ کے بعد جو علوم وفنون دُنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو ترقی ہوئی اس کا بھی قدرِ اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کرا دیں تاکہ جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بناتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو ان کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں ترقیِ علوم فنون کے متعلق انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے جس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں۔

۷۴۹ء خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب و فنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون رشید ۷۸۶ء تک

بڑی فیاضی سے اس کی تربیت ہوئی۔ بہت سے ملکوں سے اہلِ علم طلب کئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی۔ اہلِ یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع اور مشتہر ہوئیں خلیفہ مامون نے سلطان روم کو سات بارہ من سونا دیتا اور ہمیشہ کے لئے صلح اس شرط پہ منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دی جاوے کہ کچھ عرصہ کے لئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھا جاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسی زرخطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملے گی۔ اس مامون کے زمانہ میں بغداد، بصرہ، بخارا، اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ اور بغداد اور قاصرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھانیوالے نظر آتے تھے فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق جوق طالب علم اندلس کو آنے لگے، اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبیل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرا تو ثابت ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ، تاریخ فلسفہ، طب، طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے اور

عربی الفاظ جو آج تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کا نام وغیرہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پہ قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ہے مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کے حاصل ہوا ایشیا اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علیٰ ہذا جغرافیہ میں پرانی عربی اور سفرو سیاحت کے رسالے تصنیفات ابو الفدا اور یسی لیوا فریقا نوس، ابن لیطوط ابن فضلان بن جبیر البیرونی المنجم اور ان کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں، علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مؤرخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے محمد الکلبی ہے جو ۸۱۹ء میں گزرا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مؤرخ گزرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پہ بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہاں کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا ان میں اوّل مسعودی، طبری، حمزہ، اصفہانی اور بطریق اسکندریہ ہیں (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے) اس کے بعد ابو الفرج اور جارج المناقین (ہردو عیسائی) اور ابو الفدا وغیرہ ہیں، نویری نے جزیرہ سقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب لکھی بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی تمینی وغیرہ کے متعدد کتابوں میں لکھے کسی کو ان کے حالات دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطر ہمیر کی تصنیفات خصوصاً

Marfat.com

وان ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے ۔عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کی معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی ۔یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا۔عربوں نے ارسطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اس پر ان کی بہت شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا۔منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ۔

الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول میں کتاب لکھی، ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا اور تشخیص امراض و شناخت ادویات بنانے میں بڑی ترقی کی، ابن یحییٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی الغزالی جس نے "تہافتہ الفلاسفہ" تصنیف کی ابوبکر بن طفیل جس نے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا، ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمول سدرس اور ٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو نیوست نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے ۔ علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جن کو نہایت

Marfat.com

قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سائرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا دوا سازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی، اور چند سمار، بغداد، اصفہان، فیروز آباد، بلخ، کوفہ، بصرہ، اسکندریہ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہوگئے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی اس کے استثناء کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے،

علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے۔ ہارون کندی ابن سینا جس نے قانون لکھا اور عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔

علی بن عباس، اسحاق بن سلیمان، ابو القاسم اور رازس جس نے طب کی تکمیل کی، اور علی ابن عیسیٰ وغیرہم ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبرا والمقابلہ کو بڑی ترقی دی، بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور صدر مکتبوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا۔ الحسن نے علم مناظرہ پر تصنیف کی، اور نصیر الدین توسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ جبیر بن عفلاء نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب کا سیومیوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور دسویں صدی عیسوی میں البانی نے زمین کے دائرۂ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن الجبر الثانی نے رفتار شمس کی دریافت

Marfat.com

کی، التیر جیوش نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی، انتہیٰ کلامہٗ۔

یہ حالت جو انسائیکلو پیڈیا کے ذریعہ سے درج کی گئی مسلمانوں کے علم و فضل کے متعلق تھی، اب ان کے چند تمدنی خصوصیات کو سُن لینا چاہیئے۔ فرانس کا مشہور و معروف محقق ڈاکٹر لبیان عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے۔ "یہ خلفائے راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وُہ ما فوق ان کی سپاہ گری اور فن حرب کے تھی جسے اُنہوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا"

شروع ہی سے انہیں ایشیائی اقوام سے کام پڑا جن پہ سالہا سال سے مختلف صورتوں میں مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ صاف و صریح طور پہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور خلفاء اسلام نے ہرگز بروز شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسکے برعکس اس کے اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وُہ صاف طور پہ کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی۔

اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اس مطلوب کے مقابلہ میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔ کسی ملک پہ فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے

Marfat.com

اور یہ شرائط جن کا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ عمرؓ نے ۱۷ھ میں باشندگان غزوہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھا پیش کئے تھے اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانونِ اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم سے مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کہیں گے لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو۔ اس کے بعد تمہارے بدلے ہم تمام ان لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے وعدہ پر مضبوط رہیں گے۔ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی۔ اور ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالےٰ کے حکم کو پورا نہ کر لیں۔

بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے، اور آپ نے سفر ائینس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ

Marfat.com

کے ہمراہ چلے اسی وقت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمّہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

سب سے پہلا سلوک عمرؓ رضی اللہ عنہ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ انہوں نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رد و رعایت اور جائیداد کے ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہ یونانی ان سے وصول کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لگایا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایائے صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ عہد و پیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم انہوں نے پیشگی ادا کردی عمّال اسلام اپنے عہد پر اس قدر مستحکم رہے اور انہوں نے ان رعایا کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ساتھ سے انواع و اقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک میں یکسادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

عربوں کی ملکگیری میں ایک خاص بات ہے جو ان کے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی دیگر اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہے) یا ترکوں وغیرہ نے ملک گیری کی ہے لیکن انہوں نے کبھی کوئی تمدن

Marfat.com

نہیں قائم کیا اور ان کی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو۔ قوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اُٹھائیں برخلاف اس کے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کردی اور اُنہوں نے ایک گروہِ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کے سے قدیم اقوام نے اُن کا دین اُن کا لباس، اُن کا طرز معیشت بلکہ اُن کا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا۔ عربوں کے بعد بہت سی اقوام نے انہیں خطوط پر حکومت کی ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اس وقت تک ان ملکوں میں باقی ہے کل ممالکِ ایشیا و افریقہ میں مراکش سے لے کر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اثر ان ملکوں میں ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا ہے بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ ان سے عربوں کا مذہب عربوں کا مذہب عربوں کی زبان کو ہرگز نہ مٹا سکے۔"

انتہیٰ کلامہٗ یہ شائستہ تمدن جس کا ذکر محقق موصوف نے کیا چند ہی روز میں دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو ہزارہا معبودوں کا گھر تھا، مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور اُنہوں نے اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنا دی، ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آپہنچی، اس پر ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اس کی بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کر لیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی

Marfat.com

اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہیے، اسی پُرخطر وقت میں ایک مرد کو خدائے تعالیٰ نے بھیجدیا جس نے اس مسجد کی عمارت کو زمانے کی دستبرد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش میں کامیاب ہوا۔

یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے جس کا مفصّل تذکرہ آپ میرے اور دیگر لوگوں کی رپورٹوں میں پائیں گے، اور وُہ مرد اسلام قدسی صفات حضرت مولینا محمّد قاسم صاحب قدس سرہٗ ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور جن کے اسم گرامی پر ہی ہم اپنی اس تحریر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

زباں پہ بارِ خدایا کس کا نام آیا!
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

بالخیر

Marfat.com

خوارقِ عادات

اِسلام اَور مُعجزات

یعنی

مُعجزات وکرامات اور قانونِ قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی ونقلی
حیثیت سے جدید انداز میں بہترین تبصرہ

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

۷۵

Marfat.com

فہرست مضامین

اِسلام اور معجزات

عنوانات	صفحہ
تقریظ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ	۷۳
خوارقِ عادات اور قانونِ قدرت کا باہمی تعلق	۷۴
مُعجزہ قانونِ قدرت کے مطابق ہے	۷۶
مُعجزہ ایک اعلیٰ قانونِ قدرت ہے	۷۸
دو تاریخی مثالیں	۸۰
عالمِ ارواح	۸۱
رُوح کے متعلق چار نظریے	۸۲
ارواحِ مجرّدہ کا وجُود	۸۴
خوارق کا ثبُوت متواتر ہے	۸۸
سنتہ اللہ کے غیر متبدّل ہونے کا مطلب	۹۰
مُعجزات اور قوانین طبعیہ	۹۲
معجزات اور وہم پرستی	۹۵
سچائی سے گھبرانا نہیں چاہیئے	۹۶
سائنس اور معجزات	۹۷
قدرت اور عادت	۱۰۲
مُعجزہ خُدا کی خاص عادت ہے	۱۰۵
مُعجزہ کوئی فن نہیں	۱۰۸
مُعجزہ میں شُبہ کی گنجائش نہیں	۱۱۰
مُعجزہ نبُوت کی فعلی تصدیق ہے	۱۱۳
دورِ حاضر سے اس کی مثال	
مُعجزہ کرامت اور ارہاص میں فرق	۱۱۶
کرامت اور استدراج کا فرق	۱۱۶

Marfat.com

تقریظ حضرت العلامہ سیّد محمّد انور شاہ صاحب قبلہ کشمیری

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ایک مدت گزرتی ہے کہ احقر نے حضرت علامۃ العصر مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی خدمت عالی میں عرض کی تھی کہ تفسیر قرآن اس زمانہ کی ضرورت کو لحاظ کرکے جو بقاء دین محمدی کا واحد مدار اور دنیا کو اس کا انتظار ہے اس کا ایک مقدمہ مبسوط علیٰ حدہ لکھا جانا چاہیئے جس میں چند مسائل اور عقائد عقلاً و نقلاً سلف صالح اور اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر طے کئے جاویں مثلاً مسئلہ تقدیر، خلق افعال عباد اور مسئلہ معجزات جس میں اکثر یورپ کے جذبات کے مقلدین تحریف سے کام لیتے ہیں الحمد للہ والمنۃ کہ جناب مستطاب موصوف الصدر نے مسئلہ معجزات کو لکھ لیا ہے اور انشاء اللہ المستعان ایسا واقع ہوا ہے کہ احقر کے دائرہ تمنا سے بہت اعلیٰ وارفع۔ اور حاوی اور منضبط کہ ہر ایک حق پسند سے یہ امید قائم ہو گئی کہ دیکھتے ہی انشاء اللہ بدون کسی تردد کے مطمئن ہو جائیں گے اور ایک بڑے مقدمہ تفسیر کا فیصلہ ہو جائے گا۔ حق تعالےٰ موئلف علام کو جملہ اہل حق کی طرف سے جزاء خیر دے واللہ ولی التوفیق۔

احقر محمّد انور عفا اللہ عنہ،

۱۵ ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً وَّ مُسَلِّماً

خوارقِ عادات اور قانونِ قدرت
کا
باہمی رشتہ

ہندوستان کی عام فضا اگرچہ خدا کے فضل سے ابھی تک ایسی مسموم نہیں ہوئی کہ خوارق عادت کا لفظ سننے سے لوگوں کو وحشت ہونے لگے لیکن انگلش تعلیم و تربیت کے تیار کئے ہوئے نوجوانوں کی جماعت ایسی موجود ہے جو ان چیزوں کا مذاق اڑاتی ہے، خواہ ملحدین یورپ کی کورانہ تقلید سے یا نئی تعلیم کے خاص اثرات اور ماحول سے یا محض "بینگ بین" کہلانے کے لئے خوارق سے تمسخر کرنا اُن کا فیشن ٹھہر گیا ہے۔

اُردو زبان کی زرق برق تصنیفات میں چونکہ بیشتر حصہ انہی صاحبوں کا ہے اِس لئے ان کے خیالات کے جراثیم پبلک میں بھی تیزی سے سرایت کرتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ چند پرانے راسخ الاعتقاد علماء کو مستثنےٰ کر کے ہمارے عربی مدارس کے بہت سے نئے تعلیم یافتہ بھی "خوارق" کے ذکر سے کچھ کتراتے لگتے ہیں، کہ مبادا ہم کو مقدم الذکر جماعت کی طرف سے "احمق" اور "وہم پرست" کا خطاب دیا جائے۔

Marfat.com

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کاتب بطور ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔
جو نہ صرف قدامت پسند ہے بلکہ اپنی قدامت پسندی پر ناز کرتی ہے۔
لہٰذا اس مضمون کے لکھتے وقت اس کا کوئی غم نہیں کہ کچھ لوگ اپنی عقل کے
نشہ میں مجھے "سادہ لوح" اور "وہم پرست" یا "پرانی لکیر کے فقیر" کہیں گے
یہ لوگ اپنے کو کتنا ہی عاقل سمجھیں لیکن میری درخواست صرف یہ ہے کہ مضمون
نہ سمجھیں۔ جو کچھ اُن سے کہا جائے انہیں اختیار ہے رد کر دیں۔ مگر بغور سننے کے بعد
رد کریں۔

اس مضمون میں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں یہ دعویٰ نہیں کہ کوئی نئی تحقیق ہے،
ہاں طرزِ ادا اور ترتیب بیان ضرور نئی ہے۔

میں نے اسی موضوع پر پہلے بھی کچھ لکھا ہے جو بعض رسائل کے ضمنی مباحث میں
شائع ہو چکا ہے لیکن اس وقت کلام کی ایک خاص نوعیت ہو گی جو پہلے مضامین میں
اس قدر اہتمام سے مرعی نہ تھی، اور وہ نوعیت یہ ہے کہ "خوارقِ عادات" (معجزات
وغیرہ) اور "قانونِ فطرت" کے باہمی تعلق پر ایک صاف اور تیز روشنی ڈالی جائے
جو ہمارے اور منکرین خوارق کے اختلافات کے اصلی نقطۂ بحث کو پوری طرح
واضح اور آشکارا کر دے۔

خوارق کا وجود "قوانین فطرت" کا دشمن نہیں

موجودہ سائنس کی ساری عمارت کی
بنیاد یہ ہے کہ فطرت یکساں اور باقاعدہ کام کرتی ہے، اگر واقعاتِ عالم ایسے طور
سے وقوع میں آئیں جیسے مرض "کابوس" یا خوابہائے پریشاں میں واقع ہوتے
ہیں تو فطرت کا مطالعہ کرنا فضول ہو گا۔ اگر خوارق و معجزات کے پائے جانے

سے فطرت کی یکسانی اور باقاعدگی میں فرق آئے اور قوانین قدرت میں بے ترتیبی اور گڑبڑی پیدا ہو، تو جو لوگ خوارق کے امکان پہ غور کرنے سے انکار کرتے ہیں اُن کو شاید معذور رکھا جائے لیکن واقع اس طرح نہیں ہے ہم مُعجزات و خوارق کو قوانین قدرت کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارے نزدیک وُہ ایک ایسی ڈیچی ہے جہاں سے قُدرت کا چہرہ زیادہ صفائی اور زیادہ قریب سے نظر آتا ہے خوارق کا احیاناً وقوع ہی وہ چیز ہے جس سے ہم اس منظّم قوانین قُدرت کے متعلق یہ یقین حاصل کرتے ہیں کہ وُہ قوانین قدرت ہیں، کسی غیر قادر یا غیر مُختار ہستی سے یُوں ہی بالاضطرار نہیں بن گئے ہیں۔

مُعجزہ قوانین فطرت کی حمایت کرتا ہے

اگر کوئی احمق کائنات کی پُراسرار ہستی میں نہایت محکم اور مرتّب قوانین فطرت کی موجُودگی سے انکار کرے تو معجزہ بجائے اُس کی تائید کرنے کے اُس کو ردّ کرنے کی کوشش کرے گا، کیونکہ مُعجزہ اسی وقت مُعجزہ کہلایا جاسکتا ہے جبکہ دُنیا میں تکوین کا کوئی ضابطہ اور قانون موجُود ہو پھر وہ (مُعجزہ)، اپنے کو اِس ضابطہ اور قانون سے اعلیٰ اور ارفع ثابت کرے۔

مُعجزات وغیرہ کے ماننے سے دُنیا کا نظام مختل نہیں ہوتا

اسی لئے مُعجزات و خوارق کی حمایت کرنے والے بھی دُنیا کو منظم اور مرتب ماننے میں اپنے مخالفین کے ہمنوا ہیں اور اُن کے اعمال، تجاویز، توقعات اور سارے اِنتظامات بھی ایسے ہی مستقل، ہموار اور یکساں ہیں جیسے اُن کے، جو مُعجزات وغیرہ کو نہیں مانتے۔

مُعجزہ قانون قُدرت کے مُطابق ہے

مُعجزات وغیرہ اگر گاہ بگاہ وقوع میں

Marfat.com

آئیں تو وہ اُسی خلاّق عالم کا کام ہوں گے جو ہمیں روزانہ فطرت کے عمل کے معمولی عجائبات دکھاتا رہتا ہے اور جب ایسا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خود معجزات قانونِ قدرت کے مطابق ہوں۔ البتہ وہ قانون اُس قانون سے اعلیٰ ہوگا جس سے طبعی سائنس آشنا ہے۔

معجزہ فطرت کے قوانین اصلیہ کا محافظ ہے

فطرت اور کانشنس دونوں کا یہ تقاضا ہے کہ ہم خدا کی نسبت یہ خیال کریں کہ وہ ابتری و اختلال کو نہیں بلکہ امن و نظم اور ترتیب کو بالذات پسند کرتا ہے لیکن جب انسان خدا کے بخشے ہوئے اختیارات کے غلط اور بے موقع استعمال سے دُنیا کے امن و انتظام کو توڑتا ہے تو بسا اوقات ایسے خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں جو ہماری پیدا کی ہوئی ابتری کا علاج اور فطری امن و انتظام کے بحال کرنے کا سبب ہوں۔

اِس صورت میں علم قوانین فطرت کی حفاظت کے لئے خوارق کا ظاہر کرنا بجائے خود ایک قانونِ فطرت ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ انسانی ارادہ کے ذریعہ سے قوانین فطرت کو توڑے بغیر ہم فطرت کے بعض کاموں میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔ مثلاً جب کوئی سول سرجن کامیابی سے مریض کے جسم کی چیر پھاڑ کرتا ہے یا کوئی طبیب ادویات کے ذریعہ سے کسی بیماری کی رفتار کو روکتا ہے، اگرچہ بظاہر وہ مریض کے طبعی قوانین کے سلسلہ میں خلل ڈالتا ہے، جو اس کی مداخلت کی عدم موجودگی میں اپنا پورا عمل کرتے لیکن اس پر بھی ڈاکٹر اور طبیب کی یہ مداخلت قوانینِ فطرت کے مخالف نہیں سمجھی جاتی، بلکہ اصلی اور حقیقی فطرت کی اعانت اور خدمت سمجھی جاتی ہے۔

Marfat.com

معجزہ ایک اعلیٰ قانونِ قدرت ہے | خارجی فطرت میں ہمیں چار مختلف عالم نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک اعلیٰ ادنیٰ پر مبنی اور اُس سے ممیّز ہے۔

۱۔ اوّل بظاہر بے ترتیب عالم، جس میں کیمیائی عناصر اور اُن کے مرکبات پائے جاتے ہیں یا جسے ہم مردہ مادّہ کہتے ہیں۔ یہ عالم اپنے قوانین جبر، ثقیل اور جذب و اتصال وغیرہ کے ماتحت ہے۔

۲۔ اُس کے اوپر مرتب اور منتظم عالم (نباتات وغیرہ) ہے جس کی ساخت اُس پہلے بے ترتیب عالم سے ہوئی اور اس لحاظ سے یہ قوانین مادّہ کے ماتحت ہے لیکن اس کے سوا اِس میں فطرت کی ایسی پوشیدہ قوتیں اور شرائط پائی جاتی ہیں جو بے ترتیب عالم کو معلوم ہی نہیں، بنا بریں یہ اور قسم کے قوانین کے تابع ہے جن کا ادنیٰ طبقہ سے کچھ تعلق نہیں یعنی منظم زندگی کے قوانین۔

۳۔ اِن سے اوپر حیوانی زندگی ہے جس کی خاص صفات و شرائط نشوونما پرورش اور حرکت ارادیہ وغیرہ کے قوانین ہیں۔

۴۔ اور اس سے بالاتر انسان کی ذی عقل، مدرک، اخلاقی اور ترقی کن زندگی ہے جس کے قوانین پچھلے تینوں عالموں سے جداگانہ ہیں۔

عالموں کے اس سلسلہ کا ہر اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقہ کے لحاظ سے فوق العادت اور اعجازی ہے، قدرت کے جو قوانین عالم جماد و نبات میں دائر سائر ہیں وہ حیوانات میں نہیں اور جو حیوانات میں ہیں اس سے کہیں بڑھ کر عالم انسان میں پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

اگر فرض کرو نباتات یا حیوانات میں ہماری باتیں سمجھنے کی قوت ہو اور ہم اُن کی دُنیا میں جاکر اپنے انسانی کارنامے اور بنی آدم کے عجیب وغریب احوال اور وُہ قوانینِ فطرت بیان کریں جو عالمِ انسان میں کارفرما ہیں تو یقیناً وہ اس ساری داستان کو خلافِ قانونِ فطرت قرار دے کر ہمارا اسی طرح مذاق اُڑائیں گے جیسا کہ مُعجزات نہ ماننے والے مُعجزات کا اڑاتے ہیں کیونکہ جو قوانین اُن نباتات جمادات کے دائرۂ وجُود میں عمل کر رہے ہیں، انسان کے متعلق قوانین فطرت ان سے بہت زیادہ بلند اور رفیع واقع ہوئے ہیں جن کے احاطہ کی ادنیٰ طبقہ کی مخلوقات سے توقع کرنا سفاہت ہے۔

مُعجزہ اِنسان کو عالم بالا کی چمک دکھلاتا ہے،

آگے مذہب کی تقسیم یہ ہے کہ انسان، بے ترتیب، باترتیب، حیوانی اور ذی عقل چاروں عالموں کے اُوپر اور ان سے لطیف تر ایک اور عالم کا وجُود تسلیم کرے یعنی خالص رُوحانی اور نورانی عالم جس کے چمکارے وقتاً فوقتاً ہم کو دکھائی دیتے رہتے ہیں۔

انسان چونکہ چوتھے عالم (ذی عقل) اور اس پانچویں عالم (رُوحانی) کی سرحد پر آباد ہے اس لئے اُس کا تعلق ایک طرف سے دونوں کے ساتھ ہے ادنیٰ کی طرح اس کا ورثہ ہے جس طرح ادنیٰ، لیکن اعلیٰ کے ابھی صرف چمکارے ہی اس کو حاصل ہیں۔

مُعجزات کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اُس مزاج اور رُوح کے خلاف ہم کو آگاہ کریں جو ان چمکاروں کو بے اعتبار سمجھتی اور ان کا انکار کرتی، اور ادنیٰ طبقہ ہی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

تمام نوامیسِ فطرت پر ہمارا احاطہ نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے،

ان پست خیال، کوتاہ نظروں کی بڑی فروگزاشت یہ ہے کہ اُنہوں نے سارے نظام عالم کو چند نوامیس طبعیہ میں منحصر سمجھ لیا ہے جو مادّہ اور اس کی قوّت کے متعلق اُنہیں دریافت ہُوئے ہیں۔

باوجودیکہ سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم کو ابھی تک کل قوانین قدرت پر تو کہاں، اُس کے کسی معتدبہ حصّہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہُوا لیکن اِس پر بھی جب کبھی کوئی چیز اُن کے محدود و معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے نہایت بیباکی اور ڈھٹائی سے اس کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہیں۔

فلتات طبیعیہ

حالانکہ ہم اگر ہم نوامیس طبیعیہ کے اسی نظام پر غور کریں جو مادیات سے متعلق ہے تو "فلتات طبیعیہ" کا ایک مستقل باب ہے جس کی ہزاروں جزئیات کا عام سنن طبیعیہ اور مقرّرہ قوانینِ فطرت سے علیحدہ ہونا ان قوانین کی یکسانیت اور انتظام کو سخت صدمہ پہنچانے والا ہے۔

دو تاریخی مثالیں

اس موقعہ پر فلتات طبیعیہ کی ایک دو تاریخی مثالیں ذکر کرتا ہوں جو اس خشک فلسفیانہ مضمون کے دوران میں نشاط اور دلچسپی پیدا کرنے کا موجب ہوں گی۔

بنگری میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے لیکن دونوں کے سرین (پچھاڑی) اس طرح ملی ہُوئی تھی کہ مخرج براز بالکل ایک تھا۔ اسی ایک راستہ سے ہر ایک قضاء حاجت کرتی تھی، پیشاب گاہ دُوسرے اعضا کی طرف جدا جدا تھی، اسی لئے جب ایک

کو پیشاب کی ضرورت لاحق ہوتی، تو دُوسری منقبض ہوتی، دُوسری حاجاتِ طبیعیہ میں بھی کشمکش ہوتی جو باہمی تنافر کا سبب بن جاتی تھی، عمر کے چھٹے سال دو میں سے ایک کے اعضا کسی مرض کی وجہ سے شل ہو گئے اور اسی حالت میں عمر بھر رہی لیکن دُوسری کے اعضاء پر اس کا کوئی اثر نہ تھا، بلوغ کی علامات دونوں میں بیک وقت ظاہر ہوئیں۔ جب بائیس سال کی عمر ہوئی تو ایک کو سخت بخار ہوا اور اسی میں انتقال ہو گیا۔ دُوسری بھی اُس کے تین گھنٹہ بعد مر گئی اور دونوں کو اکٹھا دفن کیا گیا۔

ایک چینی لڑکا جس کی عمر ۱۲ برس کی تھی وہ اپنے سینہ پہ دُوسرا بچہ اُٹھائے ہوئے تھا۔ اس بچہ کا سر اس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا۔ باقی ڈھر اس کے سینہ سے گھنٹوں تک لٹکا رہتا تھا۔ اس بچہ میں کافی حس و شعور تھا، ذرا سا چھونے سے بھی متاثر ہوتا تھا۔ اور یہ اُٹھانے والا لڑکا بھی اُس بچہ کے دُکھ سے دُکھ اُٹھاتا تھا۔

اس قسم کے سینکڑوں مشاہدات "انسائیکلو پیڈیا" میں جمع کئے گئے ہیں جن کو حکما کی اصطلاح میں "فلتات طبیعیہ" کہتے ہیں، ان کو دیکھ کر ایک عاقل مبصر اس نتیجہ پہ پہنچتا ہے کہ قوانین فطرت کا دائرہ اس قدر تنگ نہیں ہے جتنا کہ سائنس کے خام مدعی اُسے تنگ کرنا چاہتے ہیں۔

عالم ارواح یہ تو مادیات اور جسمانیات کا حال تھا لیکن اگر مادہ کی سرحد سے ذرا قدم باہر نکالا جائے تو پھر ایک ایسا عالم سامنے آجاتا ہے جہاں ہماری وہ اُدھوری توجیہات بھی کچھ کام نہیں دیتیں جن سے ہم "فلتات طبیعیہ" اور

Marfat.com

"قوانین فطرت" کی تطبیق میں کام لیتے تھے۔

یہ عالم عالم ارواح ہے جس کی طاقتوں اور نوامیس کا حال یورپ کے ملحدوں کو ابھی تھوڑے عرصہ سے کھلا ہے۔ یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے فلاسفر جو مادّہ اور اس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کا نام لینے والے کو وہم پرست اور پاگل کہتے تھے، خدا کی شان کہ آج وہ ہی مشاہدات اور تجربیات متواترہ سے عاجز و مبہوت ہو کر رُوح اور اس کی عجیب و غریب طاقتوں کے ثابت کرنے میں پیش پیش ہیں۔

عالمان مسمریزم "تھیوسافیکلی سوسائٹی" اور "سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ" وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے رُوح کی ان طاقتوں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے۔ اور اگرچہ یہ کام ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا لیکن اس میں اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ نوامیس طبیعیہ مادیہ سے بالاتر اور عظیم تر اور بھی نوامیس ہیں جن کے سامنے مادہ اور اس کی قوتیں کچھ بھی وزن نہیں رکھتیں۔

رُوح کے متعلق چار نظریہ | فرانس کے مشہور آفاق امام فلکیات و طبیعیات کامل فلامریون نے "المجہول من المسائل الروحیہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے کئی ایڈیشن چند روز میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

فلسفہ حسیہ کا یہ فاضل بہت سے مشاہدات اور قوانین و نوامیس پر غور و فکر کرنے کے بعد ان چار نظریات پر پہنچا۔

۱۔ رُوح موجود ہے اور جسم سے علیحدہ مستقل وجود رکھتی ہے۔

Marfat.com

۲- روح ایسی خصوصیات اور قوتیں اپنے اندر رکھتی ہے جن کی گہرائیوں تک علم ابھی تک رسائی نہیں پا سکا۔

۳- یہ ممکن ہے کہ روح بدن مساعدت حواس کے بہت دور کی چیزوں پر اپنا اثر ڈال سکے یا اُن کے اثر کو قبول کر سکے۔

۴- آئندہ آنے والے واقعات وحوادث وقوع سے پہلے مقدر ہیں، اور ایسے اسباب کے ساتھ اُن کی تحدید ہو چکی ہے جو مستقبل میں اُن کو موجود کریں گے، روح بسا اوقات اِن واقعات وحوادث پر اُن کے وقوع سے پہلے مطلع ہو جاتی ہے۔

ان چاروں نظریات کے ثابت کرنے میں فاضل موصوف نے بہت مضبوط براہین حسیہ سے کام لیا ہے جس کو سننے کے بعد ایک متعنت مادہ پرست کو بھی مجالِ انکار نہیں رہ سکتی۔

روحانی مناظر کا اِنکار جہل ہے | اسی قسم کے دلائل وشواہد سے متاثر ہو کر مسٹر ہڈسن کو کہنا پڑا کہ "میں اپنے یا اوروں کے تجربوں سے ایسے واقعات کا پیش آنا ثابت کرنے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا۔

اس کام کا وقت گزر چکا، مہذب دُنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکر نہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کو روشن خیال بنانے کی کوشش کے بارآور ہونے کی کوئی اُمید نہیں۔"

اگرچہ عالم ارواح کے نوامیس مہمہ ابھی تک رازہائے سربستہ ہیں

Marfat.com

اور اس کا نظام ہمارے مادّیات کے نظام طبعی سے کہیں زیادہ وسیع اور لطیف ہے۔ تاہم رُوحانی مناظر کا جو ذخیرہ یورپ کی سوسائٹیوں نے اپنی مستند رپورٹوں میں جمع کر دیا ہے وہ بھی بڑے بڑے ماہران طبیعیات اور مدّعیان ہمہ دانی کو حیرت زدہ اور خجل کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور جس قدر "فلتنات طبیعیہ" کا وجُود عام نوامیس طبیعیہ اور قوانین مادّیہ کے سلسلہ میں عجیب چیز ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر نظامِ رُوحانی کا محیّر العقول انکشاف پرستاران نو کی طبیعیہ کے ایوانوں میں زلزلہ ڈالنے والا ہے۔

ارواحِ مجرّدہ یا ایک لطیف نُورانی عالم کا وجُود

رُوحانی قوتوں کی تحقیق کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ حال کے بڑے بڑے فلاسفر اس جانب ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ رُوحانی نظام صرف ان ہی انسانی ارواح کے مجموعہ سے عبارت نہیں ہے جو انسانوں کے جسم کی تدبیر کرتی اور اس سے جُدا ہوتی رہتی ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ اُن ارواح کے علاوہ، اور ارواح مجرّدہ یا کوئی لطیف نورانی مخلُوق ایسی پائی جاتی ہو جن کا ان ارواح انسانی سے زیادہ قریب کا رشتہ ہو۔

مسٹر مارٹن اپنی معلومات کی بنا پر ارواحِ مجرّدہ کا صرف امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فرنچ فیلسوف موسیو لوئی فگئے ایک لطیف استدلال سے ان کا وجُود ثابت کرنے پر زور دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ "ہمارے اردگرد کی زندہ مخلُوق میں نباتات سے لے کر انسان تک دائماً اُوپر کو جانے والا سلسلہ ہے جو بتدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے۔ کانی اور دیگر بحری وُیدگیوں

Marfat.com

کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطۂ روانگی ٹھہرا کر ہم نہائی دنیا کے کمال حاصل کرنے والے سلسلہ میں سے گزر جاتے ہیں اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نبات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ ترحیوانات کے بے انتہا درجوں کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آجاتے ہیں۔ اس سیڑھی کا ہر ایک پایہ غالباً غیر محسوس ہے اور ان تغیرات و درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیوں کے ایک غیر محدود سلسلے کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری نوعِ انسانی اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آئندہ ہم ہیں اور خدا میں درمیانی مخلوق کا کوئی واسطہ حائل نہ ہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ میں انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غار خالی رہ گیا ہو۔ ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام نیچر میں چھوٹی سے چھوٹی نبات سے لے کر نوع انسانی تک تدریجی اور بیشمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیدا کنار جنگل ہو؟ بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کبھی مذہب یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اس کی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے۔ اس میں شک کرنا ناممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوق کی بڑی تعداد ہے جس کی وساطت سے انسان اُس خدا تک پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے۔ غرض یہ تو ہم کو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کے تدریجی منازل طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے۔ گو یہ ضرور ہے کہ وہ

Marfat.com

ہم کو نظر نہیں آتی لیکن اگر ہم ہر ایسی چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں، تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے۔ فرض کرو کہ کوئی علم مادیات کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جس میں تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہٖ محسوس حیوانات اور نباتات کی طرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو وہ جاہل فوراً سر پھیر دے گا اور کہنے والے کو دیوانہ سمجھے گا۔ لیکن اگر اس کی آنکھوں پہ خوردبین رکھدی جائے اور وہ قطرہ کی تشخیص کرے تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا۔ کیونکہ اب اسی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اُس کی آنکھ سائنس کی مدد پا کر چھوٹے پیمانہ پہ تمام دُنیا کو موجود پائے گی۔

غرض جہاں ہم کچھ نہیں دیکھتے وہاں زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس ہی کے امکان میں ہے کہ اس بارہ میں عوام الناس کی آنکھوں کو روشن کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اِس حکیم کی حیثیت اختیار کریں بیشک انسان اور خُدا کے درمیان طبقہ جہلاء کو اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سوجھتا۔ لیکن اگر ہم جسمانی آنکھوں کی بجائے رُوحانی آنکھ سے کام لیں یعنی عقل، قیاسِ مساوات اور تعلیم کو استعمال کریں تو پُر اسرار مخلوق روشنی میں آجائے گی۔

اب اگر ایک ایسی مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے جو انسان اور خُدا کے درمیان واسطہ کا کام دے خواہ وہ ملائکۃ اللہ ہوں یا ارواح مجردہ تو نظامِ عالم میں مادیات،

فلتات طبیعیہ اور عالم ارواح انسانی کے نوامیس سے اوپر بہت سے دوسرے نامعلوم نوامیس قدرت کا اقرار کرنا پڑے گا جن کی ابھی تک ہم کو ہوا بھی نہیں لگی۔

پھر کس قدر شوخ چشمی اور ڈھٹائی ہوگی کہ جو چیز ہمارے مادی علت و معلول کے سلسلہ سے ذرا باہر ہو جائے ہم یہ کہہ کر اس کی تکذیب کر دیں کہ وہ قانون قدرت یا نوامیس فطرت کے خلاف ہے۔

تمام نظام عالم قدرت الہیہ کے پنجہ میں ہے

اب ہمارے سامنے اتنے سلسلے ہیں:۔

(ا) نظام طبیعی مادی (ب) فلتات طبیعیہ،

(ج) نظام روحانی (د) نظام ملکوتی۔

اور ان سب کے اوپر خود قدرت الہیہ کا وہ زبردست پنجہ ہے جس کی گرفت سے ان میں سے ایک چیز بھی ایک سیکنڈ کے لئے باہر نہیں ہو سکتی ؎

اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند
عالمے را در دمے ویراں کند

مذکورہ بالا نظامات میں سے کسی کی طاقت ہے کہ وہ خدا کے دست قدرت کو کسی حکیمانہ تصرف سے روک دے۔

ہم ابھی تک باوجود اس قدر ادعاء علم و تحقیق کے الف (نظام طبیعی مادی) کے قوانین و نوامیس پر بھی پوری دسترس نہیں پا سکے جیسا کہ خود ماہرین طبیعیات کے اعتراف سے ثابت ہے۔ پھر ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ جو چیز ہمارے زعم میں ان چند نوامیس طبیعیہ کے دائرہ سے اونچی ہو اسے جاہلانہ تکبر کے ساتھ ٹھکرا دیں۔

Marfat.com

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر فرض کیجئے کہ ہمارا علم نظامِ طبیعی، نظامِ روحانی اور نظامِ ملکوتی کے تمام نوامیس پر بھی محیط ہو جاتا (اگرچہ ایسا نہیں ہے) تب بھی آگے بڑھ کر فاطرِ ہستی کی لامحدود قدرت کو ہم مقید نہیں کر سکتے تھے، چہ جائیکہ صرف طبیعیات کے دس بیس قوانین پر مطلع ہو کر یہ اعلان کر دیں کہ جو واقعہ ہمارے حلقۂ علم سے خارج ہوگا وہ واقعہ نہیں ہے۔

خوارق کے انکار کا سبب علمی کم مائیگی ہے

خوارقِ عادات یا معجزات و کرامات وغیرہ کا انکار فی الحقیقۃ ہماری اسی تنگ نظری اور علمی کم مائیگی کا نتیجہ ہے ؎

اِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ لِنَاسٍ رَأَوْهُ بِالْاَبْصَارِ[1]

خوارق کا ثبوت متواتر ہے

ہماری استدعا یہ ہے کہ "خوارق" کو جھٹلانے والے تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دل سے اپنے علم و تحقیق کی حد اور قدرت اور قوانینِ قدرت کی پہنائیوں پر غور کریں پھر یہ بھی دیکھیں کہ ان خوارق کا ثبوت ہر زمانہ میں ہر جگہ، ہر قوم کے ہاں اور ہر عقیدہ اور مذہب کے پیروؤں کے نزدیک کس قدر تواتر اور استفاضہ سے ثابت ہے تو ان شاء اللہ تعالےٰ اُن کی جرأت نہ ہوگی کہ وہ یک قلم خوارقِ عادات کے وجود یا امکان ہی سے انکار کر بیٹھیں۔

فادر ہل نے ٹھیک کہا ہے "دنیا کے تمام مذاہب میں خواہ کسی

---

[1] اے جب تم نے خود چاند نہیں دیکھا تو تم کو اُن لوگوں کے قول پر اعتماد کرنا چاہیئے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے

Marfat.com

کی بُنیاد فلسفیانہ اصُول پر ہو یا الہامی تعلیم پر، مُعجزات اس اثنا سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہیں کہ سب کے لئے خاص اصُول اور قوانین کی تلاش انسان کے لئے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرُور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب میں ماننے والوں کی خُوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی مُعجزات میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ یا ایسے واقعات جو معمُولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہُور پذیر ہوئے ہوں مُعجزہ کی شکل میں بیان کر دیئے گئے ہوں گے۔ مگر عقل یہ دعویٰ کبھی نہیں کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلُوم ہو چُکے ہیں تاکہ جو واقعہ قوانین مذکورہ کے مطابق حل نہ ہو سکے اس کو غلط کہہ دیں اور دُوسری جانب مذہب یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام رطب و یابس اور تمام صحیح و غلط روایات کو یکساں سر آنکھوں پر رکھ لیا جائے بلکہ ایسے موقعہ پر عقل جو کام کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے۔

سچا مذہب قوانین فطرت کا وسیع النظر مُعلّم ہے

مذہب کو عقل سے ٹکرانے کی ضرُورت نہیں اگر عقل قوانین قدرت کے احترام پر زور دیتی ہے تو مذہب عقل کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔

سچّا اور مکمّل مذہب فی الحقیقۃ قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا وسیع النظر مُعلّم ہے جو بار بار بتلاتا ہے کہ "سُنۃ اللہ" کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی مگر ساتھ ہی متنبہ کرتا ہے کہ انسان کو سنن الٰہیہ اور نوامیس فطرت کا جو علم دیا گیا ہے۔ بہت تھوڑا ہے وہ بسا اوقات اُن کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا

Marfat.com

ہے اور بہت دفعہ قوانین قدرت کے کسی اعلیٰ اور ارفع مظہر کو اپنی حد پرواز سے باہر دیکھ کر خلاف قانون قدرت سمجھ بیٹھتا ہے اور روزمرّہ کے معمول کے خلاف جو بات سُنتا ہے اُسے یہ کہہ کر ردّ کر دیتا ہے کہ یہ سنۃ اللہ کے مخالف ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝

سُنتہ اللہ کے غیر متبدل ہونے کا غلط مطلب نہ لو

لیکن اگر سُنتہ اللہ کے غیر متبدل ہونے کا یہی مطلب ہو تو دنیا کی تمام ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے دیکھو انسان نے ترقی کر کے حیوانی نظام کی جگہ اس سے کہیں زیادہ طاقتور جمادی سسٹم قائم کر دیا۔

ہزاروں سال کے بعد گھوڑوں، بیلوں، اونٹوں، ہاتھیوں کی جگہ بھاپ اور بجلی نے لیلی۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ فاطرِ عالم نے دُنیا کی عُمر کا بہت ہی طویل حصّہ گزر جانے کے بعد دماغی اور عقلی قوتوں کا ایسا جدید نظام پیدا کیا، جو چشم فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور اختراع و ایجاد کے ایسے انوکھے اصُول کی طرف رہبری کی اور اس کے اسباب و رسائل فراہم کر دئے جن کے نتائج کو اگر اب سے دو چار صدی پہلے کوئی ذکر کرتا تو خالص مجنون یا وہم پرست سمجھا جاتا تو کیا ایسے قدرتی عوامل اور سوہوب قوی کہ جو ان ایجادات بدیعہ اور دماغی ترکتازیوں کے اسباب قریبہ یا بعیدہ ہیں بے شمار قرون و ادوار گزر جانے کے بعد پیدا اور اکٹھا کر دینا سنۃ اللہ کی تبدیل و تحویل اور قانون قدرت کا نقض و ابطال ہے۔

مُعجزات و خوارق کے انکار کا اصلی راز

مُعجزات یا خوارق کا اِنکار کرنے والے

Marfat.com

خواہ زبان سے نہ کہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بے علم و بے شعور مشین کی طرح گھومنے والے مادّہ کے سوا کسی ایسی ہستی کو عالم کی تخلیق و نظم میں دخل دینا گوارا نہیں کرتے جو مواقع و محال اور ازمنہ و امکنہ کے اختلاف و تفاوت کی قادرانہ و حکیمانہ رعایت کر سکے اور جب کبھی وہ کائنات کے اس باقاعدہ عظیم الشان محکم اور منظم سلسلہ کو ایک علیم و حکیم، محیط کل اور قادر مطلق ہستی کی طرف منسوب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ناچار اُن کو ایسی بڑی مضبوط مشین کے چلانیوالے کا اقرار کرنا پڑ جاتا ہے تو پھر ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اُس کو آزاد نہ رہنے دیں کہ وہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور ماہرانہ موقع شناسی کو مشین کے گھمانے اور پرزوں کے ردّ و بدّل میں اُن کی خواہش اور رائے کے خلاف استعمال کر سکے اور اس طور پر وہ ہمارے علم کو محدود اور ہمارے فہم کو ناقص یا نامکمل ثابت کر دے۔

خوارق کا قانون خود خوارق کے منکروں نے بنوایا

لیکن انسان کی یہ جھوٹی شیخی، تنگ نظری اور غیر محدود قوانین قدرت کی معذورانہ تکذیب ہی وہ چیز ہے، جو قدرت کے اس عمل کو حق بجانب ثابت کرتی ہے کہ وہ نگاہ بگاہ ایک ایسے نظام تکوین سے بھی دنیا کو روشناس کرے جو ہمارے سمجھے ہوئے قوانین اور محدود و منضبط کئے ہوئے نوامیس طبیعیہ سے بالاتر ہو تاکہ اُن رعونت پسند گستاخوں کو بھی (جو معاذ اللہ قدرت نامتناہیہ کو اُس کے پیدا کئے ہوئے چند اسباب ظاہرہ کی زنجیروں میں جکڑ دینے کا خبط رکھتے ہیں) ملزماً و کرہاً یقین کرنا پڑے کہ اُن سے اور ان کے ایتھر (مادہ) سے

Marfat.com

اوپر کوئی اور غالب و قاہر ہستی بھی ہے جس نے تمام نوامیس طبیعیہ اپنے ارادہ اور کامل اختیار سے وضع کئے ہیں اور وہ ہی ہر وقت اُن پہ پوری طرح قابو یافتہ ہے

پس یک حقیقہ ثابتہ کے منکر کو اُس حقیقت کا منوا دینا جس کے انکار میں خسرانِ عظیم ہے اور عاجز و کم مایہ مخلوق کو متنبہ کرنا کہ وُہ اپنی حد سے گزر کر خالق کی قدرت کاملہ اور علم محیط کا انکار نہ کر بیٹھے کیا یہ خود عین قانون قدرت نہیں ہے؟

اگر آپ پوچھو تو جن چیزوں کو خوارق عادات کہتے ہیں۔ اُن کا قانون خُود خوارق کے منکروں نے بتوایا ہے جب یہ لوگ عام قوانینِ فطرت کی اعجوبہ کاری کو خُود مقنن کی حکمت، بالغہ، اختیار کامل اور شان خَلَّاقٌ لِّمَا یَشَآءُ وَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کی طرف منسوب کرنے میں بھی تردّد کرنے لگے تو ضروری ہُوا کہ ان قوانین کو "قوانینِ قدرت" ثابت کرنے کے لئے قدرت ہی کوئی سامان کرتی۔

چہ بچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک قدرۃً بے شمار خوارق ظاہر کرتی رہی جنہیں دیکھ کر خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو فعل جن وسائط کے ذریعہ سے عموماً ہوتا رہتا ہے اُسے بلاواسطہ کرنے میں بھی قدرت کو کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

خوارق کے ماننے سے قوانین طبیعیہ کا اعتبار زائل نہیں ہوتا

اس طرح کے خوارق جو بظاہر عام قوانین طبیعیہ کو توڑنے والے ہیں ہمارے دل سے ان عام قوانین کی عظمت اور اعتبار کو اسی طرح زائل نہیں ہونے دیتے جیسا کہ کروڑوں انسانوں کے دلوں سے یہ علم کہ بہت دفعہ

Marfat.com

ٹرینوں کا تصادم ہو جاتا ہے، یا پٹڑی اکھڑ جاتی ہے، یا پل ٹوٹ جاتے ہیں، ریلوے ٹرین کا اعتبار زائل نہیں کرتا کہ وہ اس میں سفر کرنا چھوڑ دیں۔

پس خوارق کی موجودگی میں بھی ہم عام قوانین طبیعیہ سے اسی طرح مستفید ہو سکتے ہیں جس طرح ہم ریل کے سفر سے باوجود مذکورہ بالا حوادث کے برابر متمتع ہوتے رہتے ہیں۔

خوارق کا وجود دماغی ترقی کا سبب ہے

خوارق کا وجود ہمارے علمی اور دماغی ترقیات کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو شدید فکر کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ آپ کی ارتقائی کوششوں کے راستہ میں حائل ہے تو افسوس یہ ہے کہ اس کا راستہ سے ہٹا دینا بھی آپ کے قبضہ میں نہیں۔

خوارق کی انبیاء کی طرف نسبت ملحدین کو زیادہ تکلیف دہ ہے

تماشہ یہ ہے کہ عام قوانین فطرت کی قضا میں جب بعض غیر معمولی واقعات حسب اتفاق پیش آجاتے ہیں تو ہم ان کے ماننے والوں سے جنگ نہیں کرتے لیکن اسی کے مشابہ کوئی چیز جو روزمرہ کے عام معمول سے ذرا مستبعد ہو اگر کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی طرف منسوب ہو جائے تو فوراً شکوک و شبہات کی لہر ہمارے دلوں میں دوڑنے لگتی ہے اور اس کی نفی کرنے کی ہر ممکن صورت پر ہم غور کرنے لگتے ہیں۔

فرانس کے مشہور و معروف فیلسوف کامل فلامریون نے اپنی کتاب "المجہول والمسائل الروحیہ" میں ایسی عورت کا ذکر کیا ہے جس کا ایک

پستان بائیں ران میں تھا۔ اور وہ بچہ کو اسی سے دودھ پلاتی تھی۔ یہ عورت ۱۸۲۷ء میں "پیرس" کی جمعیتہ فضلا کے روبرو پیش ہوئی۔

پھر ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک مرد کے پیٹ سے تشنج کے بعد لڑکا نکلا جو اس مرد کا توام تھا۔ اسی کے جسم میں مدۃ العمر محبوس رہا، ڈاڑھی نکلی اور بوڑھا ہوا۔

اب فرض کیجئے کہ اسی طرح کے فلتات طبیعیہ کو اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ فلاں پیغمبر کے اعجاز فلاں ولی کی کرامت سے فلاں زمانہ میں ایسا ہوا تھا تو منکرین اعجاز کسی نہ کسی عنوان سے اس کی تردید پہ فوراً کمربستہ ہو جائینگے۔

جاپان میں قیامت خیز زلزلہ آیا، کسی ہی بستیاں تباہ ہوئیں اور کتنی ہی مستحکم عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

چند سال ہوئے ضلع ہردولی میں بگولہ اٹھا جس سے ایک جھیل کا پانی بالکل اڑ گیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی۔ اسی طرح کے اتفاقات جو خوارق ہیں سے نہیں۔ صرف قلیل الوقوع ہیں۔ ہم سنتے ہیں اور ایک منٹ کے لئے بھی ان کو غلط نہیں سمجھتے۔

لیکن کیا قیامت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت اگر معتبر سے معتبر راوی بھی یہ خبر دے کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے یا دریائے ساوہ خشک ہو گیا یا فارس کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو منتشکین کو اس کے ماننے میں پس و پیش ہونے لگتا ہے!

Marfat.com

خیال کیجئے زلزلہ کا آنا کسی بڑی سے بڑی عمارت کا شکستہ ہونا، دریا کا خشک ہو جانا اور آگ کا بجھنا ان میں سے کونسی چیز محال ہے، یہ چیزیں تو فی حد ذاتہ خوارق میں سے بھی نہیں۔ پھر اگر یہ ہی چیزیں سب سے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کی قرب و وجاہت ظاہر کرنے یا اس کے عظمت آئندہ مستقبل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حق تعالیٰ ظاہر فرماتا ہے تو تم کو کیوں تردد ہونے لگتا ہے۔

روح کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے تاثیر و تاثر میں بعد مکانی یا زمانی خلل انداز نہیں ہوتا اور اس جوہر لطیف و نورانی کو اپنے عمل میں مسافت جسمانی کی کچھ پرواہ نہیں۔

پس اگر روح محمدی صلعم کی نورانیت عظیم نے حضرت آمنہ کے لئے مکہ سے بصریٰ تک روشن کر دیا تو اس میں کیا اشکال ہے۔

کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خداوند قادر و توانا، نظام تکوین اور قوانین طبیعیہ کے استعمال میں کوئی تصرف آپ کی اطلاع اور مشورہ کے بدون نہ کیا کرے (نعوذ باللہ)

اس کی امید آپ خدا سے تو کیا، اس مسکین انپڑھ سے بھی نہ رکھیں جو ہر قسم کے علم و شعور، قدرت اور ارادہ سے محروم ہے۔

خوارق کا ماننا وہم پرستی نہیں آپ خوارق و معجزات کے ماننے والوں کو "سادہ لوح" اور "وہم پرست" کہا کریں لیکن تاریخی اوراق آپ کو بتلائینگے کہ اسی قسم کے "سادہ لوحوں" اور "وہم پرستوں" نے دنیا کو حکیمانہ حقائق

Marfat.com

سے معمور اور وہم پرستیوں سے نفور کیا ہے۔ ان ہی وہم پرستوں میں ایسے ایسے عالی ہمّت اور اولوالعزم انسان اُٹھے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور اوہام و تخیّلات کا سارا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔

صداقت کے اعلان سے گھبرانا نہیں چاہیئے

بلاشبہ آج دُنیا کی فضا بہت کچھ بدل چکی ہے اور "خوارق" کا نام زبان پہ لانا بڑی بہادری کا کام ہے۔ لیکن ایک صداقت کے ماننے اور اعلان کرنے میں آدمی کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ یہی "خوارق و مُعجزات" کا مذاق اُڑانے والے اُن چیزوں کے ثابت کرنے کے درپے ہوں گے جن کو آج ردّ کر رہے ہیں۔

صداقت، ممکن ہے کہ اپنا صاف چہرہ دکھلانے میں کچھ تاخیر کرے لیکن وُہ ضرور ایک دن ایسی طرح متجلّی ہوگی کہ دیکھنے والے اُس سے آنکھیں نہ چرا سکیں گے۔

انجام ہمیشہ صداقت کے ہاتھ ہے

دیکھو! دُنیا کے سب سے بڑے موحّد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نعرۂ توحید بلند کیا تو رُوئے زمین پر کوئی بھی ہمنوائی کرنے والا نہ تھا لیکن فضائے کعبہ سے توحید کا جو "صور" پھونکا گیا، آج ہم مندروں اور کلیساؤں تک میں اس کی گونج محسوس کر رہے ہیں۔

آج جو اقوام و ملل دولت توحید سے نہیدست ہیں وُہ بھی اندر ہی اندر اپنی محرومی اور نہیدستی کا ماتم کرتی ہیں اور موحّدین کے رُوبرو شرم سے اُن کو سر اُٹھانا مشکل ہے۔

ہم کو یقین ہے کہ اسی طرح ایک دن پیغمبروں کے اعجاز اور اولیاء کی

Marfat.com

کرامات کا انکار کرنے والے بھی اپنے اس جہل اور ضیق نظر پہ پشیمان ہونگے جس کا نام اُنہوں نے علم رکھ چھوڑا ہے اور جسے وہ سائنس کی بڑی بھاری عقیدت مندی سمجھتے ہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ

سائنس خوارق کی تسلیم کیلئے راستہ صاف کر رہی ہے

ہم نے احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھا تھا انی واللہ ابصر من ورائی کما ابصر من بین یدی یعنی میرا دیکھنا مواجہہ پر موقوف نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی مجھے ایسے ہی نظر آتی ہیں جیسے کہ سامنے کی،

بہت سے متفلسفین اس کو قانون فطرت کے خلاف سمجھ کر درپے تاویل ہو گئے تھے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر حمل کر کے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز ماہر علم بصارت نے انسان کی جلد میں قوت باصرہ کے راز پہ روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے چھوٹے ذرات پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ ذرے ننھی ننھی آنکھیں ہیں، ان میں اسی طرح تصویر اُترتی آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں اُترتی ہے، یہ خیال کہ انسان کی کھال بھی اسی طرح دیکھتی ہے جس طرح آنکھیں، کوئی نیا نہیں ہے، آپ جب کسی نابینا شخص کو بازار میں بھیڑ سے بچ کر گزرتے دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ یہ تو اندھا ہے اسے راستہ کس طرح سوجھتا ہے۔ انسان کی پیشانی کی جلد کے متعلق یہ خیال ہے کہ اس میں قوت باصرہ موجود ہے۔ یہ دماغ کو اسی طرح پیغام پہنچاتی ہے

Marfat.com

ڈاکٹر فرگول کا بیان ہے کہ آج سے ہزاروں سال پیشتر آنکھوں کے بغیر پڑھنے کا ہنر اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا اور عام طور پر رائج تھا۔ لیکن جب انسان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ آنکھوں سے بھی وہی کام لے سکتا ہے جو بدن کی جلد سے لیتا ہے تو اس نے جلد سے دیکھنے کا طریق ترک کر دیا اور بالآخر جلد سے دیکھنے کی قابلیت اس میں سے مفقود ہو گئی، اگر اس حس کو دوبارہ ترقی دی جائے تو تعجب نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے اندھے بھی دیکھنے لگیں۔

بہرحال سائنس کی ترقی خوارق کی تفہیم میں بہت کچھ مدد دے رہی ہے اور اسی لئے ہم یہ اُمید رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ سائنس کے پجاری خوارق کی تسلیم کے لئے گردن جھکا دیں گے۔

ابھی چند روز پہلے جب یہ سنتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخت جھک گئے یا انہوں نے حضور کو سلام کیا یا حضور کے ایماء سے وہ اپنی جگہ سے سرک گئے تو ملحدین ان قصوں کی "اساطیر الاولین" کہہ کر ہنسی اڑاتے تھے، اور ان بیانات کو پرانے مسلمانوں کی خوش اعتقادی یا وہم پرستی پر حمل کرتے تھے۔ لیکن آج ماہرین علم نباتات نے نباتاتی زندگی کے جو حیرت انگیز حالات ظاہر کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ درخت اور پودے فی الواقع زندگی کے وہ تمام حسیات و تاثرات اپنے اندر رکھتے ہیں جو ابھی تک ذی روح مخلوق کی خصوصیت سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص جو نباتاتی زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ پودے اور پھول بھی اپنی غذا کھاتے، اپنا پانی پیتے اور اپنی نیند سوتے ہیں۔ ان میں بھی جنسوں کا وصل و حیف ہوتا

ہے۔ ان کی بھی نسل چلتی ہے اور ان میں بھی بڑھاپا آتا ہے اور وہ بھی بالآخر موت کے چنگل میں پھنستے ہیں۔

لیکن بہت کم لوگ یہ یقین کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ پودے دیکھنے اور سننے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں، ان پر عشق و محبت کا وار چلتا ہے۔ رنج و غم ان کو بھی ستاتا ہے اور وہ بھی ہماری طرح جذبات و حسیات سے تاثر پذیر ہوتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض پودے اور پھول محض ہاتھ لگا دینے سے سکڑ جاتے ہیں اور ذرا سے اشارے سے بند ہو جاتے ہیں، اس ذکی الحسی کی وجہ سے ایک پودے کا نام ہی "چھوئی موئی" پڑ گیا ہے۔

یہ تو وہ حالات ہیں کہ ہر انسان اپنی چشم عریاں سے دیکھ سکتا ہے لیکن آپ نے کبھی ایک ہموطن ماہر سائنس یعنی "سر جگدیش چندر بوس" نے اپنی مدت العمر کے تجربات سے پودوں اور درختوں کے جو حالات اپنے ایجاد کردہ عجیب و غریب آلات کے ذریعہ معلوم کئے ہیں، ان سے علم نباتات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

آپ تو پھول میں سوائے رنگ و بو کے اور کوئی رازِ فطرت نہیں پاتے لیکن آپ "سر جگدیش چندر بوس" کی جدید تصنیف کا اگر مطالعہ کریں جو پلانٹس آٹو گرافس اینڈ دیر ریویلیشن کے نام سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے تو آپ کو معلوم ہو کہ اس ماہر فن نے پودوں پر کس کس قسم کے تجربات کر کے کیسے کیسے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں اور ان سے فطرت کے کیسے کیسے

Marfat.com

راز ہائے سربستہ معلوم ہوئے ہیں، ان حالات کے دیکھنے اور معلوم کرنے سے بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے ؎

برگ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

مختلف قسم کی ادویہ کا پودوں پر بعینہٖ وہی اثر مترتب ہوتا ہے جو انسان یا جانور پر ہوتا ہے "کلوروفارم" پودے کو بھی اسی طرح بیہوش کر سکتا ہے جس طرح ہمیں آپ کو،

ایک ایسا آلہ "سربوسمن" نے بنایا ہے جس سے پودے کی حالتِ خواب کا آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

سب سے زیادہ ذکی الحس پودہ "مائی موزہ" ہے کہ ایک ذرا سی بھی چھا جانے سے وہ اونگھنے لگتا ہے اور شعاع آفتاب پڑنے سے فی الفور چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔ حالتِ خواب و بیداری کے تجربے اس پودے پر خوب کئے جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف "جھنگا پھول" کا پودہ ہے جو دریائے گنگا کے کنارے "بنگال" میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہ دن کے وقت خواب استراحت میں رہتا ہے اور شب میں اپنی پوری بہار دکھاتا ہے، افریقہ میں ناریل کے ایسے درخت ہیں جو ساحل سمندر کی سخت اور تیز ہوا کی وجہ سے ایک طرف کو بالکل جھکے ہوئے ہوتے ہیں لیکن صبح کے وقت جب یہ ہوا نہیں چلتی یہ درخت بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کے پھل توڑنا بڑا دشوار

Marfat.com

کام ہے لیکن وقت مقررہ پر یہ سب پھر جھک جاتے ہیں اور دوسری صبح کو پھر اسی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

"بنگال" کے اُس "تاڑ" کے درخت کا حال تو اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا جو کہ طلوع آفتاب کیساتھ بیدار ہوتا ہے اور تدریجاً زمین سے اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا۔ لیکن جوں جوں سورج ڈھلتا جاتا تھا یہ درخت بھی جھکنے لگتا تھا اور غروب آفتاب کے ساتھ یہ بھی سربسجود ہو جاتا تھا۔

کیا نباتات کے متعلق یہ جدید انکشافات اور سر بوس کی تصانیف پڑھ کر کسی انصاف پسند طالب حق کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ "سیرۃ النبی" صلے اللہ علیہ وسلم کے اُن مستند و معتبر حقائق کی تکذیب کر دے جو نباتات میں حس و شعور، ارادہ، نطق، اور جذبات محبت وغیرہ کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں

ہم اسلامی تاریخوں میں "یا ساریۃ الجبل" کا مشہور واقعہ پڑھتے تھے لیکن "وائرلیس" کی ایجاد سے پہلے ہمارے لئے یہ سمجھنا کس قدر مشکل تھا کہ شاید ایک روحانی "وائرلیس ٹیلیفون" کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی ہو۔

عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیام پیٹروگریڈ سے لندن کو چلا راستہ میں بعض جرمن اُسے جذب کرنے لگے۔ اوپر سے ایک فرانسیسی طیارہ نے ان جاذب کرنے والوں پر بم پھینکا اور جرمن اپنی سعی میں ناکام رہے۔

دیکھئے یہ مادی واقعہ اس روحانی واقعہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیام سرزمین حجاز کو جا رہا ہے شیاطین اُس کو اچکنا چاہتے

Marfat.com

ہیں لیکن اوپر سے شہابِ ثاقب کا گولہ ان کا کام تمام کر دیتا ہے اور وُہ ناکامیاب، و نامُراد دھکیل دیئے جاتے ہیں۔

اِس قسم کے ہزارہا سائنٹیفک شواہد و نظائر نے خوارق اور دیگر مشکل اور غامض مسائل کی تفہیم کے متعلق ہمارے کام کو بہت آسان کر دیا۔ اور قوانین قدرت کی نسبت اپنی تنگ نظری اور کم مائگی کی بنا پر جو غلطیاں ہم کر رہے تھے ان میں سے بہت سی اغلاط کی اصلاح کر دی ہے

اب قانون کا لفظ اِستعمال کرتے وقت ہم کو بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے اور کسی چیز کو روزمرّہ کے معمُولی کے ذرا خلاف دیکھ کر جھٹ پٹ یہ دعوے نہیں کر سکتے کہ وُہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ "قانون قدرت" کے اس لفظ سے بھی ہم کو بہت کچھ دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ لفظ مرعوب کرنے والا تو بہت ہے مگر ہم جس مضمون کو اس لفظ سے ادا کرنا چاہتے ہیں اُس کی یہ صحیح تعبیر نہیں، فی الحقیقت جس چیز کا نام ہم نے "قانون قُدرت" رکھا ہے وہ "قانون عادت" ہے۔

قُدرت اور عادت یہ دو لفظ ہیں جن کا فرق اُن کے سادہ مدلول ہی سے ہویدا ہے۔ ایک کام کی قدرت (یعنی کر سکنا) اور ایک اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ہر انسان اپنے تئیں محسُوس کرتا ہے کہ خورونوش، لباس، سواری اور معاشرت کے متعلق جو اُمور اُس کی عادت میں داخل ہیں وُہ اُن کے خلاف پر بھی قادر ہے، گو اُن کے خلاف عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں، اسی طرح

Marfat.com

جو لوگ خُدا کی ہستی اور اُس کی قدرت کے قائل ہیں اُن کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ خُدا کی قُدرت، ارادہ، عادت، یہ تینوں ایک دُوسرے سے بالکل متمیز ہیں۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خُدا کر سکتا ہے وُہ سب کر ڈالے، اور جو کر ڈالے اُسی کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے، خُدا کی قُدرت اور عادت کو مترادف ثابت کرنے کی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ایسے دلائل موجود ہیں جو قُدرت اور عادت کے تفاوت کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔

دیکھو! ہم اُس قادرِ مُطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ اُوہ بچہ کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرا دیا گیا ہو یا زمین سے اُگ آیا ہو، مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عادت مستمرہ کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بدون انسان کو پیدا کرنا بھی خدا کی قُدرت میں داخل ہے۔ آخر ابتداء آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقہ پیدائش سے بالکل علیحدہ تھی اور تمام اقوام و ملل کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر الدوالدی پیدا اور موجودہ قانون تناسل کے جوان جوان محض خُدا کی قُدرت اور اس کے ارادہ سے پیدا ہو گئے۔

پس جو مذہب یہ تسلیم کرتا ہے کہ قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وُہ اس کے لامحدود مطلق کو ظاہری سلسلۂ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے

ملیحدہ ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے ؟

سبب و مسبب اور علت و معلول کے تمام سلاسل کو کسی ایسی حد پر ختم کرنا ضروری ہے جہاں خلاّق عالم کا دست قدرت اسباب و وسائط کو چھوڑ کر براہ راست کسی چیز کو موجود کرتا ہے ، پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہزاروں یا لاکھوں سال گذر جانے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ میں جو لم یزل ولا یزل ہے (معاذاللہ) وہ زور قدرت باقی نہیں رہا جو اسباب سے الگ ہو کر اب کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو ایجاد کر سکے۔

بلاشبہ اس کے کمالات لازوال اور ہر قسم کے نقص و قتور سے بکلّی منزہ ہیں اور اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ جب چاہے سبب کو بدون مسبّب کے اور مسبب کو بدون سبب کے پیدا کر دے مثلاً آگ موجود ہو اور نہ جلائے یا کوئی چیز جل جائے مگر آگ موجود نہ ہو۔

بے شک آگ سے جلانا اس کی عام عادت ہے لیکن اگر کبھی کسی مصلحت سے اس عادت کے خلاف ظاہر ہو تو وہ بھی تحت القدرۃ ہے۔

خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلۂ اسباب سے علیحدہ ہو کر محض قدرت اللہ کے اظہار کے طور پر کوئی کام کرنا قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں عام عادت اور معمول کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور مغالطہ آمیز تعبیر ہے۔

قدرت اور عادت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اسباب سے مسبب کا

Marfat.com

پیدا کرنا، خُدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے مسبّب بنا دینا قدرت کا کام ہے اسباب کا سارا سلسلہ قُدرت کا بنایا ہُوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اسی لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہوگی، لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈال سکتے۔

عادتِ عامہ و خاصہ

مُعجزہ خدا کی خاص عادت ہے | قدرت اور عادت کی اس تفریق کے وقت ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیئے یعنی جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں عادت کی بھی دو قسمیں ہیں :-

(۱) عادت مستمرّہ عامّہ (۲) عادت موقتہ خاصّہ

عادت عامّہ مستمرّہ سے میری مُراد وُہ عادت ہے جس کا استعمال بکثرات و مرّات، جلد جلد اکثر اور پیشتر اوقات میں ہوتا رہتا ہے اور اس کے بالمقابل " عادت خاصّہ موقتہ " وُہ ہوگی جس کا تجربہ گاہ بگاہ نادر مواقع میں ہُوا کرے۔

مثلاً ایک شخص کو ہم دیکھتے ہیں کہ بڑا نرم خو، حلیم الطبع اور بُردبار ہے، ہزار گالیاں سُننے اور اشتعال دلانے پر بھی اُسے غُصّہ نہیں آتا لیکن اس کے باوجود ہمارا یہ بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ جب کبھی مذہب پر حملہ ہو یا اُس کے سامنے پیغمبر علیہ السّلام کی ادنیٰ سی توہین کی جائے اُس وقت غصّہ سے بیتاب

ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے تو توہین کے وقت اس کی یہ سخت گیری اور درشتی اگرچہ اس کی عام عادت (بُردباری، عفو و درگزر) کے مخالف ہے لیکن وُہ بجائے خود اس کی ایک خاص اور مستقل عادت ہے جس کے تجربہ کا موقع گاہ بگاہ اس کے اسباب مہیّا ہونے پر ملتا رہتا ہے۔

یاد رکھو! جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وُہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اُس کے موافق ہوتا ہے، کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بنا پر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق و معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے سلسلۂ اسباب و مسبّبات کا قائم رکھنا اگرچہ اس کی عام عادت ہے لیکن بار بار یہ بھی تجربہ ہو چکا ہے کہ جب اپنے سفراء اور مقرّبین کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ غیر معمولی علامات ظاہر کرتا ہے جس سے دنیا سمجھ لے کہ بیشک یہ اس کے سفیر اور مقرب و معتمد ہیں جن کے دعوے کی تصدیق و تنویہ کے لئے وُہ خلاف معمول چیزیں پیش کر کے ساری مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے۔ عقل اور فطرت کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خُدا اپنے خاص وفادار بندوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو دُوسروں سے نہ کرے، کیا ایک گاؤں کے مکھیا یا نمبردار کے کہنے سے وائسرائے وہ کام کر سکتا ہے جو ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرتا؟

ماں، باپ، بیوی، اولاد، احباب، اقارب، حکّام، رعایا غرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جُداگانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی

Marfat.com

ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے، یہ باپ ہے، یہ لاڈلا بیٹا ہے، بسا اوقات جو بے تکلفی با خلاق طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کر لیتا ہے وہ ہرگز ساری دُنیا کے دباؤ سے نہیں کر سکتا۔ ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنیٰ ہوتا ہے، ان سب صورتوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل و فطرۃ کے موافق ہے، تاکہ تفاوت مراتب اور اختلاف مدارج کے سمجھنے میں کوئی مغالطہ اور اشکال نہ رہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرت کا مقتضا ہے اس کے مخالف کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا، سفاہت ہوگی۔

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں اپنی جان، اپنی آبرو ہتھیلی پر رکھ کر خدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا ہی ان سے یہ دعویٰ کراتا ہے کہ "آج تمہاری سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے" ضروری ہے کہ اُن کی وجہ سے علم عادت سے بالاتر کارنامے خدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دُنیا کو اپنی نظیر پیش کرنے سے تھکا دیں اور تمام مخلوق کو عاجز کر دیں، یہ ہی معنی ہیں معجزہ کے،

یاد رکھیئے کہ "معجزہ" خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس کو نبی کا سمجھنا سخت غلطی ہے۔

خدائی فعل انسانی افعال سے بداہتہً ممتاز ہوتا ہے | بلاشبہ خدائی فعل اور

Marfat.com

بندوں کے افعال میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے۔ خدائی کام کی نقل بندہ اُتارتا ہے لیکن عاقل مبصر کو اصل اور نقل میں کبھی التباس بھی نہیں ہو سکتا۔

گلاب خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اب تم بھی کاغذ وغیرہ کے پھول بناتے ہو تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑ جائے تو تمہاری صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے لیکن قدرتی پھول پر پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ صفائی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انسان جانداروں، درختوں، پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے، مگر مچھلی کی آنکھ، مکھی کا پر، مچھر کی ٹانگ، بلکہ ایک جَو کا دانہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا، لاکھوں مجسمے، کروڑوں بیل بوٹے دنیا کے صنّاع بناتے ہیں، مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے بالکل عاجز ہیں۔ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوا لَهٗ (القرآن)

اسی کا نام خدائی فعل ہے اور جب ایسا فعل بدون توسط ان اسباب کے جو اس کی تکوین کے لئے متعارف ہیں، کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر ظاہر ہو اس کا نام مُعجزہ ہو جاتا ہے۔

مُعجزہ کوئی فن نہیں | پس جب یہ ثابت ہوا کہ مُعجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بدون تعاطی اسباب کے ظہور پذیر ہو تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت کو دخل نہیں ہو سکے گا، بنابریں تنجیم، کہانت مسمریزم، سحر، شعبدہ بازی کی طرح مُعجزہ کوئی فن نہیں جو تعلیم و درس سے حاصل ہوتا ہو۔ یہ فنون سیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ لیکن مُعجزہ میں نہ تعلیم و تعلم ہے، نہ انبیاء کا کچھ اختیار اس میں چلتا ہے نہ مُعجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص

ضابطہ اور قاعدہ ان کو سکھلایا جاتا ہے کہ جب چاہیں ویسا عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھتے ہیں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہے ایسا نہیں کہ انبیا جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں، برخلاف فنون سحریہ وغیرہ کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان پر جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور حواص خاص کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلا سکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی، نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ ممہد ہوا، نہ کوئی کتاب تنجیم مسمریزم سحر کی طرح معجزات سکھلانے والی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے۔ اگر افعال میں سے ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے بولنے والے مجبور اور درماندہ ہیں، رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں دخل نہیں، اسی واسطے انبیاء سے جب معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے اللہ پر محمول کیا، فرماتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ
خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

۱۱۳

Marfat.com

اَوْتَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا ۝ اَوْیَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

(اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے کہ یا تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا کھجوروں انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا کر گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو یا رہنے کے لئے تمہارا کوئی طلائی گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور جبتک تم وہاں سے ایک کتاب اتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اس کو پڑھ لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی باور کرنے والے نہیں۔ کہدو (اے محمد صلعم) کہ میں رسول تو ہوں مگر بشر رسول ہوں (خدا نہیں ہوں یعنی معجزہ تو بشر کا فعل نہیں ہے خدا کا فعل ہے۔ میرے قبضہ میں یہ نہیں کہ جب چاہو تمہیں دیدوں بلکہ جس قدر خدا میری تصدیق کی علامات کے طور پر کافی اور مناسب جانتا ہے ظاہر کرتا ہے۔)

معجزہ کچھ ایسے حالات کے ساتھ آتا ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور عصا کا معجزہ دکھایا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں کو جمع کیا

Marfat.com

اور وہ بھی موسیٰ علیہ السّلام کے مُقابلہ میں اپنی لاٹھیاں اور رسّیاں لے کر پہنچ گئے، وُہ سمجھے ہوئے تھے کہ مُوسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں۔ اسی لئے کہا:

اِمَّا اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّا اَنْ نَکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ ط

(پہلے تم ڈالوگے یا ہم)

مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "تُم پھینکو" جب اُنہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسّیاں پھینکیں اور وُہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے (فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی) موسیٰ علیہ السّلام اپنے دل میں ڈرے حالانکہ اگر وُہ بھی پیشہ ور ساحر ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہُوا اور کیوں طاری کیا گیا؟ یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے تو مُوسیٰ علیہ السّلام جیسے پیغمبر کو ان لاٹھیوں اور رسیّوں سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ خصُوصاً جب کہ اسی نوعیت کے اعلیٰ خوارق کا تجربہ بھی دو مرتبہ کر چکے تھے، پہاڑ پر جو واقعہ "القاء عصا" کا ہُوا اُس پر "لاتخف" سن چکے تھے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے وَلّٰی مُدْبِراً وَّلَمْ یُعَقِّبْ جس کے جواب میں کہا گیا:

لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ

(اَے مُوسیٰ مت ڈر یہاں انبیاء ڈرا نہیں کرتے)

Marfat.com

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے لاٹھی ڈال کر بھی دیکھ چکے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر بشری خوف تھا جو کہ وہیں نکل چکا تھا، اب دوسری دفعہ جو خوف ساحرین کے مقابلہ میں طاری ہوا، یہ اس وجہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ساتھ میں کوئی طاقت اور قدرت نہیں، کہیں ساحرین کی اس شعبدہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ پست نہ ہو جائے اور بے وقوف لوگ ان جھوٹے کرشموں کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى

(ڈرو مت تم ہی سربلند ہو کر رہو گے)

یہ تو تخرف کا منشا تھا آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ جب ڈرگئے اور ڈرے ہوئے آدمی پہ خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہویدا ہوتے ہیں اُن کو محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں۔ یا کم از کم اس کو کوئی ساحرانہ عمل ایسا معلوم نہیں جس سے ہمارے مقابلہ میں قلب کو مطمئن رکھ سکے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا جو باذن اللہ تمام جادو کے سانپوں کو نگل گیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے۔ وہ سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور چلا اُٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور ہارونؑ کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون نے بہت کچھ دھمکیاں دیں اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر اُن کا جواب صرف یہ تھا۔

Marfat.com

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَا اَکْرَهْتَنَا عَلَیْهِ
مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؕ

(جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گذر تو اس سے زیادہ نہیں کہ صرف اسی دُنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے (حی ولا یموت) پروردگار پہ ایمان لا چکے ہیں تاکہ وُہ ہماری خطائیں اور اُن ساحرانہ حرکتوں کو معاف فرمائے جو تو نے ہم سے زبردستی کرائیں اور اللہ سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے)۔

اور جو لوگ ایسی آیات بیّنات دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے اُن کا حال یہ تھا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

(اُنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا۔ ظلم سے اور زیادتی سے حالانکہ اُن کے دلوں کو (سچائی کا) پُورا پُورا یقین حاصل تھا۔)

خود فرعون کو خطاب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :-

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ؕ

(تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں اُتاریں اور فرعون بیشک میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو (اس علم کے باوجود) ہلاکت میں گر چکا ہے)

معجزہ خدا کی طرف سے نبوّت کی فعلی تصدیق ہے | یہیں سے ہم اس نتیجہ پر

Marfat.com

پہنچے ہیں کہ معجزہ فی الحقیقت حق تعالیٰ کی طرف سے نبوّت کی عملی تصدیق ہے۔
جو شخص دعوی کرتا ہے کہ میں نبی ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ کو اپنے منصبِ سفارت پر سرفراز فرمایا ہے اور تمام بنی نوع میں سے مجھ کو اپنے فرامین وہدایات پہنچانے کے لئے چھانٹ لیا ہے، نجات ابدی سے بہرہ ور ہونا صرف میرے یہی اتباع میں منحصر ہے۔ میرے اتباع سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

یہ سب دعاوی خُدا تعالےٰ کے سامنے، اُس کی زمین پر، اُس کے آسمان کے نیچے بآوازِ بلند بار بار کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ میرے ہاتھوں اور زبان سے وُہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اس کی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دُنیا اُن کی مثال لانے سے عاجز ٹھہرے گی۔ پھر اسی کے موافق مشاہدہ بھی کیا جارہا ہو تو یہ یقیناً خُدا کی جانب سے اُس کے دعوے کی عملی تصدیق ہے اور خُدا تعالیٰ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کرسکتا لہٰذا نبی کا دعوے معجزہ کے ظہور کے بعد سچّا ثابت ہو جاتا ہے۔

اِسی لئے بلاخوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ اور صداقتوں کا خزانہ ہے، کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وُہ نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کرکے برابر ایسے خوارقِ عادات دکھلاتا رہے کہ دُنیا اِس کے مقابلہ سے عاجز ہو جائے، ضرور ہے کہ خُدا ایسے حالات بروئے کار لائیگا کہ اس کی طرف سے جھوٹے کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں

Marfat.com

کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ، تجویز یا انتخاب پر بحث چھڑ جاتی ہے تو فریقین کی پوری زور آزمائی اور ردّ و کدّ کے بعد فیصلہ کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ رائیں شمار کر لی جائیں۔ جس کے لیے شرکاء اجلاس سے ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں، اور یہی ہاتھ اُٹھا دینا یا نہ اُٹھانا اس ریزولیوشن کی تصدیق و تائید یا تکذیب و تردید کے لئے کافی ہوتا ہے۔ زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک شخص کی نسبت پبلک جلسہ میں رائے لی جاتی ہے کہ آیا جمہور کو اس پر اعتماد ہے؟ اس پر ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ یہی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اُن سب کی رائے اِس شخص کے حق میں ہے۔ ہم دن رات سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ کو اوپر اُٹھاتے ہیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں۔ لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور ہیئت اصلی کے خلاف اوپر کو اُٹھا دینا جب کسی ریزولیوشن کی تسلیم و انکار یا کسی دعوے کی صحت و بطلان کی آزمائش کے موقعہ پر ہو تو غبی سے غبی انسان کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، اس وقت کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمار سے رایوں کا شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر بے چون و چرا ہو جاتے ہیں۔ پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اوپر کو اُٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولیوشن پر ووٹ لینے کے اختیار کی جائے تو اس ریزولیوشن

Marfat.com

یا دعوے کی بے شک و شبہ تصدیق و تائید سمجھی جاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا جو فعل عام سنن طبعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سنت اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کہ کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرقِ عادت ہے۔

اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعوی نبوت اور تحدی کے بعد اس سے، یا اُس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے کہ جو من جانب اللہ اس کے دعوی کی فعلی تصدیق ہے۔

معجزہ، کرامت، ارہاص لیکن اسی کے مشابہ کوئی خرق عادت اگر کسی نبی کے متعلق اس کے دعوئ نبوت یعنی بعثت اور تحدی سے پہلے ظاہر ہو اُس کو "ارہاص" کہتے ہیں، اور اگر کسی غیر نبی کے ہاتھ پہ اتباع نبی کی برکت سے اس قسم کے خارق عادات نشانات دکھلائے جائیں تو اس کا نام "کرامت" ہے

کرامت اور استدراج کا فرق ہاں ایک چیز ان تینوں کے سوا اور ہے جس کو متکلمین کی زبان میں استدراج کہتے ہیں یعنی وہ خوارق عادات جو گاہ بگاہ کسی بدکار، گمراہ، فاسق یا کافر مشرک اور مکذب انبیا کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ یہ خوارق بھی صورۃً اُن خوارق سے مشابہ ہو سکتے ہیں جن کا نام ہم نے کرامات رکھا ہے لیکن سمجھنے والوں کے نزدیک ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ایک نجیب الطرفین مولود اور ایک ولد الزنا میں، کہ بظاہر دونوں بچے یکساں شکل و صورت رکھتے ہیں اور حسی طور پہ دونوں ایک ہی طرح کی حرکت و عمل کا نتیجہ ہیں۔ مگر محض اس لئے کہ اُن میں سے ایک بچہ

Marfat.com

فعل حرام کا نتیجہ اور دُوسرا عمل مشروع اور طیب کا ثمرہ ہے، ہم پہلے کے تولد کو مذموم و قابلِ نفرت اور دُوسرے کی ولادت کو محمُود اور موجب مسرت وابتہاج سمجھتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح جو "خوارق عادات" اتباع رسُول اور خدائے واحد کی پرستش کا نتیجہ ہوں وہ "کرامات اولیاء" کہلاتی ہیں جن کے مبارک ومحمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے برخلاف جو "خوارق" اتباع شیطان، عبادت غیراللہ، فسق وفجور اور اخلاد الی الارض کے ثمرات ہوں۔ اُن کا نام "استدراج" اور "تصرف شیطانی" ہے۔ اور اسی جگہ سے ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم صرف کرامات سے ولی کو نہیں پہچان سکتے بلکہ ولی سے کرامات کو پہچانتے ہیں اور یہ بڑے شکر کا مقام ہے کہ حق تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے ہم کو اس قسم کے فروق تلقین فرماکر التباس حق با لباطل سے محفوظ رکھا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ

وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ

بِحُرْمَۃِ بَیْتِکَ وَحَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ

وَسَلَّمَ

Marfat.com

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ

الٓرٰ، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اسکی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر صاف صاف بیان کردی گئی ہیں

اعجاز القرآن

باضافہ رسالہ

۱: اَلرّوح فی القرآن
۲: اَلمعراج فی القرآن

از تالیفات

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی۔ لاہور

(تعداد ۱۲۰۳)

Marfat.com

Marfat.com

عرضِ ناشر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۸۸۵ — ۱۹۴۹ء) برصغیر کی ان چند نامور ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کی نمایاں ملّی، علمی، سیاسی اور عظیم دینی خدمات، روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور وہیں ایک عرصہ تک تفسیر و حدیث کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ قیامِ پاکستان کی تحریک میں نمایاں خدمات انجام دیں، اور پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے آخر العمر تک مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔ حضرت علامہ دینی علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے اور قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عقلی علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، تفسیر عثمانی، فتح الملہم اور العقل و نقل اور مولانا کی دیگر تصانیف سے ان کے تدبر، غور و فکر اور علم کی گہرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ زیرِ نظر رسالہ "اعجاز القرآن" اپنے موضوع پر حضرت علامہؒ کی بہترین تصنیف ہے جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ مزید افادہ کے لئے رسالہ کے آخر میں حضرت علامہؒ کے دو اور رسالوں "الروح فی القرآن" اور "المعراج فی القرآن" کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قدر دان حضرات اس پیش کش کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

والسلام

ناشرین

ابناء محمد زکیؒ

Marfat.com

فہرست مضامین اعجاز القرآن

مضمون	صفحہ
تمہید	۶
"کیوں" کا سوال کہیں نہ کہیں ضرور کرنا ضروری ہے	۸
"کیوں" کے بند کرنے میں ملحد اور موحد کا فرق	۱۱
"قدرت" اور "عادت" میں فرق	۱۲
"خرق عادت" کی حقیقت	۱۲
آریہ کا مذہب	۱۵
عادت عامہ و خاصہ	۱۷
"معجزہ" خدا کا فعل اور اس کی خاص عادت ہے	۲۰
ہم نے خدا کو اسکے کاموں سے پہچانا ہے	۲۱
معجزہ کوئی فن نہیں	۲۴
معجزہ کے حالات	۲۷
معجزہ میں دعوی نبوت کی شرط	۳۰
معجزہ کا نبوت کی فعلی تصدیق ہونا	۳۱
فعلی تصدیق کی مثال	۳۲
وحی کی تعریف اور اسکی ضرورت	۳۴
وحی سے انکار کرنیوالوں کی مثال	۳۵
وحی کی طرف انسانی احتیاج	۳۵
نزولِ وحی میں تدریج	۳۶
وحی کا تدریجی و غیر تدریجی ہونا	۳۹
وحی میں فروعی تفاوت کی گنجائش	۴۳
نبوت خاصہ، اور نبوت عامہ	۴۴
قرآن اور اس کی جامعیت	۴۵
نبی اُمّی اور اس کا اعجاز قرآنی	۴۶
رسول اکرمؐ کا اُمّی ہونا	۴۹
قرآن نے کس طرح لوگوں کو عاجز کیا؟	۵۲
خدائی کلام کے پرکھنے کی کسوٹی	۵۳
کیا قرآن اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے	۵۳
فیضی کی بے نقط تفسیر اور سعدی کی گلستان	۵۷
قرآن کی طرف سے مقابلہ کا چیلنج	۶۰
قرآن کسی شخص کا کلام نہیں ہوسکتا	۶۴
خدائی کلام سے خدائی شان کا ظہور	۶۷

Marfat.com

قرآن کی فصاحت اور اہل عجم ۶۸
قرآن کا اصلی اعجاز ۶۹
کلام خداوندی سے رسالت کا ثبوت ۷۲
نزول قرآن کیوقت نبی کی کیفیت ۷۵
تلاوت کیوقت رسول اکرمؐ کی کیفیت ۷۶
قرآن کا اثر سامعین پر ۷۷
جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی و عقلی قوت ۸۲
قرآن کریم کی حفاظت ۸۵
قرآن کریم کی تعلیم ۸۸
قرآن میں صفات خداوندی کا ذکر ۸۹
قرآن کریم کی بینظیر سلاست اور روانی ۹۲
قرآن میں ایک مضمون دوسرے مضمون سے مغلوب نہیں ہوتا ۹۳
قرآن میں غیبی خبریں ۹۴
خاتمہ کلام ۹۷

الروح فی القرآن ۱۰۱

روح سے متعلق قرآن حکیم کی آیات ۱۰۲
روح سے متعلق سوال ۱۰۴
روح قرآنی کے متعلق چند نظریات ۱۰۶
لفظ "امر" کی تشریح اور امر و خلق کا فرق ۱۰۸
"خلق" کیا ہے؟ ۱۱۰
"امر" کیا ہے؟ ۱۱۰
روح کا مبدء صفت کلام ہے ۱۱۱
روح کا جسم لطیف ہونا ۱۱۲
خواب کی مثال ۱۱۳
روح حادث ہے اور اسکا مبدء قدیم ۱۱۳
ظاہر اور مظہر کے احکام کا فرق ۱۱۴
روح جوہر ہے یا جسم لطیف ۱۱۴
روح کا بدن سے جدا ہونا ۱۱۵
روح کا ہر چیز میں ہونا ۱۱۶

المعراج فی القرآن ۱۱۹

اسراء اور معراج کا فرق ۱۱۹
جمہور امت کا عقیدہ ۱۲۰
معراج پر شبہ اور اسکا حل ۱۲۳
بیت المقدس لیجانے کی حکمت ۱۲۵، ۱۲۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعجاز القرآن

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد

زمانہ کے حالات اسوقت مقتضی ہوئے کہ دار العلوم دیوبند کے طلبہ کے ایسی تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے۔ جنمیں اسلام کے عام اصول و قواعد کی تحقیق اور قرآنِ کریم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عظمت شان ظاہر کرنیوالی حقائق زیادہ سے زیادہ واضح، معقول، اور دلنشین پیرایہ میں بیان کی جائیں اور طلبہ کی ایک جماعت کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ یہاں سے جاکر اپنے ناواقف یا کم علم بھائیوں کے ایمان کی حفاظت اور منکرین یا مشککین پر خدا کی حجت تمام کرسکیں، اسی نیت سے اس ناچیز نے چند روز ہوئے کہ ایک سلسلہ بیانات کا شروع کیا اور چونکہ کچھ عرصہ سے آریوں کے شور و غوغا نے ملکی سطح میں تلاطم اور اسلامی حلقوں میں حمایت حق کا ہیجان پیدا کر رکھا ہے۔ اس لئے ان بیانات میں خصوصیت سے آریہ سماج کے اصول و خیالات مرعی رہے ہیں۔ تمام مباحث سے پہلے میں نے مناسب خیال کیا کہ قرآن کریم کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونیکے

Marfat.com

متعلق ایک مبسوط اور مفصل تقریر کر دی جائے۔ جس کے بعد ایک انصاف پرست اور طالب حق کے لئے یہ گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ قرآن کریم کی عظمت و جلالت سے انکار کر سکے یا اس کی روشنی کے قبول کرنے سے روگردانی کرے۔ اس بحث کے ضمن میں اور بھی کئی مفید اور اہم بحثیں آگئی ہیں اور ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ اعجاز قرآن کی تحقیق اسی وقت حد تکمیل کو پہنچ سکتی تھی کہ اول اعجاز کی بحث ہو یعنی یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے اس کی ضرورت کیا ہے۔ اس کا وجود قطرۃ (یا نیچر) کے خلاف تو نہیں، وہ دلیل نبوۃ کس طرح بن جاتا ہے۔ اور معجزہ جیسے فعلی ہوتا ہے قولی بھی ہوتا ہے؟ پھر یہ بتلانا ہوگا کہ وحی کیا چیز ہے اس کی ضرورت بندوں کو کیا ہے، اس میں تدریج ہو سکتی ہے یا نہیں، قرآن جسے ہم سب سے آخری وحی الٰہی اور کلام ربانی مانتے ہیں۔ اس کو ہم کیوں معجزہ کہتے ہیں۔ اور کس طرح کلام الٰہی اور وحی ربانی ماننے پر مجبور ہوئے ہیں؟ غرض یہ مضمون جب اپنے نزدیک مکمل ہو گیا اور بقدر کفایت اس کے سب اطراف و جوانب روشنی میں آگئے تو بعض احباب کی قلمبند کی ہوئی یادداشتوں کو خاکسار نے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیا تاکہ غائبین کے حق میں بھی اس کا نفع عام ہو اور مضمون چھپ کر ضیاع سے محفوظ ہو جائے۔ آئندہ بھی اگر خدا نے توفیق دی تو یہی صورت اختیار کی جائے گی۔ جن لوگوں کو ان رسائل کے مطالعہ کا اتفاق ہو اُن سے میری درخواست ہے کہ وہ رسالہ کو ایک تقریر کی صورت میں دیکھیں اور مہربانی فرما کر اول سے آخر تک پڑھ جائیں۔ کیونکہ مضمون کا پورا لطف اور فائدہ اس کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔ بعض مضامین جو بہت ہی خشک فلسفیانہ،

ہوتے ہیں خواہ ان کو کتنا ہی سہل عبارت میں ادا کیا جائے لیکن عام لوگوں کو ان کے پڑھنے میں پوری دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ ایسے معرکۃ الآرا مسائل کی تحقیق میں ناظرین کو اس طرح کے بعض مضامین سے اکتانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ مؤلف کو ان کے ترک نہ کر سکنے میں معذور خیال کیجئے اور ہمت کر کے پوری کتاب کو پڑھ جائیے آخر لکھنے والے کی محنت سے تو پڑھنے والے کی محنت زیادہ نہ ہو گی۔ یہ ہی مضمون (اعجاز القرآن) جو آپ کے سامنے ہے اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا ابتدائی حصہ کس قدر ضروری ہے جو کسی طرح حذف نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ کہ اس میں کتنے مشکل مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ چونکہ اس رسالہ کا موضوع بحث اعجاز القرآن ہے اس لئے اولاً مجھے چند ایسے اصول مبادی کے طور پر بیان کرنا ضروری ہیں جو قرآن کی عظمت اور اعجاز کے سمجھنے میں مدد دینے والے ہوں۔ لہذا وہ اگرچہ آپ کے نزدیک فی الحال اصل مبحث سے بے تعلق ہوں مگر میں ان ہی سے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

اصل اوّل

"کیوں" کا سوال کہیں نہ کہیں ختم کرنا ضروری ہے

کونات (سب جگت) میں جو جو واقعات و حوادث پیش آتے ہیں۔ ہر چیز پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا مگر ہر شخص کو ناچار ایک جگہ پہنچ کر یہ سوال ختم کرنا پڑے گا۔

تشریح:۔ مثلاً لکڑی آگ میں ڈال دی اور آگ نے اس کو جلا دیا۔ تو سوال

ہوسکتا ہے کہ آگ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ پانی آگ پر بہایا تو سوال ہو سکتا ہے کہ پانی نے آگ کو کیوں بجھا دیا؟ کسی نے زہر کھایا اور مر گیا تو سوال ہوسکتا ہے کہ زہر نے اس کو کیوں مارا؟ آم کے درخت پر صرف آم ہی کیوں لگتا ہے؟ یہ سوالات وہاں بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جہاں آثار کا صدور ارادہ اور اختیار کے توسط سے نہ ہو جیسے آگ کا جلانا، زہر کا مار ڈالنا، آم کے درخت پر صرف آم ہی کا لگنا، آگ اور آم کے درخت اور زہر کے اختیار سے باہر ہے، لیکن اگر کہیں توسط ارادہ و اختیار بھی ہو، تو وہاں یہ سوال اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی کافر اسلام لے آئے یا مسلمان مرتد ہو جائے۔ والعیاذ باللہ منہ، تو سوال کر سکتے ہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ غرض کہ ہر چیز (کیوں) سوال کے تحت میں آسکتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کہیں کیوں کا سلسلہ بند بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آؤ اس کی تفتیش ہم کسی ملحد یا مادہ پرست کو سامنے رکھ کر کریں۔ مثلاً ایک شخص طاعون کی بیماری سے فوت ہوا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ طاعون کیوں ہوا؟ جواب یہی ملے گا کہ زہریلے جراثیم کے پھیلنے سے پھر ہم دریافت کریں گے کہ جراثیم کیوں پھیلے کہا جائے گا کہ آب و ہوا کی خرابی سے؟ بس ابھی یا ایک دو کیوں کا جواب دیکر کیوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور سنیئے آگ کیوں جلاتی ہے، اس لئے کہ اس میں حرارت مفرطہ ہے۔ حرارت مفرطہ آگ میں کیوں ہے، آگے کیوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور اگر ساری دنیا کے فلاسفہ اور حکماء بھی جمع ہو جائیں گے۔ تو اس سے آگے کیوں کا جواب نہیں دے سکتے جو لوگ فاعل مختار کو چھوڑ کر صرف

Marfat.com

مادہ کے قائل ہو گئے ہیں ان سے اور بھی ایک دو باتیں دریافت کرو جن اجزائے مادہ سے آفتاب بن گیا ان سے چاند کیوں نہیں بنا جن ذرات سے چاند متکون ہوا ان سے بجائے چاند کے سورج کا تکون کیوں نہیں ہوا۔ جن مواد سے تاروں کی کروی الشکل ہستیاں موجود ہوئیں ان مواد سے سنگریزے کیوں نہیں بن گئے۔ جن اجزاء سے پاؤں کے تلوے بنائے گئے ان سے سر کی کھوپڑی کیوں نہ بنی؟ ہاتھی کی روح میں جو طاقت ہے کہ وہ بڑی بڑی قوی چیزوں کو مسل ڈالتا ہے وہ چیونٹی روح میں کیوں نہ آئی، اور چیونٹی کی روح جو ذرا سے اشارے سے صفحہ ہستی سے رخصت ہو جاتی ہے، اسقدر کمزور کیوں واقع ہوئی، شیر کی روح نے اسقدر قوت کیوں پائی کہ وہ بڑے بڑے عظیم الجثہ حیوانات کو چیر پھاڑ کر ان کے پرخچے اڑا دیتا ہے مقناطیس صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے، گھاس کے تنکوں کو کیوں نہیں کھینچتا، لوہا اسقدر بھاری اور روئی اتنی ہلکی کیوں ہے۔ وقس علی ہذا۔ غرض کہ ارواح کی قوتوں اور مادہ کی استعدادوں اور خواص میں اسقدر تفاوت کیوں ہے۔ ان ہی چند مثالوں سے واضح ہو گیا کہ ہر چیز کی علت اور سبب کی تلاش اور کیوں کے جواب کا سلسلہ کوئی ہستی خواہ وہ خدا پرست ہو یا مادہ پرست ملحد ہو یا موحد زیادہ دور تک جاری نہیں رکھ سکتی بلکہ کسی نہ کسی درجہ پر یہ سلسلہ طوعاً و کرہاً خواہ مخواہ بند کرنا پڑے گا اور بند کرنے میں ملحد اور موحد دونوں برابر ہیں، البتہ فرق اگر ہے تو بند کرنے کے طریقہ میں ہے مادہ پرست سوالات مذکورہ کے جواب میں کہے گا کہ مادہ میں جیسی استعداد تھی ویسی صورت قبول کر لی جب یہ سوال کرو گے کہ مادہ میں استعداد کیوں مختلف تھی جواب یہ دیں گے کہ آگے سوال نہیں ہو سکتا آم کے درخت پر آم کے متعلق یہ سفو

Marfat.com

گے کہ اس کی صورت نوعیہ کا اقتضاء یہ ہے اسی طرح سنکھیا کا مہلک ہونا بھی اس کی صورت نوعیہ پہ محمول ہے دیکھو بڑے بڑے دہریہ جب وہ ہیولیٰ کی استعداد اور مادہ کی قابلیت اور صورت نوعیہ کے اقتضاء پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے ان کی بلند پروازی رک گئی اسیطرح موحد کا حال ہے کہ وہ بھی ایک خاص حد پر پہنچ کر اپنی پرواز کو ختم کر دیتا ہے۔

کیوں کے بند کرنے میں ملحد اور موحد کا فرق

البتہ اتنا فرق ہے کہ ملحد سے جب سوالات کروگے تو مادہ، صورت نوعیہ مادروح کے خواص پہ سوالات کو ختم کرے گا اور موحد کہیگا کہ جو چیزیں جن خواص و آثار کیساتھ موجود ہیں اللہ جل جلالہ کے علم ازلی محیط میں ان کا اسی طرح ہونا مناسب تھا۔ اگر مادہ پرست کہے کہ اللہ کے علم محیط میں یہ ہی کیوں مناسب تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم نے مادہ کی استعداد کے سامنے سر جھکا دیا تو اس میں کیا عیب ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کے علم کے سامنے سر جھکائیں؟۔ اگر تم صورت نوعیہ اور روح و مادہ کے سامنے سجدہ کر کے اور عاجز ہو کر سوالات کے سلسلہ کو بند کرنے کا حق رکھتے ہو تو ایک موحد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ اپنے پیمانہ مہم کو تنگ اور قوۃ ادراک کو علم الٰہی کے روبرو حقیر و ناچیز سمجھ کر اس خدائے قدوس و برتر کے سامنے سجدہ کرے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ جہاں تم نے سوال کا سلسلہ ختم کر دیا روح کی قوت اور مادہ کی استعداد پر وہاں میں کہوں گا کہ اس کو منتہی کر و اللہ جل جلالہ کے علم محیط

Marfat.com

ازلی پر جس طرح مادہ اور روح کے خواص کو تم ازلی کہتے ہو جس میں ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں، اسی طرح خیال کر لو کہ اللہ تعالےٰ کا علم محیط بھی ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ملل کے نزدیک ازلی ہے، خدا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ علم کو ایک منٹ کے لئے اپنے سے جدا کر کے جاہل رہ جائے (معاذ اللہ) خلاصہ یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ اپنے کو خدا نہ رہنے دے۔

وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی ۝	اور ہر چیز کی انتہا تیرے رب کی طرف ہے۔
لَا یُسْاَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ	اس کے کاموں کی نسبت سوال نہیں کیا جا
هُمْ یُسْاَلُوْنَ ۝ ع	سکتا ہاں بندوں سے باز پرس ہو سکتی ہے۔
وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝	اور تم کو تو صرف ایک ذرا سا علم دیا گیا ہے۔
سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا	پاک ہے تو (اے پروردگار) جس قدر تو نے
مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ	بتلا دیا اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک
الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝	تو ہی ہے، جاننے والا اور حکمت والا ہے۔
وفی الحدیث الصحیح فَلْیَنْتَهِ	(جب خدا تک سوال کا سلسلہ پہنچے، تو چاہیئے
وَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔	کہ آدمی رک جائے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈے

اصل دوم

قدرۃ اور عادۃ میں فرق، عادۃ کے مراتب، خرقِ عادت کی حقیقت

جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کے وجود کے قائل ہیں ناچار ان کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اللہ کی ایک قدرت ہے اور ایک ارادہ اور ایک اس کی عادت

Marfat.com

ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، قدرت اور عادت میں بسا اوقات التباس ہو جاتا ہے مثلاً عام طور پر ایسے امور کے متعلق جو سلسلہ اسباب و مسبباب کے خلاف واقع ہوں کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے اور اہل الحاد اسی بہانہ سے بہت سے صحیح مسائل کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے یہ لوگ اس لفظ کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اسوقت میرا روئے سخن دہریوں کیطرف نہیں آریوں کی طرف ہے اور آریہ بھی قانون قدرت کا لفظ بہت استعمال کیا کرتے ہیں لیکن خود بھی "پرمیشور" کو سرو شکتیمان (قادر مطلق) مانتے ہیں جیسا کہ ہم خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں پس اگر وہ واقعی سرو شکتیمان اور قادر مطلق ہے تو اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ سبب کو بدون مسبب کے اور مسبب کو بدون سبب کے پیدا کر دے۔ مثلاً آگ موجود ہو مگر نہ جلاوے یا کوئی چیز جل جاوے مگر آگ موجود نہ ہو یا مثلاً ہم قادر مطلق کی عادت یہ دیکھتے ہیں کہ بچہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج نشوونما پاتا ہے چنانچہ کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی جوان انسان آسمان سے اترا ہو یا زمین سے اگ آیا ہو مگر اس عادۃ مستمرہ کے خلاف ماں کے رحم اور نطفہ کے توسط کے بدون انسان کو پیدا کرنا بھی اس سرو شکیتمان کی قدرت میں داخل ہے، کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ دلیل و نہار کی طرح یہ عالم بھی فنا ہو کر پیدا ہوتا رہتا ہے اور جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اسیطرح عالم کا سلسلہ فنا و بقا یکے بعد دیگرے جاری ہے

Marfat.com

اور عالم کے فنا کے زمانے کو وہ پرلے" کا زمانہ کہتے ہیں اور اس وقت میں ان کے خیال کے موافق سارا عالم فنا ہو جاتا ہے اور سب کچھ مٹ مٹا کر خدا کی ذات میں سما جاتا ہے اور جیسا کہ رگوید میں تصریح ہے صرف پرمیشور کی سامرتھ (خدا کی قدرت) باقی رہ جاتی ہے باقی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اسیطرح عالم فنا میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے بعد نئے سرے سے پھر پیدا ہو جاتا ہے۔ اب دنیا کا جو دور چل رہا ہے اس کا حساب سوامی دیانند سے نہ معلوم کس بہی کھاتہ سے لگا کر یہ کہا ہے۔ کہ "ایک ارب چھیانوے کروڑ کچھ لاکھ ہزار برس سے یہ دنیا موجود ہے اس سے پہلے غیر متناہی مرتبہ دنیا مٹتی اور پیدا ہوتی چلی آئی ہے اور موجودہ دور بھی اپنے وقت پر جب خدا چاہے گا فنا ہو جائے گا، اس عقیدہ کا رد اسوقت بہت نہیں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جب دنیا پرلے کے بعد نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے تو مختلف مخلوقات خصوصاً انسان کہاں سے آتے ہیں۔ سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ پرلے کے بعد جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش کی کیفیت متعارف طریقہ سے بالکل علیحدہ ہے یعنی ہزاروں انسان بغیر ماں باپ کے جوان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے بدوں متعارف سلسلہ اسباب طبیعہ کے بن جاتے ہیں، اب جو مذہب یہ کہتا ہے وہ مذہب قطعاً یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد سر و شکمتاں کو اس ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے الگ ہو کر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے۔

Marfat.com

جب ان کے اعتراف کے مطابق پرلے کے بعد اس عادت مستمرہ کے برخلاف غیر متناہی دفعہ ایسا ہو چکا ہے اور ہوتا رہے گا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو خدا اب سے ایک ارب سال پہلے (پرلے کے بعد) قادر تھا کہ بدوں ماں باپ کے انسان کو پیدا اور بدو اسباب کے مسببات کو موجود کر دے اب اس کی قدرت کو کس چیز نے سلب کر دیا کہ ایک یا دو ارب سال کے بعد ایسا نہ کر سکے، معلوم ہوا کہ خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلہ اسباب سے علیحدہ ہو کر محض وسیع قدرت کے اظہار کے طور پر کوئی کام ایسا کرنا اس کی قدرت کے خلاف نہیں۔ ہاں عادت اور معمول کے خلاف ہوگا، لہٰذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور مغالطہ دینے والی تعبیر ہے مثلاً اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ نہ جلے تو خدا کی اس عام عادت کے تو خلاف ہوا جو آگ کے متعلق ہے کہ وہ جلانے کا سبب ہے لیکن قدرت کے خلاف نہ ہوگا جس نے اس میں یہ خاصہ احراق ودیعت کیا ہے۔

آریوں کے چار رشیوں کے علاوہ کسی اور سے خدا کا ہمکلام ہونا قدرت کے خلاف نہیں البتہ عادت کے خلاف ہے

آریہ کہتے ہیں کہ ہر پرلے کے بعد چار ویدوں کا الہام چار معین اشخاص کو ہوتا ہے جن کے نام بھی لکھے ہیں۔ وایو، اگنی، انگرا، ادیتہ کہا جاتا ہے کہ یہ چار رشی ہیں گو تاریخ ایسے ممتاز انسانوں کا کوئی پتہ نہیں دیتی اور نہ ان کی کوئی

Marfat.com

سوانح بتلا سکتی ہے بلکہ ان کو چار انسان بنانا بھی سوامی دیانند کی کوشش کا نتیجہ ہے جو ان ہی کے دائرہ اثر تک محدود ہے دوسرے بڑے بڑے فرقے ہنود کے اس تشریح دوسری طرح پر کرتے ہیں تاہم مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں مجھے تو یہ کہنا ہے کہ آریہ سماج کے نزدیک ہر پرلے کے بعد ان ہی چار رشیوں پر چار ویدوں کا الہام جگ کی ابتدا میں ہوتا ہے بعد میں کوئی کتاب کسی پر نہیں اترتی اور ہر پرلے کے بعد وہی چار وید اترتے ہیں کہ جو پہلے اتر چکے ہیں ان میں بھی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان ہی چار رشیوں سے ابتدائے آفرینش میں کلام کرتا ہے اور کسی سے نہیں کرتا۔ گویا خدا کا بندوں سے ہمکلام ہونا اس کی عام عادت نہیں بلکہ خاص عادت ہے جو خاص زمانہ میں مخصوص بندوں کی نسبت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ خدا اس سے مجبور اور عاجز نہیں کہ اگر وہ چاہے تو کسی اور سے بھی کسی وقت کلام کرلے تو مجھے اسوقت یہ کہنا ہے کہ خود آریوں کے اصول کے موافق بھی دو چیزیں الگ الگ ہوئیں ایک قدرت۔ اور ایک عادت۔ اور یہ کہ عادت کے خلاف کوئی کام کرنا بھی قدرت سے خارج نہیں ہے پس اسباب سے مسبب کا پیدا کرنا خدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے مسبب بنا دینا قدرۃ کا کام ہے۔ اسباب کا سارا سلسلہ قدرۃ کا بنایا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اس لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہوگی لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں ڈال سکتے قرآن کریم نے بھی قدرت اور عادت میں فرق کیا ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا قْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ

یہ تو اللہ کی قدرت اور ارادہ کا تفاوت ہوا۔ اب عادۃ کا بیان سنئے۔ فرماتے ہیں۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۝

یہی فطرت (نیچر) ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا خدا کے (قانون، پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۝

خدا کی عادت میں تم ہرگز کوئی تبدیل و تغیر نہ پاؤ گے۔
یہ خدا کی عادت ہے جو اپنے بندوں کے متعلق پہلے سے چلی آتی ہے۔

یہ غیر متبدل سنت اللہ عادۃ اللہ ہے بس معلوم ہوا کہ عادت اور قدرت میں فرق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ عمامہ باندھنے کا عادی ہے یا کوئی ہمیشہ چاول کھاتا ہے۔ یہ تو اس کی عادت ہوگی مگر باوجود اس کے بھی وہ ٹوپی اوڑھنے یا روٹی کھانے پر قادر ہے اسی کا نام قدرت ہے ہر انسان اپنے اندر اس بات کو پاتا ہے۔ مثلاً لڑکا اپنے ناتوان باپ کو مار سکتا ہے (یہ اس کی قدرت ہے) مگر نہیں مارتا یہ اس کی عادت ہے۔

عادت عامہ و خاصہ

ہاں عادت میں بھی تفصیل ہے ایک عادت عام غیر موقت اور مستمر

Marfat.com

ہوتی ہے ایسی عادت سے ہر خاص و عام واقف ہو جاتا ہے اسی کو نقل کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہوا اور اساتذہ کی عام عادت دیکھی تو وہ یہاں سے جاکر اسی عادت کو نقل کرے گا جو مدت قیام میں روزمرہ مشاہدہ کرتا رہا ہے دوسری عادت موقت یعنی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کو عادت خاصہ کہنا چاہیئے مثلاً کوئی ہمیشہ روٹی کھاتا ہے مگر عید کے روز ہمیشہ چاول کھایا کرتا ہے پس جس شخص نے اس کو عید کے روز چاول کھاتے نہ دیکھا ہو وہ کہیگا کہ چاول کھانا اس کی عادت نہیں مگر جس نے دس بیس مرتبہ عید کی عادت بھی دیکھی ہے وہ کہیگا کہ روٹی کیطرح چاول کھانا بھی اس کی عادت میں داخل ہے ایک عام مستمر عادت ہے دوسری خاص موقت۔ دونوں اپنے اپنے خیال اور تجربہ کے موافق درست کہتے ہیں۔ مگر دوسرے کا کہنا مطابق واقعہ ہے اس لئے کہ اس کو اس شخص کے تمام زمانے پر نظر ہے وہ جیسا عادت عامہ سے واقف ہے ویسا ہی عادت خاصہ سے بھی آگاہ ہے۔ یاد رکھو جس کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی ایک فعل اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے مطابق اور موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص خاص اوقات اور خاص خاص مصلحتوں کے وقت عام عادت کے توسط کو چھوڑ کر محض قدرت سے خوارق اور معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عادت ہے مثلاً ایک آدمی کو ہم نہایت متحمل مزاج۔ حلیم الطبع سمجھتے ہیں کہ ہزار گالیاں سننے پر بھی غصہ نہیں آتا، مگر اس کی طبیعت میں یہ بھی ہے کہ مذہب پر اگر کوئی حملہ کر دے تو باوجود اسقدر بردباری کے

Marfat.com

غصہ سے بیتاب ہوکر آپے سے باہر ہوجاتا ہے کیا اس کی عادت نہیں سمجھی جائیگی اللہ تعالیٰ کی عام عادت ہے کہ اسباب سے مسببات کو پیدا کرتا ہے لیکن یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب اپنے مقربین (انبیاء کرام) کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ علامات ظاہر کرتا ہے جس سے لوگ سمجھیں کہ بیشک یہ اس کے مقربین اور متعمد خاص ہیں جن کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ خلاف معمول چیزیں پیش کرکے ساری مخلوقات کو اس کی مثل لانے سے عاجز کردیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے عقل اور فطرۃ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ خدا اپنے خاص بندوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو دوسروں سے نہ کرے کیا ایک گاؤں کے مکھیا یا نمبردار کے کہنے سے وائسرے وہ کام کرسکتا ہے جو کہ ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرتا ہے؟ ماں، باپ، بیوی، احباب، اقارب، حکام، رعایا غرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جداگانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے، اور یہ باپ ہے، اور یہ لاڈلا بیٹا ہے بسا اوقات جو بے تکلفی یا خلاف طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کرلیتا ہے وہ ہرگز ساری دنیا کے دباؤ سے نہیں کرسکتا۔ ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنےٰ ہوتا ہے ان سب چیزوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل و فطرۃ کے موافق ہے تاکہ قریب کا قریب اور بعید کا بعید ہونا لوگوں پر واضح ہوجائے اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرۃ کا مقتضاء ہے اسکے مخالف کیونکہ ہوسکتا ہے بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا۔

Marfat.com

سفاہت ہوگی ؎

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں، اپنی جان، اپنی آبرو، ہتھیلی پر رکھ کر خدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا ہی ان سے یہ دعویٰ کراتا ہے کہ آج تمہاری سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے ضرورت ہے کہ ان کی وجہ سے عام عادت سے بالاتر کارنامے خدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دنیا کو اپنی نظیر پیش کرنے سے تھکا دیں اور تمام مخلوق کو عاجز کر دیں یہی معنی ہیں معجزہ کے یاد رکھئے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے۔

معجزہ خدا کا فعل اور اس کی خاص عادت ہے

معجزہ قانون عادت عامہ کے خلاف اور عادت خاصہ کے موافق اللہ کا ایک فعل ہے جو کہ تمام مخلوق کو تھکا دینے اور عاجز کر دینے والا ہوتا ہے تاکہ تاکہ اللہ تعالیٰ سچے مدعی نبوت کا وہ رتبہ تمام جہان پر واضح کر دے جو کہ اس کے یہاں اس کو حاصل ہے اور یہی حکمت کا اقتضاء بھی ہے کیا میں اپنے بیٹے کے ساتھ جو عادت برتونگا وہی ایک عامی آدمی کے ساتھ بھی کرونگا؟ نہیں۔ بلکہ جیسے تعلقات ہوتے ہیں ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ بھی جن کا جیسا تعلق ہو ویسا ہی ادھر سے معاملہ اور برتاؤ بھی ہو یہی معجزہ کی حقیقت ہے جس سے آجکل کے مادہ پرستوں کو اسقدر گھبرانے اور دہشت کھانیکی ضرورت نہیں۔

ہم نے خدا کو اس کے کاموں سے پہنچانا ہے

اس کے بعد ہمیں سوچنا چاہئے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے ہم کو خدا کے ماننے پر مجبور کیا؟۔

(جواب) سو یہ بات ظاہر ہے کہ جب ہم کو مکونات میں مختلف افعال و آثار دیکھتے ہیں تو بعض ان میں سے ایسے ہیں جن کو ہم کسی سبب کی طرف منسوب کرتے ہیں چھت گری اور اس کے نیچے کوئی دب کر مر گیا۔ بجلی گری اور کوئی شخص جل گیا اور بعض ایسے ہیں جن کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جیسے کسی پر بجلی گری، مگر نہیں مرا یا چھت گری مگر وہ زندہ نکلا اس قسم کے واقعات کو کسی چیز پر محمول نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ محض خدا کی قدرت سے ایسا ہوا کیونکہ یہاں بظاہر اسباب کا سلسلہ اسی واقعہ کے مخالف تھا۔ چاند سورج کو گہن لگتا ہے اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے بارش برستی ہے اس کا سبب بیان کرتے ہیں لیکن اسباب کا سلسلہ ضرور کہیں نہ کہیں مجبوراً بند کیا جاتا ہے اور وہاں پہنچ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ چیزیں قدرتی ہیں غرض قدرتی چیزیں وہ کہلاتی ہیں جن کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہو اور جس دیکھ کر لامحالہ ایک قادر مطلق کا اقرار کرنا پڑتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے ایسی اشیاء کے وجود سے اپنے وجود پر استدلال فرمایا ہے قرآن عزیز میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ — بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے

Marfat.com

وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا
يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ
مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

میں اور رات دن کے اول بدل میں اور جہازوں
میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مال تجارت
وغیرہ) سمندروں میں لیکر چلتے ہیں اور مینہ میں جو
اللہ آسمان سے برساتا پھر اسکی ذریعہ سے
زمین کو اسکے مرے پیچھے دوبارہ زندہ کرتا ہے
اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے
زمین پر پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے
ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر پھیرنے میں
اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و
زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان
سب چیزوں میں) ان لوگوں کیلئے جو عقل
رکھتے ہیں بہترین نشانیاں موجود ہیں۔

آسمان اور جو سیارات اسمیں ہیں جیسے چاند سورج وغیرہ ان سب کا وجود قدرتی ہے ان کی پیدائش کو کسی مخلوق کا فعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مثل بنانیکا حوصلہ نہیں کرسکتی زمین ہے کہ جس سے ہر قسم کی غذائیں اور رنگ برنگ کے پھول پھل نکلتے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ ایک ٹکڑہ اس جیسی زمین کا بنادے۔ سورج ایک معین اور مضبوط نظام کے ماتحت ہمیشہ دن کو نکلتا ہے شام کو غروب ہوجاتا ہے کسی کی کیا طاقت ہے کہ اس کو ایک منٹ یا ایک سکنڈ کیلئے روک لے۔ ہوا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں انسان

Marfat.com

چاہتا ہے کہ پچھوا چلے مگر پروا چلتی ہے۔ سارا جہاں مل کر پانچ منٹ کے لئے بھی پچھوا نہیں چلا سکتا۔ پانی کے بھرے ہوئے بادل کڑکتے اور گرجتے ہوئے نکل جاتے ہیں مگر کسی کو اختیار نہیں کہ بارش حاصل کر سکے زمین و آسمان کے درمیان بادل لٹکا ہوا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ دو قطرے لے سکے اور جب برستا ہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ روک سکے۔ جب ان امور کو انسان دیکھتا ہے اور عاجز ہو جاتا ہے تو قدرت کو ماننا پڑتا ہے۔ طوفان خیز سمندر میں جہازوں کا چلنا۔ ہواؤں کا اول بدل یہ سب چیزیں کسی کے قبضہ میں نہیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

اور سورج ہے چلا جا رہا ہے اپنے ٹھکانے کیطرف یہ اندازہ ہے زبردست حکیم کا باندھا ہوا اور چاند ہے کہ مقرر کر دی ہیں ہم نے اس کی منزلیں یہاں تک کہ پھر لوٹ کر رہ جاتا ہے کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح۔ نہ تو سورج کو یہ لائق ہے کہ وہ جا پکڑے چاند کو اور نہ رات (کی مجال) ہے کہ وہ آجائے دن ختم ہونے سے پہلے اور ہر سیارہ پڑا اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔

یہ سب اس لئے ذکر کیا گیا کہ آپ سمجھ لیں کہ خدائی کام اور انسانی کاموں میں کس طرح تمیز ہوتی ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ اس جیسا کرنے سے سب مخلوق عاجز ہو ازل و ابد کے انسانوں کو بلاؤ لیکن کوئی نہ کر سکے۔ یہی استدلال

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا۔ پہلے حیات اور ممات کے متعلق سوال کیا جب اس میں مخاطب (نمرود) کی عبادت دیکھی تو فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ میرا رب ایک قاعدہ سے، ایک ضابطہ سے شمس کو چلاتا ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔

خدائی کام کی طرح خدائی کلام کو بھی سمجھنا چاہیئے

ٹھیک اسی طرح خدائی کلام وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو۔ ساری دنیا کو للکارا جائے، غیرتیں دلائی جائیں، مقابلہ کے لئے کھڑا کیا جائے اور لوگ چاہیں کہ کسی طرح یہ روشنی بجھ جائے مگر پھر بھی ویسا کلام بنا کر نہ لاسکیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خدائی کاموں کو بندوں کے کاموں سے الگ کر کے پہچان سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں بیّن اور واضح فرق ہوتا ہے۔ گلاب خدا کا بنایا ہوا ہے۔ اب تم بھی کاغذ کے پھول بناتے ہو، مگر تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑ جاتا ہے تو آپ کی صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے۔ لیکن قدرتی پھول پر پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ صفائی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

معجزہ کوئی فن نہیں

بلاشبہ خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے، خدائی کام کی

نقل بندہ اتارتا ہے لیکن عاقل کو کبھی التباس بھی نہیں ہوسکتا۔ انسان جانداروں درختوں، پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے مگر ایک مچھلی کی آنکھ ایک مکھی کا پر، ایک مچھر کی ٹانگ، بلکہ ایک جو کا دانہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا لاکھوں مجسمے، کروڑوں بیل بوٹے دنیا کے صنّاع بناتے ہیں مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے بالکل عاجز ہیں۔

لَنْ يَخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ
اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۝
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ
يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً
فَمَا فَوْقَهَا ۝

کبھی نہیں ہوسکتا کہ وہ پیدا کرلیں ایک مکھی کو اگرچہ وہ سب کام کیلئے اکٹھے ہو جائیں۔ اللہ محجوب نہیں ہوتا اس سے کہ بیان کرے مثال مچھر کی اور اس سے بھی زیادہ حقیر چیز کی۔

اسی کا نام خدائی فعل ہے اور جب ایسا فعل بدوں ان اسباب کے جو کہ اس کے تکون کے لئے متعارف ہیں کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر ظاہر ہو تو اسی کا نام معجزہ ہو جاتا ہے خواہ وہ جنس افعال سے ہو یا جنس اقوال سے اور جب کہ یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بدون تعاطی اسباب کے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت کو دخل نہ ہو سکے گا۔ پس تنجیم، کہانت مسحر، نیرنجم، سحر، شعبدہ کی طرح معجزہ کوئی فن نہیں ہے جو کہ تعلیم و تعلّم سے حاصل ہوتا ہو۔ یہ فنون سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلّم ہے نہ انبیاء کا کچھ اختیار اس میں چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ ان کو معلوم ہے کہ

Marfat.com

جب چاہیں ویسا ہی عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں۔ بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہی صورت معجزہ کی بھی ہے۔ ایسا نہیں کہ انبیاء جسوقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر سکیں۔ بلکہ جسوقت اللہ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے تو جاری ہو سکتی ہیں۔ برخلاف ان فنون کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان میں جسوقت چاہیں قواعد مقررہ اور خاص خاص اعمال کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلائے جا سکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ ممتہد ہوا۔ نہ کوئی کتاب تنجیم۔ مسمریزم کی طرح معجزات سکھلانیوالی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے اگر وہ فعل ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے بولنے والے مجبور اور درماندہ ہیں، رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں اسی واسطے انبیاء سے جب معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے اللہ پر محول کیا فرماتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى	اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اسوقت تک
تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝	تم پر ایمان لانیوالے ہیں نہیں کہ یا تو ہمارے
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ	لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو۔ یا کھجوروں
نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ	اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اسکے

Marfat.com

خلٰلها تفجیراً ۝ او تسقط
السّمآءَ کما زعمتَ علینا
کسفاً ۝ او تأتی باللّٰہِ
والملٰئکۃِ قبیلاً ۝ او
یکونَ لکَ بیتٌ من
زخرفٍ او ترقّی فی
السّمآءِ ولن نؤمنَ
لرقیّکَ حتّٰی تنزّلَ
علینا کتاباً نقرؤہٗ ط
قل سبحانَ ربّی ھل
کنتُ الّا بشراً
رّسولاً ۝

بیچ میں تم بہت سی نہریں جلدی کر دکھاؤ
یا جیسا تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے
ہم پر لا گراؤ اور خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے
لا کھڑا کرو۔ یا رہنے کیلئے تمہارا فلانی گھر ہو
یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم وہاں سے
ایک کتاب اتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اس کو پڑھ بھی
لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی باور کرنیوالے نہیں
کہدو (اے محمد صلعم) کہ میں رسول تو ہوں مگر بشر
رسول ہوں، خدا نہیں ہوں یعنی معجزہ تو بشر کا
فعل نہیں ہے۔ خدا کا فعل ہے، میرے قبضہ
میں یہ نہیں کہ جو تم چاہو تمہیں دیدوں، بلکہ جس
قدر خدا میری تصدیق کی علامات کے طور پر کافی
اور مناسب جانتا ہے ظاہر کرتا ہے۔)

معجزہ کچھ ایسے حالات کیساتھ آتا ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور معجزہ دکھلانیکے لئے عصا ڈالا اور وہ اژدہا بن گیا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں کو جمع کیا اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں لے کر پہنچ گئے وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں اسی لئے

Marfat.com

کہا۔ اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِیْنَ تم پہلے ڈالوگے یا ہم۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پھینکو۔ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں، پھینکیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی) موسیٰ اپنے دل میں ڈرے حالانکہ اگر وہ بھی پیشہ ور ساحر ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہوا، اور کیوں طاری کیا گیا یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟۔ اگر یہ کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے موسیٰؑ جیسے پیغمبر کو ان لاٹھیوں سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ اس نوعیت کے اعلیٰ خوارق کا تجربہ بھی دو مرتبہ کر چکے تھے۔ پہاڑ پر جو واقعہ القائے عصا کا ہوا تھا اس پر لَا تَخَفْ سن چکے تھے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے تھے۔ وَلّٰی مُدْبِرًا وَّ لَمْ یُعَقِّبْ اور اللہ نے وہیں ڈر اور خوف نکالدیا تھا۔

لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ — اے موسیٰ ڈرو مت یہاں انبیاءؑ ڈرا نہیں کرتے۔

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے بھی لاٹھی ڈال کر دیکھ چکے تھے۔ شیخؒ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر بشری خوف تھا جو کہ وہیں نکل چکا تھا اب جو دوسری دفعہ طاری ہوا یہ اس وجہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ہاتھ میں کوئی طاقت نہیں کوئی قدرت نہیں کہیں ساحرین کی اس شعبدہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ پست نہ ہو اور بیوقوف لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں

Marfat.com

چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا۔

لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ڈر مت تم ہی اونچے ہو کر رہو گے

یہ تو خوف کا نشانہ تھا اب اس کی حکمت فرماتے ہیں کہ جب ڈر گئے اور ڈرے ہوئے آدمی پر خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہویدا ہوتے ہیں ان کو محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ یہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں یا کم از کم اس کو کوئی ایسا ساحرانہ عمل معلوم نہیں جس سے یہ ہمارے مقابلہ میں اپنے قلب کو مطمئن رکھ سکے اب جو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا جو باذن اللہ ان تمام جادو کے سانپوں کو نگل گیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے وہ سب بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں۔ فرعون نے بہت کچھ دھمکیاں دیں اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر ان کا جواب صرف یہ تھا کہ۔

فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔ اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَا اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔

جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گزر تو اس سے زیادہ نہیں کہ صرف اسی دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے (حی لا یموت) پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں۔ تاکہ وہ ہماری خطائیں اور ان ساحرانہ حرکتوں کو معاف فرمائیے جو تم نے ہم سے زبردستی کرائیں اور اللہ سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اور جو لوگ ایسی آیات بینات کو دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے ان کا بھی

حال یہ تھا۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا

انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ظلم سے زیادتی سے حالانکہ ان کے دلوں کو سچائی کا پورا پورا یقین حاصل تھا۔

خود فرعون کو خطاب کر کے حضرت موسیٰؑ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا

تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں اتاری اور فرعون بیشک میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو اس علم کے باوجود ہلاکت میں گر چکا ہے

معجزہ میں دعویٰ نبوت کی شرط کیوں لگائی گئی

معجزہ میں دعویٰ کی شرط بھی کی گئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ بھی کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب فرقے مانتے ہیں کہ خدا سب سے زیادہ سچا ہے۔ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا اور جھوٹ کے نقص سے اس کی ذات پاک ہے تو میں کہتا ہوں کہ جھوٹ کبھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص خود خلاف واقع بات کہے اور کبھی اس طرح کہ جھوٹی بات جو دوسرے نے کہی ہے اس کی تصدیق کر دے پھر تصدیق بھی دو طرح سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی عمل سے اور یہ عملی تصدیق بسا اوقات قولی تصدیق سے بڑھ کر موثر ہوتی ہے جیسے ایک شخص بادشاہ کی مجلس میں یہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو میرے ساتھ خاص الفت یا رعایت ہے میں اس کا

Marfat.com

معتمد خاص ہوں جو میں کہوں گا بادشاہ ضرور تسلیم کرے گا اور یہ اس کے دعاوی بادشاہ مجلس میں خود سن رہا ہوں اس کے بعد وہ شخص اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے بادشاہ سے کہتا ہے کہ فلاں شخص کو خط لکھ دیجئے فلاں حاکم کو معزول کر دیجیے، فلاں امیدوار کو عہدہ دیدیجئے۔ پھر کہتا ہے کہ آپ ذرا کھڑے ہو جایئے، پھر کہتا ہے کہ آپ بیٹھ جائیے، اور بادشاہ بھی ازراہ مہربانی اپنے عام ضابطہ اور عادت کے خلاف اس کے کہنے کے موافق کرتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ بادشاہ نے اسکی قول کی عملی تصدیق کر دی جو کہ قولی تصدیق سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے، اگر بادشاہ قول سے تصدیق کرتا تو شاید اتنا موثر نہ ہوتا۔ اتنی بات اس مثال میں ضرور ہے کہ بادشاہ ایک انسان ہے۔ وہ جھوٹی تصدیق بھی کر سکتا ہے۔ مگر اللہ جل شانہ کے یہاں جھوٹ اور کذب کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

معجزہ نبوت کی فعلی تصدیق ہے

پس جو نبی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں، اگر میری بات سنو گے مانو گے تو نجات ہے ورنہ عذاب مخلد میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ نجات کا راستہ منحصر ہے میری متابعت میں۔ اور یہ دعویٰ اللہ کے سامنے کرتا ہے۔ اللہ کی زمین پر اور اس کے آسمان کے نیچے بآواز بلند کہتا ہے کہ میری متابعت کے بغیر کوئی راستہ نجات کا نہیں ہے۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اسکی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ہو گی پھر

اس کے موافق مشاہدہ بھی کیا جارہا ہو تو یہ خدا کی جانب سے عملاً اسکے دعویٰ کی تصدیق ہے درحقیقت معجزہ نبی کے دعویٰ کی عملی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اللہ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کرسکتا۔ لہذا نبی کا دعویٰ معجزہ کے ظہور کے بعد سچا ثابت ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ہم بلاخوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس جو کہ تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرکے ایسے خوارق عادات دکھلائے کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ٹھہرے جس کا جی چاہے اب بھی اس ضابطہ کا امتحان کر دیکھے۔ ضرور ہے کہ خدا ایسے حالات بروئے کار لائے گا کہ اس کی طرف سے جھوٹے کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال

آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ پر کسی تجویز پر کسی انتخاب پر بحث ہوجاتی ہے تو ایک طرف سے محرک اپنی تحریک پاس کرانے کیلئے حضار کے سامنے بسط سے دلائل بیان کرتا ہے اور دوسری طرف تردید کرنے والا اس کے تردیدی دلائل مفصلاً سامنے رکھتا ہے اس روکد کے بعد فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رائے لیجائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں اور یہی ہاتھ اٹھا دینا یا نہ اٹھانا اس ریزولیوشن کی تصدیق و تائید یا تکذیب و تردید کیلئے کافی سمجھا جاتا ہے زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی ایک شخص کی

نسبت پبلک جلسہ میں رائے لیجاتی ہے کہ آیا اس پر جمہور کو اعتماد ہے یا اس پر ہاتھ اُٹھا دیئے جاتے ہیں یہ ہی علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ان سب کی رائے اس شخص کے حق میں ہے ہم دن رات میں سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھائیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور ہیئت اصلی کے خلاف اوپر کو اٹھا دینا۔ جب کسی ریزولیوشن کی تسلیم و انکار یا کسی دعوی کی صحت و بطلان کی آزمایش کے موقعہ پر ہو تو کسی غبی سے غبی انسان کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اس وقت ان کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمار سے رایوں کا شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر منحصر ہو جاتے ہیں پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عام عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اُوپر کو اُٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولیوشن پر ووٹ لینے کے وقت اختیار کی جائے تو اس ریزولیوشن یا دعوے کی بیشک و شبہ تصدیق و تائید سمجھی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ کا جو فعل سنن طبیعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سنۃ اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرقِ عادت ہے اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعوی نبوۃ اور تجدی کے بعد اُس سے یا اُس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے جو کہ من اللہ اس کے دعوی کی فعلی تصدیق ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ حق تعالیٰ کسی

Marfat.com

جھوٹے کی قولاً یا فعلاً تصدیق نہیں کر سکتا لہذا ہم کو ایسے مدعی کے دعوے میں شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔

وحی کی تعریف اور ضرورت

اللہ تعالیٰ کا خطاب کسی ایسے شخص سے جس کے دعوے نبوّت کی تکذیب کے لئے کوئی صحیح علامت نہ پائی جاتی ہو اس کا نام وحی ہے، وحی اصولی طور پر قریب قریب یکساں ہے یعنی نفس فعل میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کلی مشکک کے طور پر وحی کے مراتب اور درجات ہیں جب سے دنیا پیدا کیگئی اس وقت سے بندوں کو ہدایت کی ضرورت ہے یعنی انسان میں یہ معلوم کرنے کی ایک طبعی اور فطری خواہش ہے کہ کن خیالات اور اعمال سے اس کو اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے جیسے کہ انسان کو بھوک لگتی ہے غذا کی خواہش میں مضطرب اور بیتاب ہو کر انتڑیاں سکڑنے لگتی ہیں۔ پیاس لگتی ہے۔ پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے زبان سوکھ جاتی ہے جس طرح حق تعالیٰ نے فطری طور پر بندہ کو بھوک یا پیاس لگائی اسی طرح ایک اور بھوک اور پیاس روحانی بھی لگا دی ہے جو وصول الی اللہ اور معرفت کی ہے اور یہ پیاس اور بھوک بھی فطری ہے مذاہب اور امکنہ وازمنہ کا اختلاف اس فطرۃ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا مسلمان آریہ، ہندو، عیسائی، یہود، مجوس ایک چیز کی تلاش میں ہیں البتہ بعضوں کا راستہ غلط ہے مگر مقصد ایک ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کی خواہش، سچائی کی تلاش، وصول الی اللہ، معرفت ربّانی اور اللہ سے نزدیک

Marfat.com

ہونے کی تمنا ایک چیز ہے جو کہ انسان کے لئے فطری اور طبعی امور میں سے ہے۔

وحی کی ضرورت سے انکار کرنیوالوں کی مثال

ہاں جب کبھی جیسا کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو بھوک پیاس جیسے فطری اور طبعی امور بھی اس سے کنارہ کر لیتے ہیں ٹھیک اسی طرح وُہ ملاحدہ جو کہ دنیا کی زندگی اور لذات میں محو ہو چکے ہیں شاید اُن کو معرفت الٰہی کی بھوک اور روحانی پیاس نہیں رہتی ہے اور اسی لئے ایسے روحانی بیماروں کا وجود کسی خاص زمانہ یا مکان میں ایسی وبا کی کثرت ہماری فطری ہونیکے دعوی کو مخدوش نہیں کر سکتی۔

وحی کیطرف انسان کی احتیاج ضروری ہے

پس جس طرح حق تعالیٰ نے ہمارے جسمانی امور فطریہ کا انتظام کیا ہے۔ ہماری بھوک کیلئے غلہ زمین سے اُگاتا ہے۔ پانی آسمان سے اُتارتا ہے ناممکن ہے کہ ہماری روحانی بھوک کیلئے کوئی انتظام نہ کرے بلکہ اُس کی رحمت کاملہ سے یقین ہے کہ جس طرح مادی حوائج وضروریات کے لئے مادی سامان مہیا فرماتا ہے اُس سے زائد روحانی ضرورت کیلئے روحانی سامان ضرور مہیا کریگا۔ ظاہری پیاس کے بجھانے کیلئے جس طرح اُس نے پانی کے چشمے پیدا کئے ہیں۔ اسی طرح روحانی پیاس کے لئے روحانی چشمے ہونے چاہئیں اور وہ چشمے وحی الٰہی کے صاف اور شیریں چشمے ہیں اور اس بات کو آریہ سماج بھی مانتے ہیں اتنا فرق ہے کہ وُہ کہتے ہیں کہ جو کچھ سامان کرنا تھا وہ ابتدائے آفرینش ہی میں کیا جا

Marfat.com

چکا ہے پھر بار بار اس میں تغیر و تبدیل یا تجدید اور تدریج کی ضرورت نہیں۔

نزولِ وحی میں تدریج

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت تکوینیات میں یہ ہے کہ وہ اگرچہ تمام اشیاء کو دفعۃً پیدا کرنے پر قادر ہے بتدریج ہی پیدا کرتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

اور کوئی چیز کیوں نہ ہو اُس کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم اس کو اتارتے ہیں۔ ایک معین اور بھی تلی مقدار میں۔

ہر چیز کو دفعۃً پیدا کرنا خدا کے لئے کچھ مشکل نہ تھا مگر ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ درخت کا بیج ڈالو تو بتدریج ایک عرصہ کے بعد درخت بن جائیگا۔ زوجین کا قربان ہوتا ہے مہینے گذرتے ہیں، مختلف اطوار و ادوار ہیں۔ بہت سے چکر ہیں تب بچہ بنتا ہے گو بیکدم بنانے پر قادر تھا۔ جس طرح تمام حیوانات کو پیدا کیا بعد بیکدم بناتا ہے اور اس کو اسمیں تکان بھی نہ ہوتا لیکن عادت برخلاف ہے اب اگر کہو گے کہ یہ عادت کیوں ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ مادہ میں استعداد ہی ایسی ہے پھر اگر کہو گے کہ ایسی استعداد کیوں ہے اس کا جواب گذر چکا ہے کہ ہر جگہ "کیوں" نہیں پوچھا جا سکتا بلکہ آخر میں ایک موحد یہی کہے گا کہ اللہ کے علم محیط میں یہی قرین مصلحت تھا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی عادت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بہت سی اشیاء کو بتدریج بناتا ہے اور جن اشیاء کی نسبت ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ شاید دفعۃً پیدا ہو گئی ہوں جیسے چاند، سورج،

ستارے وغیرہ ان میں بھی باعتبار فیض رسانی اور دوسری اشیاء سے تعلق رکھنے کے تدریج اور تغیر و تجدید مشاہد ہے پس ہمارا خیال یہ ہے کہ جس طرح وقتاً فوقتاً ضرورت پیش آنے پر اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا رہتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش ہمیشہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے پھر ضروری نہیں کہ ہر ایک بارش یکساں زمانہ تک کفایت کر سکے کبھی دو چار دس دن کے لئے روک تھام ہو جاتی ہے کبھی اتنی بارش ہوتی ہے کہ کئی ماہ تک ضرورت نہیں رہتی ٹھیک اسی طرح اقوام عالم کی ارواح و قلوب کی کھیتوں کو اُبھارنے اور سرسبز کرنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ وحی و الہام کی بارش حسب ضروریات زمانہ اور حسب استعداد قلوب مختلف زمانوں میں کرتا رہا ہے کبھی تو وحی الٰہی کی بارش ایسے زور و شور کی ہوئی کہ قرنوں تک اس کی تری زمین سے نہ گئی اور کبھی تھوڑا سا ترشح کافی سمجھا گیا فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ۔ اسی طرح لگاتار چھوٹی بڑی بارشیں مختلف اقوام و ممالک پر ہوتی رہیں اور ہر ایک نے چھوٹی یا بڑی میعاد تک زمین والوں کی روحانی کھیتیوں کو سیراب کیا آخر ایک وقت آیا کہ خدا کی ساری زمین خشک اور پیاسی ہو گئی، ہدایت کے چشمے سوکھ گئے، چاروں طرف آگ برسنے لگی، بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی آندھیوں اور لُو نے تمام روحانی کھیتیوں کو جھلس ڈالا۔ اُس وقت بطحا کے پہاڑوں سے ایک گھٹا اُٹھی جو آخر کار ساری دنیا پر چھا گئی اور وحی الٰہی کی وہ موسلا دھار اور عالمگیر بارش ہوئی جس نے ایک مدت مدید تک دوسری بارش کی کوئی ضرورت باقی نہ چھوڑی جبتک اس بارش کا کافی اثر باقی رہے گا۔ دوسری بارش نہ آئے گی۔ اسی

Marfat.com

بارش کے پانی سے جو بڑے بڑے تالابوں اور نہروں میں جمع ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً زمینوں کی آبپاشی ہوتی رہے گی۔ اور جب یہ پانی تمام ہو جائے گا۔ تو مخبر صادق کی خبر کے موافق یہ دنیا بھی ایک آخری سنبھالا لیکر داعی اجل کو لبیک کہے گی۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ	یا (ان منافقوں کا ایسا حال ہے) جیسے آسمانی بارش
وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ	کہ اس میں (کئی طرح کے اندھیرے ہیں اور گرج
فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ	اور بجلی موت کے ڈر سے مارے کڑک کے اپنی
الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝	انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، اور
وفی الحدیث قال رسول اللّٰه	اللہ منکروں کو گھیرے ہوئے ہے (کہ اس کی
صلی اللّٰه علیه وسلم مثل ما بعثنی	پکڑ سے کہیں نہیں نکل سکتے) رسول اللہ صلی اللہ
اللّٰه بهن الهدی والعلم کمثل	علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہدایت اور علم دے کر
الغیث الکثیر اصاب ارضا فکانت	مجھ کو خدا نے بھیجا ہے وہ ایک موسلا دھار بارش
منها طائفة طیبة قبلت الماء	کی طرح ہے (جو خدا کی) زمین پر برسی پھر زمین
فانبتت الکلاء والعشب الکثیر	کا ایک عمدہ (سیر حاصل) قطعہ تھا۔ جس نے بارش
وکانت منها اجادب امسکت الماء	کے پانی کو قبول کر کے گھاس اور سبزہ اگایا۔
فنفع اللّٰه بها الناس فشربوا و	اور دوسرا قطعہ تھا (جہاں پیداوار کچھ کم نہیں
سقوا وزرعوا واصاب منها	ہوئی لیکن) اس نے پانی کو اپنے اندر روکے
طائفة اخری انما هی قیعان	رکھا جس سے لوگ منتفع ہوئے اور انہوں نے
لا تمسك ماء ولا تنبت کلأ	خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کھیتوں کو

Marfat.com

فذلك مثل من فقه فی دین اللّٰه ونفعه ما بعثنی اللّٰه به فعلم وعلم ومثل ومن لم یرفع بذلك راسا ولم یقبل هدی اللّٰه الذی ارسلت به (متفق علیہ)

سیراب کیا (ان دونوں کے سوا) زمین کے ایک ایسے حصہ پر بھی بارش کا پانی پہنچا جو چٹیل اور شور تھی کہ نہ تو وہاں پانی رُکتا ہے اور نہ گھاس اور سبزہ اگتا ہے تو سمجھ لو کہ پہلی مثال ہے اُس شخص کی جس نے دین کی سمجھ حاصل کی اور جو چیز خدا نے مجھ کو دی تھی اُس نے اس کو نفع پہنچایا، اُس نے خود بھی وہ علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور آخری مثال ہے اُس کی جس نے اس ہادی کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا بھی نہیں اور نہ اس ہدایت کو قبول کیا جسے دے کر میں بھیجا گیا تھا۔

وحی کا تدریجی اور غیر تدریجی ہونا امکان میں داخل ہیں لیکن تدریجی ہونا عادت الٰہی کے موافق ہے

پہلے گذر چکا ہے کہ وحی اور الہام کی دو صورتیں ممکن ہیں یا تدریج ہو، یا دفعۃً پس ہمارے اصول کے موافق جب عدم محض سے دنیا کو پیدا کیا گیا اور آریوں کے نزدیک جب پرلے کے بعد دنیا موجود ہوئی اسی وقت سے آدمیوں کو الہام اور وحی کی ضرورت ہونی چاہیئے اس لئے کہ اُن کو اب زندگی بسر کرنی ہے اور معاش اور معاد کی درستی کے اسباب بہم پہنچانے میں جو بجز ایک ملہمانہ تعلیم کے متصور نہیں معرفت الٰہی کی روحانی پیاس جو ایک فطری امر ہے اور اپنے رب اور مالک حقیقی کو خوش رکھنے کی تمنا جس کا بیج بھی آدم کے قلوب میں ازل سے بکھیر دیا گیا ہے شروع ہی سے ایک ایسے صاف، شیریں اور روح پرور چشمہ کی تلاش میں ہے

جو تشنگان رضاء مولیٰ کو سیراب اور ان کی روحانی کھیتیوں کو سرسبز شاداب کر سکے چنانچہ حق جل وعلا کی حکیمانہ رافت و رحمت ملاحظہ ہو کہ زمین کے آباد کرنے والے نے ابھی تک زمین پر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ پروردگار حقیقی نے اسے تمام ضروری چیزوں سے نام بنام واقف کر دیا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا — اور آدمؑ کو سب (چیزوں کے) نام بتا دیئے۔

بلاشبہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بڑے تعجب کی بات تھی۔ جس خدائے رحمٰن نے ہماری پیدائش سے پیشتر ہماری مادی حوائج کا کافی انتظام کر دیا، زمین پیدا کی جس پر ہم کو بسنا اور کاروبار کرنا تھا اور اس کو ہر طرح کی غذاؤں اور اسباب زندگی کا ایک گودام بنا دیا چشمے اور دریا جاری کر دیئے، کنوؤں میں پانی کا ذخیرہ محفوظ کر دیا زندہ رہنے اور سانس لینے کے لئے تمام فضا میں ہوا پھیلا دی۔ آسمان کی مضبوط چھت میں کیسے درخشاں اور آنکھوں کی ذخیرہ کرنیوالی قندیلیں روشن کر دیں غرض علویات اور سفلیات کا ایسا نظام قائم کیا کہ اس خاک کے پتلہ کو اپنی ضروریات میں اس سے نفع اٹھانا آسان ہو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ ایسا مہربان خدا ہماری روحی اور باطنی ضروریات کی طرف توجہ نہ فرماتا۔ اس نے ابتداء آفرینش سے ہی ہدایت کے چشمے جاری کئے، وحی اور الہام کی بارشیں وقتاً فوقتاً برسائیں اور جس جس وقت جس جس طرح اُس کے علم ازلی میں مناسب تھا روحانی زندگی کے سامان مہیا فرمائے پس اگر مختلف زمانوں میں مادی غذا کی تیاری کے لئے مختلف طرح کی بارشوں اور بادلوں کے اول بدل پر ہم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے تو ہم کو اس کا بھی کچھ حق نہیں پہنچتا کہ ہم بہت سے انبیاء

Marfat.com

مرسلین اور اُن کی شرائع کے ارسال و انزال پر کسی طرح کی حرف گیری کر سکیں۔ متعدد شرائع کے نزول میں جو تدریج و تغیر مرعی ہوتی ہے وہ شخص اکبر (عالم) کے حق میں اس سے زاید نہیں کہ ایک طبیب کسی بیمار کو کئی دن تک منضج پلانے کے بعد مسہل دینے لگے یا تنقیہ خاص کے بعد تنقیہ عام کا مشورہ دے کوئی عقلمند بھی اس وقت یہ نہ کہے گا کہ طبیب کے منضج پلانے میں کچھ غلطی یا بھول چوک ہو گئی تھی جس کی تلافی اس نے مسہل کے نسخہ سے کی ہے حقیقت یہ ہے کہ طبیب دانا مریض کی ہر ایک حالت کے مناسب دوا تجویز کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ وہ حکیم و علیم خدا بھی عالم کے مزاج اور تغیر احوال و عوارض کی رعایت سے کبھی جلد جلد اور کبھی بدیر اُس کے حالات کے مناسب نسخہ بدلتا رہتا ہے اور بعض اوقات کسی نسخہ کا استعمال بہت دیر تک قائم رکھتا ہے کیونکہ مریض کے حالات کا تغیر اس نسخہ کے اجزاء پر کوئی اثر نہیں ڈالتا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں سوال امکان اور قدرت کا نہیں، بلکہ عادت الٰہی کا ہے اور یہ پہلے گذارش کیا جا چکا ہے کہ عادت سے اسکے خلاف قدرت رکھنے کی نفی نہیں ہوتی وحی کے مراتب کی تدریج اور تفاوت کو آپ ایک اور مثال سے بھی سمجھ سکتی ہیں۔ پہلے یہ سمجھ لیجیئے کہ جس طرح انسان کی ظاہری آنکھ مبصرات کے دائرہ میں اس وقت اپنا فعل کر سکتی ہے جب کہ اس کے اندر نور بصارت موجود ہو اور مبصر (یعنی جس چیز کو دیکھنا ہے) وہ بھی کسی قسم کی خارجی روشنی کے احاطہ میں ہو اگر اندرونی اور بیرونی روشنیوں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو جائے تو آنکھ کے لئے دیکھنا ناممکن ہے ٹھیک اسی طرح

Marfat.com

غیبیات اور امور معاد کا سمجھنا بھی دو روشنیوں پر موقوف ہے۔ ایک اندرونی جو عقل کی روشنی ہے دوسری بیرونی جس کو وحی کی روشنی سے تعبیر کیا جاتا ہے گویا عقل انسانی نہ تو بیکار ہی ہے اور نہ وحی سے مستغنی ہو سکتی ہے اس کے بعد لیل و نہار کے نظام پر غور کیجئے کہ سب میں جوں جوں تاریکی بڑھتی چلی جاتی ہے تو ستاروں کی چمک میں بھی تیزی آتی جاتی ہے تاریک کمروں میں لالٹین چراغ وغیرہ سے روشنی کا سامان کیا جاتا ہے جن کو قدرت کے فیض نے تاریک اوقات میں دنیا کے کاروبار جاری رہنے کے لئے میسّر کر دیا ہے ستاروں سے جہازوں سے چلنے چلانے میں مدد ملتی ہے اور خشکی اور تری میں لوگ ان کے ذریعہ سے وقت اور سمت کی تعیین کرتے ہیں۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ اور لوگ ستاروں سے بھی راہ معلوم کرتے ہیں۔

گیس کے ہنڈوں اور بجلی کے قمقموں سے لوگوں کا کاروبار چلتا ہے جب صبح ہوتی ہے اور سورج نکلتا ہے تو تمام مختلف روشنی کے سامان نابود ہو کر ہزاروں آلات روشنی کے بجائے تنہا ایک روشنی سورج کی کام دیتی ہے قدرت یہ بھی کر سکتی تھی کہ سورج کو ہمارے سر پر ہمیشہ کھڑا رکھتی مگر ایسا نہ کیا جس کی مصالح اور حکمتوں کا احصار خدا ہی کر سکتا ہے بہرحال اس سے اس قدر ضرور معلوم ہوا کہ ظاہری نور (روشنی) متدرّج اور متفاوت ہو سکتی ہے اور اس تدریج اور تفاوت کے باوجود ایک ایسا مرتبہ بھی آسکتا ہے جو تمام مدارج کو ختم کر کے صرف ایک ہی درجہ کو باقی رکھے جو کہ اپنے مستفیدین کو سب ستاروں اور چراغوں کی روشنی سے مستغنی کر دے اور سب چھوٹی بڑی روشنیاں اُسی ایک روشنی میں محو اور

Marfat.com

مدغم ہو جائیں پس اگر وحانی نور یعنی وحی اور الہام خداوندی میں بھی تدریج ہو اور آخر میں اُس کا ایک درجہ ایسا بھی آجائے جس کے بعد کوئی درجہ باقی نہ رہے تو اس میں کیا تعجب ہے حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جنمیں سے ایک یہ ہے کہ ہر ایک نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ لیکن میں تمام آدمیوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔

وحی میں باوجود اصولی اتفاق کے فروعی تفاوت

یہ بات فراموش نہ کیجائے کہ تمام انبیاء کے پاس اصول کے اعتبار سے ایک ہی چیز ہوتی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔

(لوگو) اس نے تمہارے دین کا وہی رستہ ٹھہرایا ہے جس (پر چلنے) کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے پیغمبرؐ) تمہاری طرف (بھی) ہم نے اسی راستہ کی وحی کی ہے اور اس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو (بھی) حکم دیا تھا کہ (سب) اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

البتہ مختلف انبیاء اور ان کی شرائع میں اصول کو بحالہا قائم رکھتے ہوئے ازمنہ اور امکنہ اور امور جزئیہ کے اختلاف سے زوائد کا خفیف سا تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اس کو یوں سمجھو کہ انسانوں کی عام غذا ہمیشہ ایک قسم کی ہے مثلاً روٹی یا چاول اور پانی لیکن زوائد اور فروع میں باعتبار اوقات و مواسم تغیر و تبدل کرتے رہتے

Marfat.com

ہیں مثلاً جاڑے میں سوہن حلوہ، گاجر اور انڈوں کا حلوا، اور گرمی میں فیرنی فالودہ وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی اصول کے اتفاق اور زائد کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ابوھم واحد وامھاتھم شتی یعنی انبیاء کرام کی مثال ان بھائیو کی طرح ہے جن کا باپ ایک والدہ مختلف ہوں۔

خاص خطاب کے بعد وحی کا عالمگیر خطاب

یعنی

نبوت خاصہ کے بعد نبوت عامہ

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ مختلف اقوام کی طرف مختلف نبی اور نذیر ہدایت کے لئے آئے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ — اور کوئی امت ایسی نہیں (ہوئی) کہ اس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔

جو مختلف زمانوں میں اپنے منصب کے موافق رہنمائی کا فرض ادا کر کے چلے گئے ان سب کے بعد ایک ہادی اعظم اور منذر عام آیا جو کہ تمام مخلوق کے لئے ہادی ہے۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا — تاکہ تمام جہان کے (لوگوں کے) لئے (عذاب خدا) سے ڈرنے والا نہ گذرا ہو۔

پس ضروری تھا کہ ایسے منذر عام کے پاس ایسی کتاب ہو جو کہ تمام لوگوں

Marfat.com

کی ہدایت اور عام اقوام کی رہبری کے لئے ابدی طور پر ضامن اور متکفل ہو جائے۔ اس سے پہلے مفصلاً گذر چکا ہے کہ خدائی کلام کو کہ ہم خدائی کام کیطرح پہچان سکتے ہیں۔

قرآن اور اس کی جامعیّت

آؤ! اس منذرِ عام کی اس کتاب کو دیکھیں جو قرآن کے نام سے معروف ہے کہ آیا وُہ خدا کا کلام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جب تم اس کی تفتیش کروگے تو تم کو اس کو کتاب میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن و معاشرت، اصول حکومت و سیاست، ترقی روحانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیہ، نفوس، تنویرِ قلوب غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم و رفاہیت خلائق کے وہ تمام قواعد و سامان موجود نظر آئیں گے جن سے کہ افرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم و حکم کا تکفل کرنے کے ساتھ جن کے بغیر مخلوق اور خالق کا تعلق صحیح طور پر قائم نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے حقوق کو پہچان سکتی ہے۔ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، جامع و موثر اور دلربا طرزِ بیان، دریا کا سا تموج اور روانی، سہل ممتنع سلاست اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت و حلاوت اور شہنشاہانہ شان و شکوۃ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑی بلند آہنگی سے سارے جہاں کو مقابلہ کا چیلنج دیدیا ہے جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آرائی غیب کی نقاب الٹی اور آدم کی اولاد کو اپنے سے روشناس کیا اس کا برابر یہی دعوے رہا کہ میں

Marfat.com

خدائے قدوس کا کلام ہوں اور جسطرح خدا کی زمین جیسی زمین اور خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازش کریں گے، مگر گانٹھیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مرینگے، اپنی مدد کے لئے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے، کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اُٹھا نہ رکھیں گے، اپنے آپ کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے نقصانات اور مصائب و دواہی کا تحمل اُن کے لئے ممکن ہوگا مگر قرآن کی ایک چھوٹی سی سورۃ کا مثل بنالانا ممکن نہ ہوگا۔

نبی اُمی اور اسکا اعجاز قرآنی

پھر طرفہ یہ ہے کہ جو ہادی اس کتاب کو لایا اس نے نہ کسی درس گاہ میں تعلیم پائی نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا، نہ کسی استاذ اور معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور نہ اس کے گرد و پیش ایسے بیش بہا تعلیمات کا کوئی مواد موجود تھا بلکہ اس کی اور اس کی قوم کی وہ حالت تھی جس کو قرآن نے یوں ادا کیا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	وہ (خدا) ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ	ان میں سے (محمد کو) پیغمبر بنا کر بھیجا (کہ وہ) ان کو
وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ	خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ان کو (کفر و
الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ	شرک کی گندگی سے) پاک صاف کرے اور ان کو

Marfat.com

لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ کتاب (الٰہی) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے ہیں ورنہ (اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا) تھے۔

نہ صرف یہ کہ قرآن نے اس کے اُمی ہونے کا اشارہ کیا بلکہ اُمی کا وصف اس کے لئے بمنزلہ ایک ممتاز لقب کے استعمال فرمایا، جس جگہ یہ فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ۔ (ان سے ہماری مراد اس زمانہ کے وہ اہل کتاب تھے) جو (ہمارے ان) رسول نبی امی (محمد کی پیروی کرتے ہیں جن کی بشارت) کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور ایک موقع پر آپ کی نوشت وخواند کے متعلق ان لوگوں کے مجمع میں جن سے آپ کی چہل سالہ طویل زندگی کا کوئی ممتد واقعہ خصوصاً کہ وہ جس میں احتیاط غیروں کی ہو مستور نہ رہ سکتا تھا، صاف صاف اعلان کر دیا گیا۔

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ نہ تو تم قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بیشک باطل پرستوں کو کچھ شک وشبہ کی گنجائش ہوتی۔

یہی نہیں کہ آپ رسمی نوشت وخواند سے بالکل الگ تھلگ رہے، بلکہ جو چیز بڑے سے بڑے متعصب معاند کو بھی محو حیرت بنا دینے والی ہے وہ یہ ہے کہ آپ باوجود عرب کے نہایت ہی واجب التعظیم معزز وممتاز خاندان میں سے ہونے کے اس فن شاعری سے بھی ناآشنا رہے جس میں اس سرزمین کے بچے

Marfat.com

اور چھوکریاں بھی طبعی سلیقہ کے موافق یدِ طولیٰ رکھتی تھیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایسے ملک کا جہاں کی زمین نباتات کی طرح شاعروں کو اگاتی تھی ایسا مایۂ ناز فرزند شعر گوئی سے کوئی علاقہ نہ رکھے؟ ایک شعر بھی اس کا عرب کے دواوین میں موجود نہ ہو، کسی مشاعرہ میں ایک قصیدہ بھی اس نے نہ پڑھا ہو جو یہی گمان کر لیا جائے کہ شاعری سے ترقی کرتے کرتے شاید وحی و الہام کا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ — اور ہم نے ان (پیغمبر محمدؐ) کو شاعری نہیں سکھائی اور شاعری ان (کی شان کے) لائق بھی نہیں۔

پھر لائے تو پورے چالیس کے بعد ایک ایسا کلام لائے جو نہ قصیدہ ہے نہ غزل ہے نہ مرثیہ ہے نہ اس رنگ ڈھنگ کا کوئی کلام اُن کے یہاں موجود ہے نہ اس طرح کی کوئی تصنیف وہاں پائی جاتی ہے۔ بلکہ وُہ آفتاب کی طرح مکانوں کو نہیں دلوں کو روشن کرنے والا کلام ہے وہ حکمت ہے، علم ہے، شفا ہے، برہان ہے، نُور ہے، قانونِ ہدایت ہے خلاصہ یہ کہ خدا کے علم سے روشن کی ہُوئی مشعل ہے جسے نہ کوئی ہوا کا جھونکا گل کر سکتا ہے نہ کوئی آندھی بجھا سکتی دنیا کے فصحا و بلغا نے اس اُمی کی لائی ہوئی کتاب کے سامنے سپر ڈال دی۔ بڑے بڑے شاعر ایسے بہک گئے کہ جس آدمی نے مدۃ العمر ایک شعر نہیں کہا تھا محض کلام سنکر اسے شاعر بتلانے لگے اس کا خارق عادت دیکھ کر سحر سے تعبیر کیا اور یہی چیز ان کے زعم میں تمام فوق العادۃ کارناموں کی حد تھی۔ اور بعض ان میں سے قرآن کی فصاحت کو سجدہ کرنے لگے قرآن کے علوم و قوانین نے ساری

Marfat.com

دنیا کے قانون روی کر دیئے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ حکمتوں اور تمدنوں کو پسپا کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور آخر کار اُمیوں کی جماعت کو دنیا کے مدعیان حکمت و تہذیب کا معلم بنا دیا۔

آپ کا اُمی ہونا تاریخ کی اجلی بدیہات میں سے ہے

کیا آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کوئی شخص یہ جرأت بلکہ حماقت کریگا کہ آنحضرت صلعم کے اُمی ہونے کو یہ کہہ کر جھٹلانے لگے کہ شاید آپ نے بھی دنیا کے دوسرے مصنفین کی طرح مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھی ہوں گی کسی میانجی کے پاس بیٹھے ہونگے کوئی کتب خانہ آپ کے مکان میں چھپا ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ وہ آیات جن میں آپ کا اُمی ہونا بیان کیا گیا ہے، ایسی قوم کو سالہا سال تک شب و روز سنائی جاتی رہیں جن کی گودوں میں آپ بچپن سے پلے تھے اور آپ کی عمر کا کوئی معتد بہ عرصہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھا۔ لیکن ایسی شدید عداوت اور غیض و غضب اور آپ کی تکذیب و تردید پر اسقدر حریص ہونے کے باوجود کسی ایک آدمی نے بھی یہ شہادت نہ دی کہ آپ نے فلاں مدرسہ میں تعلیم پائی ہے یا فلاں استاذ کی خدمت اور ملازمت میں آپ اپنی مدت تک رہے ہیں۔ اگر کوئی آواز بھی ایسی اُٹھی ہوتی تو ضرور آج تاریخ میں اس کا کچھ نشان ملتا۔ تاریخ کے صفحات جس طرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھلے ہوئے تھے اس سے زائد آپ کے دشمنوں اور بدنام کرنے والوں کیلئے کشادہ تھے بلکہ آغاز اسلام میں جب کہ چند مظلوم اشخاص کے سوا کوئی بھی حضرت (محمد) صلعم کا کلمہ پڑھنے والا نہ تھا اور کفر و باطل کی ساری شیطانی طاقتیں آپ کے

Marfat.com

نام ونشان کو صفحۂ ہستی سے معاذ اللہ مٹا دینے میں مشغول تھیں ان کے لئے ایسا پروپیگنڈا پھیلانے کا بڑا وسیع میدان موجود تھا اور وہ بخوبی اس کی اشاعت اطراف واکناف میں کر سکتے تھے کہ محمد (صلعم) معاذ اللہ اپنے امی ثابت کرنیکے دعویٰ میں جھوٹے ہیں انہوں نے فلاں کالج میں یا فلاں پروفیسر سے اتنے زمانہ تک رسمی تعلیم پائی ہے پس جب کہ چودہ سو برس کی تاریخ کوئی ایسا بیان پیش کرنے سے خاموش ہے تو تاریخ کی عزت پر یہ ایک بڑا ہی ناپاک اور کینہ حملہ ہوگا کہ تعصب کے جوش میں محض اپنے توہمات کی بنا پر تاریخ کو جھوٹا ثابت کیا جائے اگر اسکندر رومی کی فاتحانہ ملک گیری۔ انوشیرواں کی عدل گستری، رستم کی شہرۂ آفاق طاقت وشجاعت، حاتم طائی کی سخاوت اور فیاضی کی تردید کر دی جائے تو غالباً تاریخ وروایت کا فن اسقدر بے اعتبار نہ ہوگا جتنا کہ نبی عربی صلعم کے اُمی ہونیکی نفی سے ناقابلِ اعتبار ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ یہ ایسا واقعہ ہے جس کا تواتر قرآن کے تواتر کی برابر ہے اس کا انکار صرف اس صورت میں ممکن ہوگا کہ ایک آدمی یہ ہی دعوےٰ کر بیٹھے کہ محمد صلعم نامی کوئی انسان عرب میں پیدا ہی نہیں ہوئے۔ نہ انہوں نے یہ قرآن پڑھ کر لوگوں کو سنایا نہ دعویٰ پیغمبری کیا تو کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ محض قرآن یا حامل قرآن کی عداوت کے جوش میں گذشتہ تمام مشہور ومتواتر واقعات کو بھی جھٹلانے لگیں جس کا خمیازہ نہ صرف مذہب اسلام کو بلکہ دنیا کے تمام مذہبوں اور قوموں خصوصاً اس مذہب کو اٹھانا پڑے گا جس کا وجود تاریخی زمانہ سے بھی بہت پہلے کا بتلایا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص قرآن کی ضد میں اس درجہ جہالت پر اتر آئے گا کہ وہ نزولِ قرآن سے

Marfat.com

پہلے نبی اُمی کا تعلیم یافتہ ہونا ثابت کرے حالانکہ وہ مشہور ضدی اور متمرد افراد بھی جنہوں نے کوئی امکانی صورت تکذیب قرآن کی اُٹھا نہ رکھی تھی، تنگ اور کھسیانے ہو کر اس سے زائد نہ کہہ سکے کہ انما یعلمہ بشر (کوئی آدمی ان کو سکھلاتا ہے) ایسا کوئی حوالہ بھی نہ دے سکے جس سے چالیس سال کی عمر تک ایکدن کیلئے بھی آپ کا کسی سے تعلیم پانا ثابت ہوتا بلکہ خود ان کا یہی قول اس کی دلیل ہے کہ رسول خدا صلعم کے امی ہونیکو وہ ایسی ناقابل انکار ہدایت سمجھتے تھے کہ قرآن کے علوم و معارف کو آپ کے گذشتہ مشہور و معروف امیتہ سے تطبیق دینا ان کیلئے ممکن نہ تھا اس لئے وہ آپ کی جگہ کسی غیر معلوم بشر کو جو تعلیمیافتہ ہو اس قرآن کا اصل مصنف قرار دیتے تھے اس وقت شاید ان کو یہ خیال نہ رہا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھانیوالا بھی کوئی بشر ہی ہے تو کسی بشر کا مقابلہ کرتے اور اس کے کلام کا مثل لانے سے سارے جہانکی بشری اور غیر بشری طاقت عاجز نہیں رہ سکتی۔ بے شک قرآن حضرت محمد صلعم کا کلام نہیں ہے اور نہ آپ کے پاس ایسی کتاب تیار کر لینے کا کوئی طبعی سامان موجود تھا اور یہ بھی درست ہے کہ یہ قرآن ضرور آپ کو کسی اور نے پڑھایا ہے لیکن وہ پڑھانیوالا بشر نہیں تھا بلکہ وہ رب کریم تھا جو لایعقل نطفہ اور منجمد خون کو صاحب عقل و شعور انسان بنا دیتا ہے۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔

پڑھو (اے محمد صلعم) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔

وہ جس طرح اپنی ذات و صفات میں اور اپنے کام میں بےمثیل اور یکتا ہے اسی

Marfat.com

طرح اپنے کلام میں بھی بے نظیر و بے ہمتا ہے۔ مخلوق جس طرح اس کے کام کا معارضہ کرنے سے مجبور ہے۔ قرآن کے لانیوالے نے بڑے زور سے تحدی کی، ہر طرح لوگوں کو اس کلام کا مثل لانے کیلئے ابھارا، غیرتیں دلائیں، مقابلہ کیلئے بیدار کیا، جنجھوڑ جنجھوڑ کر اُٹھایا، اور ایک ذراسی بات پر جو ان کے زعم میں بہت ہی آسان اور سہل الحصول ہونا چاہیئے تھی، اپنے کل دعاوی کے جھوٹ اور سچ ہونیکا فیصلہ چھوڑ دیا، لیکن مقابلہ کرنیوالوں نے لڑائیاں لڑیں، حاملین قرآن کے مٹانے اور تباہ کرنے کی سازشیں کیں۔ ان کے ذلیل اور رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا، تاہم یہ حوصلہ کسی کو نہ ہوسکا کہ قرآن کی کسی چھوٹی سی سورۃ کے جواب میں چند جملے بنا کر قرآن کے عظیم الشان دعویٰ کو غلط یا پست کر دیتا (العیاذ باللہ)

قرآن نے کس طرح لوگوں کو عاجز کیا

جیسے ہم خدائی کاموں کو مصنوعات عالم میں غور کرکے بآسانی پہچان لیتے ہیں اسی طرح خدا کے کلام کے مقابلہ میں بہت سے شعرا کے کلاموں اور دنیا کے بڑے بڑے بولنے والوں کے نتائج افکار کو، ان کے شستہ و مہذب بیانوں کو، غلغلہ انداز خطبوں کو، معرکۃ الآرا لکچروں کو، عرق ریزی سے لکھی ہوئی تالیفات کو، ادبی اور علمی مصنفات کو سامنے رکھ کر ہم آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ یہ خدائی کلام ہے آدمیوں کا کلام نہیں پس جس کلام کے متعلق یہ دعویٰ ہمارے سامنے آتا ہے کہ خدائی کلام ہے اس میں ہم کو امور ذیل پر غور کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

خدائی کلام کے پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے

(۱) مدعی نبوت جس کی زبان سے یہ ہم تک پہنچا اس کی کیسی حالت ہے؟ (۲) اس کی تعلیم کیسی ہے؟ (۳) کیا اس جیسا آدمی ایسا کلام بول سکتا ہے؟ (۴) کیا اس کے پاس ایسا سامان موجود ہے جس سے وہ ایسے بلیغ علوم و مضامین ادا کر سکے؟ (۵) کیا حجاز میں کوئی علمی سامان موجود تھا؟

کیا قرآن اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے

پہلے سوال کے متعلق قرآن کے لانیوالے کی حالت جب ہم دیکھتے ہیں تو وہ ایک دیانتدار شریف النسب مگر ایک یتیم بچہ ہے۔ جس کے سر پر نہ باپ نے سایہ کیا نہ زیادہ دنوں تک آغوش مادری کی راحت اٹھائی، نہ اس کے پاس کوئی ثروت ہے نہ دولت، نہ اس کا گھرانہ کوئی علمی یا صنعتی گھرانہ ہے نہ اس کے پاس لڑکپن کے زمانہ یا جوانی بلکہ نبوت کے بعد بھی کوئی ظاہری علمی سامان ہے نہ اس کے وطن میں کوئی مدرسہ ہے نہ کوئی مکتب، نہ اس کے وطن میں علوم و فنون کا کسی قسم کا چرچا ہے بلکہ وہاں کسی کے کان علوم و فنون کے چرچے سے آشنا بھی نہیں۔ ہاں ان کے پاس اگر ہے تو صرف زبان ہے اور اس قدر طاقت لسانی اور قادر الکلامی ہے کہ وہ تمام جہان کو اپنے سامنے گونگا سمجھتے ہیں چنانچہ عرب کے ماسوا کا جو نام عجم رکھا تھا اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ عجم کو قادر الکلام نہیں سمجھتے تھے اور اپنے مقابلہ میں سب کو ہیچ جانتے تھے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں نہایت شان و شوکت کے

Marfat.com

ساتھ بیدھڑک بولتے تھے معمولی اونٹ اور بکریاں چرانیوالا ایسا برجستہ کلام کہتے تھے کہ دوسروں کو بہت فکر و تامل کے بعد بھی ویسا کہنا مشکل تھا چند جملوں میں جذبات کو برانگیختہ کر دیتے، جب بولتے تو رعد کی طرح گرجتے بجلی کی طرح کڑکتے بارش کی طرح برستے تھے اور تھوڑی سی دیر میں گہے بآب گہے بآتش کا سماں کھینچ دیتے تھے بغرض کہ لے دیکر ان کے پاس اگر کوئی چیز تھی تو صرف زبان تھی ویسے کوئی طریقہ باقاعدہ تصنیف نہ تھا، درسگاہیں نہ تھیں، کتب خانہ اور لائبریریاں نہ تھیں۔

اب سوچو کہ اگر ایسے ملک میں کوئی ذہین اور صاحب ثروت بھی ہو تو کیا مختلف علوم و فنون کا سیکھنا اس کے لئے عادۃً محال نہ ہوگا پھر جب اس کے ساتھ دوسرے قدرتی اسباب بھی ایسے جمع ہوں جن کے ہوتے ہوئے سیدھی سادی زندگی بسر کرنا اور معمولی کفاف بھی مہیا کرنا مشکل ہو جاوے جیسا کہ ولادت سے پہلے والد کا انتقال اور بچالت رضاعت والدہ کی وفات۔ پھر چچا کی پرورش میں چلے جانا اور اسی طرح چالیس برس کی عمر کو بے سروسامانی میں بسر کرنا، کبھی قلم کو ہاتھ بھی نہ لگانا نہ کسی استاد کے سامنے کتاب کھولنا ان سب علامتوں کو دیکھ کر عادۃ اللہ (جس کو آج کل کے لوگ قانونِ قدرت بھی کہتے ہیں) یہ ہی بتلاتی ہے کہ ایسا شخص ابواب تہذیب و تمدن اور معارف الٰہیہ اور حقائق توحید ذاتی وصفاتی وافعالی اور علوم ہدایت امم واقوام میں کوئی سیدھی بات بھی نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بینات لوگوں کے سامنے پیش کرے جس کو دیکھ کر ارباب فنون اور علمائے متبحرین حیران رہ

جائیں۔ بلکہ دنیا کے بڑے بڑے عقلاء اور حکماء اس کی چوکھٹ پر سر دھننے لگیں اور جن وانس اس کا مثل پیش کرنے سے صریحًا عاجز و درماندہ ہو جائیں۔ جب ایسے حالات میں ایسا کلام ہم دیکھیں گے تو ضرور اس کو خدائی کلام کہنے پر از روئے عقل۔ وانصاف و تجربہ مجبور ہونگے دوسرا سوال بھی مذکورۂ بالا بیان سے حل ہو گیا کہ جب ملکی اور قدرتی حالات ایسے ہوں جن کے ہوتے ہوئے ایک فارغ البال اور خوشحال آدمی بھی اکتساب علوم اور تحصیل فنون سے عاجز ہو تو ایک بیکس و بے سامان کے لیے ایسی اعلیٰ تعلیم کہاں سے میسر ہو سکتی تھی آپ کی سوانح سب کو معلوم ہے کہ طفولیت ہی میں یتیم ہوئے اور ہوش سنبھالنے کے بعد بعض ابواب معیشت اور دیگر افکار میں مبتلا ہو گئے ہاں پیدائشی طور پر جو بہت ہی شدید اور قوی داعیہ طلب حق اور معرفت الٰہیہ کا آپ کے قلب مبارک میں موجزن تھا اور جو سخت نفرت اور بغض آپ کو فطری طور پر رسوم شرکیہ اور فحشاء و منکرات سے تھا وہ آپ کو تبتل (انقطاع خلائق) اور یکسوئی اور عزلت گزینی کی طرف کرتا تھا چنانچہ آپ کبھی کبھی کئی کئی دن تک تمام انسانوں کے جوار سے علیحدہ ہو کر غاروں اور پہاڑوں میں خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کو یاد کرتے اور اپنی کانشنس کے موافق اس کی عبادت کیا کرتے تھے جہاں انسان کا گذر تو کیا کوئی پرندہ بھی پر نہ مارتا تھا۔ تاریخ کی نہایت ہی معتبر اور محفوظ روایتیں جن سے بڑھ کر کوئی وثوق کی چیز تاریخ کے خزانہ میں نہیں مل سکتی۔ بتلاتی ہے کہ آپ حرا کی چوٹی پر (جسے جبل النور کہتے ہیں) کئی کئی دن تنہا رہ کر اس وحدہٗ لاشریک کی معرفت کی طرف قدم اٹھاتے تھے کوئی شخص ان چند ایام خلوت میں بھی یہ ثابت نہ کر سکا کہ آپ

Marfat.com

کے پاس خفیہ طور پر کوئی معلم جاتا تھا اور وہ آپ کو کتاب پڑھاتا تھا۔ ایسے حالات میں نزول قرآن سے پہلے آپ کے تعلیم یافتہ ہونے کا ادعا کس قدر بے دلیل بات ہے قرآن نے صاف صاف اعلان کر دیا۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝	قرآن شریف سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو البتہ اہل باطل شبہ میں پڑتے۔

نبوت سے پہلے ایک دفعہ بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ اور ایک مرتبہ جوانی میں دوسرے رفقاء کے ساتھ آپ کو شام کی طرف بغرض تجارت چند روز کے لئے سفر کا اتفاق ہوا۔ بحیرا راہب نے اسی سفر میں آپ کو دیکھا اور آثار رشد و صلاح اور علامات نبوت دیکھ کر حضورؐ کے تابناک مستقبل کے متعلق کچھ پیشین گوئی بھی کی لیکن جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے پڑھنا پڑھانا تو درکنار کوئی شخص تاریخ سے ایک شہادت بھی اس بات کی پیش نہیں کر سکتا کہ اس چند ساعت کی صحبت میں آپ نے ایک کلمہ اور ایک حرف بھی بحیرا یا کسی اور راہب یا قسیس سے سیکھا ہو اور اگر بالفرض ایسا ہوتا تو سب سے پہلے قافلہ والوں کو اور بحیرا کے متبعین کو اس کی خبر ہوتی اور وہ بڑے زور شور سے اپنی تاریخوں میں درج کرتے کہ محمد معاذ اللہ فلاں راہب کے شاگرد ہیں۔ حالانکہ صفحات میں اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ تیسرے سوال کے متعلق یہ کہنا ہے کہ اگر مدعی الہام ایسا ہو کہ اس نے باقاعدہ علوم و فنون کو حاصل کیا ہو اور اپنی سادہ زندگی میں اس کی فصاحت اور علمی قابلیت بھی مشہور ہو چکی ہو اور اس کے پاس

Marfat.com

ایسا سامان موجود ہو جس کی وجہ سے وہ تصنیف و تالیف پر قادر ہو جائے۔ بعد وہ ایک نفیس کتاب کو لکھ کر اس کے الہامی ہونے کا دعویٰ کر دے تو شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

کیا فیضی کی تفسیر اور سعدی کی گلستان کو معجزہ کہہ سکتے ہیں

آپ نے سنا ہوگا کہ قرآن کے مقابلہ میں بعض خوش فہم فیضی کی بے نقط تفسیر اور سعدی کی گلستان کو پیش کر کے یہ کہا کرتے ہیں کہ جس طرح ان دونوں کا جواب آجتک کوئی نہ کہہ سکا۔ اسی طرح اگر قرآن کا جواب بھی کسی نے نہ دیا تو وہ معجزہ کیونکر ہو سکیگا اور اگر وہ معجزہ ہے تو فیضی کی بے نقط تفسیر اور سعدی کی گلستان بھی معجزہ ہو گی۔

اس کا جواب

حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ سعدی اور فیضی دونوں کے پاس سامان تعلیم و تالیف کس قدر موجود تھا۔ کتنے عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسوں میں پڑے رہے، راتوں کو جاگے، مدتوں محنتیں کیں، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے بعد اگر بالفرض، فیضی یا حریری یا متنبی یا کوئی اور عربی میں، سعدی فارسی میں، ملٹن انگریزی میں، یا ہومر یونانی میں، یا کالیداس سنسکرت میں ایسے ہوئے کہ ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا تو کوئی تعجب کی جگہ نہیں۔

خدا کے کلام معجزہ کی تعریف میں میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ وہ اسباب متعارفہ کے توسط کے بدون صادر ہونا چاہیئے، کیا ان لوگوں کی باقاعدہ تحصیل علوم۔

Marfat.com

استادوں کے ساتھ طویل ملازمت، وہمنشینی، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاتی اور جدوکدان کے جاننے والوں سے مخفی ہے؟ اور کیا فائق کلام بولنے یا لکھنے کیلئے یہ ظاہری اسباب نہیں ہیں، اگر ہیں اور ضرور ہیں تو ان کے کلام کا فائق ہونا بلاسبب متعارف کے ظاہر نہ ہوا بلکہ اتنی خاک جاننے اور مصیبت بھگتنے کے بعد اگر ان کا کلام ایسا نہ ہوتا تو خلافِ عادت ہونے کی وجہ سے موجب تعجب ہوسکتا تھا لہذا فیضی کی تفسیر کا ایک خاص صنعت بے نقط ہونے میں تفوق محل تعجب نہیں تعجب یہ ہے کہ جس نے کتاب اور کاغذ، قلم، دوات کو چالیس برس تک ہاتھ نہ لگایا نہ کسی درسگاہ میں قدم رکھا، اس نے وہ کتاب دنیا کے سامنے پیش کی کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس کے اوپر قربان ہوجانا اپنا فخر سمجھے اور سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے بلکہ وہ اور ان سے زیادہ باکمال ہستیاں اپنی ہستی اور کمالات کا سرچشمہ بھی اسی نور مجسم اور اسی کتاب مقدس کو سمجھتے ہیں، دیکھو خود حضرت سعدی بوستان کے دیباچہ میں قرآن لانیوالے پیغمبرؐ کی نسبت کیا فرماتے ہیں ۵ اشعار

خلافِ پیغمبر کسے رہ گزید!! — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ
کلیمے کہ خرچ فلک طور اوست — ہمہ نورہا پرتوِ نور اوست
یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست — کتب خانہ چند ملت بشست
بلند آسماں پیش قدرت خجل! — تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل
تو اصل وجود آمدی از نخست — دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

Marfat.com

ندانم کدامیں سخن گویمت — کہ والاتری زانچہ من گویمت
ترا عز لولاک تمکیں بس است — ثنائے تو طٰہٰ و یٰسین بس است
چہ وصفت کند سعدی ناتمام — علیک الصلوٰۃ اے نبی والسلام

اور فیضی جس کو قرآن کے مخالف بطور ایک غیر مجروح گواہ کے پیش کرتے ہیں اپنی تفسیر کی ابتدا میں اس نبی امی کی کتاب کو خدائی کلام مانتے ہوئے اور اس کے سامنے تمام علوم و کتب کو (خواہ فیضی کی ہوں یا سعدی کی) ہیچ بلکہ محض دردسر قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

العلوم کلها صداع الاعلم. کلام اللہ و کلام اللہ لا عدّ لمحامدہ و لاحد لمکارمہ ولا حصر لرسومہ ولا احصاء لعلومہ وما علم کلام اللہ کلها احد الا اللہ ورسولہ واولو العلم ما علموا الا عداد۔

کلام اللہ کی معاونات کے علاوہ تمام علوم دردِ سر ہیں اور کلام اللہ کے محامد کی کوئی تعداد نہیں نہ اس کی مناقب کی کوئی انتہا ہے اس کی صداقت کے نشان غیر محصور اور اس کے علوم بے شمار ہیں جو علوم کلام اللہ میں موجود ہیں ان سب پر سوائے خدا اور اس کے رسولؐ کے کسی کا احاطہ نہیں تمام اہل علم کو جو کچھ ہاتھ آیا وہ ایک محدود حصہ ہے۔

پس جب فیضی اور سعدی بھی خود اپنے اقرار کے موافق اس نبی امی صلعم کے دلبستان علم و حکمت میں ایسے ہیں جیسا کہ ایک شیر خوار بچہ سمندر کے کنارہ پر لیٹا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا ہو جس کے ہاتھوں کو کبھی کبھی ایک آدھ بوند پانی کی لگ جاتی ہو تو اب سعدی کی گلستان یا فیضی کے کلام کو کلام اللہ

Marfat.com

کے مقابل لانا نہ صرف فیضی اور سعدی کا استہزاء اور شاہد کی ضمیر کے خلاف شہادت دلانا ہے، بلکہ حد درجہ کی بے حیائی سے مدعی سست اور گواہ چست کے طور پر اپنے آپ کو ذلیل اور رسوا کرنا۔ علاوہ اس کے ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ کیا فیضی اور سعدی نے یہ آواز بھی لگائی تھی کہ تمام دنیا مل کر میری کتاب کی گلاّ یا جزء مثال پیش کرے اور کیا پھر یہ دعویٰ بھی کیا کہ وہ ہرگز پیش نہ کر سکے گی کیا انہوں نے کسی ایک آدمی کو بھی اپنے مقابلہ کے لئے ابھارا، عار دلائی، مجبور کیا کہ وہ ناچار سامنے آئیں اور ایسے سامان مہیا کئے کہ ان کی خواہی نخواہی کشاں کشاں سامنے آنا پڑتا اور وہ مجبور ہوتے کہ فیضی اور سعدی کے کلاموں کا معارضہ کریں اور فرض کرو کہ سعدی وغیرہ تحدی اور مبارزہ بھی کرتے اس پر بھی کوئی، میدان میں نہ آتا تو یہ بھی عجز کی دلیل نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ممکن تھا کہ دنیا ان کا مقابلہ کرنے میں کوئی عظیم نفع یا نہ کرنے میں کوئی عظیم نقصان نہ سمجھتی اور اس لئے اس دعوی سے بے التفاتی اور استغنا برتتی مگر برخلاف اس کے قرآن نے شروع ہی سے دعوی کیا کہ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ غیرت دلائی جتھوڑ جتھوڑ کر اٹھایا۔ چابک مار مار کر معارضہ کے لئے کھڑا کیا۔

قرآن کی طرف سے مقابلہ کا پُرزور چیلنج

اور کہا کہ میرے جیسی ایک چھوٹی سی سورت سب مل کر بنا لاؤ اور اسی پر فیصلہ ہے اگر نہ لا سکو اور ہماری دعویٰ یہ بھی ہے کہ کبھی نہ لا سکو گے تو پھر مجھے خدا کا کلام تسلیم کرو ورنہ اس ابدی عذاب سے ڈرو جو منکرین کے لئے

تیار ہے، اب دیکھئے کہ چیلنج کس زور کا تھا اور کتنے بھاری نفع یا نقصان کا سودا تھا کیا ایسی حالت میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں نے توجہ نہ کی ہوگی یا پوری ہمت اور قوت سے مقابلہ کے لئے نہ نکلے ہوں گے، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ پوری توجہ اور پورا اعتنا کیا گیا کیسے کہا جائے کہ توجہ نہ کی گئی ہوگی، جب کہ آپ کے پیچھے پیچھے آدمی دوڑتا تھا کہ اے لوگو یہ مجنون ہے اس کی بات نہ سنو تاکہ آپ کا اثر کہیں جمنے نہ پائے آپ کی ہلاکت کی کوشش کی گئی آپ پر ہر قسم کے حملے کئے گئے، آپ کے قتل کے لئے بڑے بڑے انعاموں کا اعلان ہوا، اور جب آپ کا اثر برق رفتاری سے بڑھتا گیا اور آپ کی صداقت و حقانیت اور صبر و استقامت کو دیکھ کر ہزارہا نفوس آپ کے گرویدہ ہو گئے اور آپ کے حریفوں کے خاص خاص لوگ بھی اُن سے ٹوٹ کر آپ کے حلقہ بگوش غلام بن گئے خاندان کے خاندان داخل اسلام ہونے لگے بعض بڑے بڑے متمول اور معزز لوگ عیش و عشرت چھوڑ کر آپ کے پاس پہنچے۔ پیارے پیارے بچوں اور عورتوں کو خیرباد کہہ کر فقیرانہ حالت میں نہایت بے سروسامانی کے ساتھ آپ کے قدموں میں آپڑے اور سخت کٹھن اور خطرناک زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے کہ بشر سے اس کا تحمل سخت دشوار تھا تو آپ کے مخالفوں نے غیض و غضب سے بیتاب ہو کر جنگ و جدال اور معرکہ آرائی شروع کر دی، تلواریں اٹھائی گئیں، صف آرائیاں ہوئیں۔ خون کی ندیاں بہائیں۔ جانیں گنوادیں۔ خویشوں اور عزیزوں کے سر کٹوائے۔ مال و متاع کو برباد کیا تاکہ کسی نہ کسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مغلوب کر لیں۔ اُدھر سے بہت سہل آسان طریقہ مغلوب بلکہ اثر کے کلیتہً معدوم

کرنیکا یہ بتایا گیا کہ صرف تین آیت کی برابر ایک چھوٹی سی سورت اسی شان کی لے آؤ جس شان میں قرآن تمہارے سامنے ہے تو ہم خود بخود تمام تحریک کو ختم کرکے اپنی جماعت بلکہ اپنے آپ کو بھی تمہارے حوالے کر دیں گے۔ پھر مقابلہ کی اس آسان اور سہل ترین تدبیر کے ساتھ اور بھی رنگا رنگ سہولتیں بلکہ ہر ممکن آسانی بھی اُن کے لئے بہم پہنچا دی۔ چنانچہ جب چیلنج دیا تو یہ نہ کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان جیسے ایک اُمی کو منتخب کرو بلکہ سب کے سب مل کر جتنے فصیح و بلیغ تعلیم یافتہ قبائل ہیں سب جمع ہو جاؤ۔ اتنے پر بھی بس نہیں، تمام دنیا کے انسانوں کو بھی جمع کر لو۔ بلکہ ان انسانوں کے ساتھ دوسری مخلوق کو بھی شامل کرکے ایک سورۃ بنا لاؤ تو نہ تلوار اٹھانے کی ضرورت ہو گی، نہ خون بہانے کی حاجت باقی رہے گی، نہ سلطنتیں اور سرداریاں تباہ ہوں گی، نہ سازشیں کرنا پڑیں گی اور ساری تدابیر اسی ایک سہل بات پر ختم ہو جائیں گی، پہلے گذر چکا ہے کہ وہ اس قدر بولنے والے تھے کہ بولنے میں اور زبان کی فصاحت میں اپنے سوا تمام دنیا کو گونگا سمجھتے تھے جو صاف دلیل ہے کہ ان کے پاس مقابلہ کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز آسان اور سہل نہ تھی مگر ان کی زبانیں گنگ ہو گئیں، دماغ مفلوج ہو گئے، جوارح معطل ہو گئے، لیکن اس سہل ترین اور فیصلہ کن مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔

لقلنا مثل هذا کا جواب

کبھی کبھی زبان سے یہ بھی کہتے تھے:

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا — اگر ہم چاہتے تو اس جیسا کلام کہہ دیتے

Marfat.com

یعنی نہ ہم نے چاہا نہ کہا۔ مگر کیوں نہ چاہا، اس لئے کہ اپنی عزت اور آبرو اور قرآن کے سامنے اپنے عجز اور کمزوری کی پردہ پوشی صرف اسی صورت میں دیکھی اگر وہ جھوٹ موٹ کہدیتے کہ یہ ہمارا کلام قرآن جیسا ہے تو کہنے والے کی زبانی دانی اور فصاحت اور تصدیق کرنیوالوں کی سخن شناسی اور سخن فہمی پر ایسا سخت بدنما داغ لگتا کہ وہ کسی بزم سخن اور محفل ادب میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے اور دنیا ان کا تمسخر اڑاتی اس وجہ سے یہ ہمت کسی نے نہیں کی بلکہ جب مضطر ہوئے تو یوں ٹالدیا کہ اگر ہم چاہتے تو کہہ دیتے مگر ہمنے چاہا ہی نہیں لیکن اس کا فیصلہ ہر عاقل خود بخود سابقہ واقعات کو ملحوظ رکھ کر کرسکتا ہے، کہ کیا انہوں نے چاہا یا نہیں چاہا۔

بھائیو! کیا یہ ممکن ہے کہ خود تمام مصیبتیں برداشت کریں اور دوسروں کو بھی ہر ایک مصیبت میں ڈالیں، قرآن پڑھنے والوں کے خلاف بادشاہوں کے پاس جاکر مدد مانگیں، ہر قسم کی سازشیں کریں لوگوں کو قرآن سننے سے روکیں اور خود اقرار کریں کہ اس آواز سے ہماری عورتیں اور بچے مفتون ہوئے جاتے ہیں قرآن ان کے مذہبوں پر ایسی کاری ضرب لگائے، ان کی سرداریوں کو خاک میں ملادے، ان کے کبر و نخوت کے طلسم کو توڑ دے ان کی معبودوں کی حکومت میں زلزلہ ڈالدے، ان کے جتھے توڑ ڈالے، انکی قومیں پراگندہ کرڈالے، بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، میاں کو بیوی سے، دوست کو دوست سے، غرض آدمی کو کل محبوب چیزوں سے چھڑا کر صرف اپنا ہی والہ وشیدا بنالے، مگر وہ برق زبانی اور شیوا بیانیوں کے مدعی زبانیں سی کر اور

لبوں کو بند کر کے چپ بیٹھے رہیں۔ اور باوجود ایسے مذاب البیان اور قادر الکلام ہونے کے دو چار جملے بنانے کی خواہش بھی نہ کریں۔

قرآن کسی ایک آدمی یا کمیٹی کا بنایا ہوا کلام نہیں

جب کوئی بات نہ بن پڑتی تھی اور قرآن کے علوم کو محمد اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے تطبیق نہ دے سکتے تو کہتے انما یعلمہ بشرٌ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن کوئی دوسرا آدمی تعلیم دیتا ہے اور یہ اشارا ایک شام کے نصرانی کی طرف تھا اس کا جواب بھی قرآن نے ایسا دیا کہ دنیا پر واضح ہو گیا کہ یہ مقولہ بھی نہایت بے بسی کی حالت میں ان سے صادر ہوا تھا۔

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝

یعنی یہ لوگ کجروی سے جس شخص کی طرف قرآن کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہاں ایک روشن اور فصیح زبان عربی کے مقابلہ کا چیلنج دیا جا رہا ہے۔

جس سے بڑے بڑے قریشی عرب حان چراتے ہیں وہ عجمی غلام اسے کیا جانے کبھی کبھی بالکل ہی بدحواس ہو کر کہہ اٹھتے تھے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۝

یہ قرآن اس کے سوا کچھ نہیں کہ (معاذ اللہ) محمد صلعم کی اختراع (گھڑنٹ ہے) جس کی تصنیف میں دوسری جماعت نے اس کی مدد کی ہو۔

دیکھو کس قدر مذبومی حرکات ہیں بے ساختہ زبانوں سے نکل جاتا ہے کہ ایک انسان سے ایسا کلام ممکن نہیں کہ بن پڑے۔ ہو نہ ہو یہ کمیٹی کا کام ہو گا اس

Marfat.com

اس کا جواب بھی مسکت اور دندان شکن دیتے ہوئے فرمایا۔

فَقَدْ جَاءُوْا ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۔ اے ایسا ظلم اور دن دہاڑے ایسا سفید جھوٹ۔

اگر بالفرض ہمارے پاس کمیٹی ہے تو تم اس سے زیادہ آدمیوں کی کمیٹی بنا سکتے ہو تم کو تو تمام جن و انس کی کمیٹی بنانے کی اجازت دی ہے۔ پھر جب تمام انسانوں کے جمع کرنے کی تم کو اجازت دی گئی تو تم ہم سے دعویٰ کیسا تھ اس کمیٹی کے تمام افراد بھی اگر تمہیں معلوم ہوں مانگ لو جو تمہارے کہنے کے موافق ہمارے پاس ہے اسلئے کہ وہ بھی انسانوں میں داخل ہیں جن کے جمع کرنے کی تمکو مہلت دی گئی ہے باوجود اس قدر وسعت اور آسانی بہم پہنچانے کے بھی اگر مقابلہ کلام ایزدی کا نہ کر سکے اور نہ کر سکو گے اور یہ بھی مطالبہ نہ کیا کہ تم فلاں فلاں آدمی کو ہمارے ساتھ دیدو جن پر تمکو خیال ہے کہ وہ کمیٹی کے ارکان ہیں تو سمجھ لو کہ یہ محض شرارت اور ظلم اور دروغ بے فروغ ہو گا کہ قرآن کی تصنیف کسی مجہول الحال کمیٹی سے منسوب کرتے رہو۔

قرآن کسی ایک شخص یا کمیٹی کا کلام نہیں ہو سکتا

پھر کیا کسی کمیٹی کا پنچائتی کلام ایسا ہو سکتا ہے؟ آپ نے بڑے بڑے فصیح البیان اور عمدہ بولنے والے بھی دیکھے ہونگے کیا کوئی ایسا لکچرار آپ کی نظر میں ہے جو ہر ایک مضمون کے بیان پر یکساں بولنے کی قدرت کر سکتا ہو کوئی آدمی ہر مضمون کے بیان پر یکساں قدرت نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ بڑے بڑے قصیدوں میں وہ ہی چار اشعار منتخب ہوتے ہیں اس لئے کہ کسی متکلم کو ہر مضمون

Marfat.com

پر پوری قدرت نہیں ہوتی چنانچہ علمائے ادب کا اعتراف ہے کہ امراؤ القیس گھوڑوں کی تعریف اچھی کرتا ہے نابغہ خوف وخشیہ میں اعشیٰ شراب کی طلب اور تعریف میں زہیر رغبت ورجاء میں اچھا لکھتا ہے۔ جیسے نظامی وفردوسی رزم وبزم میں سعدی وعظ وپند میں تفوق رکھتا ہے۔ لیکن دوسرے فن میں جاکر ان کی ساری جولانیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ بوستان میں ایک جگہ جنگ کی کہانی آگئی وہیں سعدی کی زبان سست پڑ گئی بوستان کے پانچویں باب میں اس حکایت کو دیکھ لو کہ نظامی اور فردوسی کے مقابلہ میں سعدی کا کلام کس قدر پھیکا سا ہے کیونکہ رزمیہ کلام لکھنا سعدی کا فن نہیں تھا کسی مشہور سے مشہور شاعر کا دیوان، یا کسی مسلم سے مسلم عالم اور حکیم کی کتاب کیف ما اتفق اُٹھاکر پڑھ جاؤ اول سے آخر تک یکساں زور قائم نہیں رہ سکتا۔

قرآن کو اوّل سے آخر تک دیکھ لو کس قدر مضامین مختلفہ کی رعایت ہے، جو کہ نہایت روانی، سلاست آب وتاب اور شان وشوکت سے بہ رہی ہے اور ہر مضمون کو کس قدر اور جزالت وفصاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہیں معاش کا بیان ہے۔ نکاح وطلاق کے قواعد کی تعلیم ہے۔ کہیں فرائض میت تقسیم کی جاتی ہے کبھی نماز روزہ کا وعظ ہے کبھی جہاد کا بیان ہے لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں کہیں سنین ماضیہ کے تاریخی واقعات ہیں، کبھی دلوں کو رلانیوالی پند ونصائح بیان کی جاتی ہے کبھی بہشت کا تنعم سامنے ہے، کبھی دوزخ کا عذاب یہ سب کچھ ہے مگر طرز بیان میں کوئی سستی نہیں کمزوری نہیں انحطاط نہیں ہر موقع پر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے مقابلہ سے تمام جن وبشر عاجز ہیں اور ہر جگہ زبان

Marfat.com

پر آتا ہے کہ ع کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست.
اوّل سے آخر تک ایک ہی اسلوب اور ایک ہی طرح کا زور اور ایک ہی رنگ ڈھنگ اور سارے کلام کی یہ یکسانیت ہی پتہ دے رہی ہے کہ یہ کسی مخلوق یا کمیٹی کا کلام نہیں بلکہ یہ اس کا کلام ہے جس کی صفات سب کی سب کامل، غیر متبدل، لازوال اور نقص و فتور سے منزہ ہیں۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔

اور اگر (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے (آیا) ہوتا تو ضرور اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

خدائی کلام سے خدائی شان ٹپکتی ہے

پھر دیکھو اوّل سے آخر تک تمام مضامین نہایت شوکت اور کبریا و عظمت بھرے الفاظ اور زوردار لہجہ میں ادا کئے گئے، اگر یہ کلام اس بشر کا ہوتا جس کی زبان سے ہم تک پہنچا تو اس کی مظلومیت اور دشمنوں کی اس پر مختلف چڑھائیاں تو سب کو معلوم ہیں، ناممکن تھا کہ اس کلام کے اندر کہیں نہ کہیں ظالموں کے سامنے تملق، خوشامد، مداہنت، بیچارگی اور مرعوب ہونے کے آثار موجود نہ ہوتے جن کا نام و نشان بھی قرآن میں اوّل سے آخر تک موجود نہیں۔ بلکہ جس زور و شور اور خدائی شوکت سے شروع ہوا اسی تزک و احتشام اور زور کے ساتھ ختم ہوا۔

اگر کسی نے قرآن کا معارضہ کیا ہوتا تو اس کا ضائع ہونا محال ہے

ممکن ہے کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ شاید قرآن کی نظیر پیش کی گئی ہو مگر وہ باقی

Marfat.com

نہ رہی ہو تو میں کہتا ہوں کہ ایک مظلوم اور بے یار و مددگار کا کلام تو اب تک برابر موجود ہے مگر عرب کے بڑے بڑے رئیسوں بلکہ دنیا کے تمام باطل مذاہب و ملل کی دلی تمنا جس کلام سے پوری ہو جاتی وہ باقی نہ رہے۔ کیا ایسے عقل سلیم باور کر سکتی ہے؟ پھر جب کہ موافقوں سے تعداد کہیں زیادہ ہو روئے زمین پر دشمن پھیلے پڑے ہوں جو ہر آن ایسی چیز کے تجسس میں آغاز اسلام سے آج تک ہے جو قرآن کی اس دعوی کو ٹھنڈا کر دے۔ مسیلمہ کذاب نے قرآن کے سامنے منہ چڑایا تھا وہ تاریخ میں موجود ہے۔ باوجودیکہ وہ بہت زیادہ گندا اور بدبودار اور رکیک اور خلاف تہذیب کلام ہے مگر وہ بھی اب تک باقی ہے۔ یعنی

الم تران اللّٰہ خلق السماء افراجا فنولجھن ایلاجا ؕ

مورخوں نے لفظ لفظ کو محفوظ رکھا۔ جب ایسے رکیک اور ناشائستہ کلام کو بھی ضائع نہ ہونے دیا تو کسی اچھے کلام کو اور وہ بھی ایسا اچھا جو لفرض محال قرآن سے بھی اعلیٰ اور برتر ہو کس طرح ضائع کیا جا سکتا تھا اگر قرآن سے بہتر فصیح اور بلیغ کلام ادبی لٹریچر سے گم ہو گیا تو قرآن کا یہ دوسرا اعجاز ہو گا کہ وہ اپنے سے غالب اور قوی کو بھی اس طرح فنا کر ڈالتا ہو کہ آج صفحہ ہستی پہ کوئی اس کو زبان پر لانے والا بھی نہیں۔

عربی نہ جاننے والے کسطرح قرآن کی فصاحت کو پہچان سکتے ہیں

شاید کہو گے کہ ہم تو عربی نہیں جانتے ہماری سمجھ میں کس طرح قرآن کا اعجاز آئے، تو یاد رکھو کہ ہر فن میں اس کے اساتذہ اور ماہرین کے فیصلہ کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے پھر عربی زبان آج بھی زندہ زبان ہے۔ سنسکرت کی

Marfat.com

لرائج مردہ نہیں، بیروت، مصر، قاہرہ وغیرہ میں اس وقت بھی بہت سے ایسے نصاریٰ اور یہود موجود ہیں جن کے مقابلہ میں بڑے بڑے ادیب قلم نہیں اٹھا سکتے۔ انہوں نے عربی زبان میں عجیب و غریب کتابیں لکھی ہیں اگر تم نہیں جانتے تو جاؤ ان ہی سے کہو کہ ایک سورۃ قرآن کے جواب میں بنا کر دیدیں وہ بھی اسلام کے دوست نہیں۔ بلکہ تم سے بڑھ چڑھ کر اس کے دشمن ہیں ہر ممکن سعی سے وہ اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں مگر یہ حوصلہ آج تک نہ کسی فرد کو ہوا نہ کسی انجمن کو کہ قرآن کے چہاردہ صد سالہ چیلنج کو منظور کرتا وہ اسی میں اپنی لیاقت اور عزت سمجھتے ہیں کہ اس طرف کا قصد نہ کریں تم بھی لاکھوں روپیہ شدھی سبھاؤں پر صرف کر رہے ہو جس طرح عیسائی اپنے مشنوں پر کروڑوں روپیہ لگاتے ہیں بغداد کی آریہ سماج کو لکھو کہ وہ وہاں کے مشنوں کو یہ مشورہ دے کہ سب مل کر قرآن کے جواب میں چند سطر لکھ کر شائع کر دیں مگر ہاں بعد میں ان کی فضیحت اور رسوائی کا ذمہ دار تم کو ہونا پڑے گا اس سے بڑھ یہ ہے کہ کوئی مضمون قرآن ہی سے لیا اور اسی قدر مزایا اور لطائف کی رعایت کے ساتھ اپنی عبارت میں اس کو ادا کر دو جس قدر مزایا اور لطائف قرآن کی عبارت میں مرعی ہیں۔ قرآن کے پیرو تمکو بتلا دیں گے کہ چراغ مردہ کو نور آفتاب سے کیا نسبت ہے۔

قرآن کا اصلی اعجاز اسکے انتہائی درجہ کی بلیغانہ نظم و اسلوب میں ہے

نزول قرآن کے وقت بعض لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ سب مختراعات ہیں۔

Marfat.com

وَيَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

جواب یہ ہے کہ (قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ) اچھا اگر ہدایت کی باتیں نہ سہی تو تم بھی ایسی ہی مفتریات یعنی گھڑی ہوئی باتیں ایسے طرز بیان میں لے آؤ۔ محض ایک شاعرانہ مضمون کے ادا میں بھی بہت بڑا فرق ہوتا ہے ایک ہی خیال ہے جسکو شاعر ایک رنگ سے ادا کرتا ہے دوسرا اسی میں ایسی لطافت پیدا کرتا ہے کہ پہلے شاعر کا کلام اس کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگتا ہے۔

ذوق الملک الشعراء ہے ایک غزل میں لکھتا ہے کہ

آنکھ سے آنکھ ہے لڑتی مجھے ڈر ہے دل کا ✦ کہیں یہ جائے نہ اس جنگ و جدل میں مارا

اس خیال کو دوسرا شاعر مکند رام جن کا نام بھی شاید کسی کو معلوم ہو، ایسی لطافت کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ سخن شناسوں کو ناچار اسی کے حق میں فیصلہ دینا پڑا۔ کہتا ہے کہ

دل کی نہیں تقصیر مکند آنکھیں ہیں ظالم ✦ یہ جا کے نہ لڑتیں وہ گرفتار نہ ہوتا

دیکھ لو ذوق کا کلام مکند رام کے مقابلہ میں کیسا پھیکا پڑ گیا ہے اسی مزاج فردوسی نے کہا تھا۔

جہاں را بلندی و پستی توئی ✦ ندانم چہ آنجہ ہستی توئی

نظامی نے اس کے مقابلہ میں فرمایا۔

پناہ بلندی و پستی توئی ✦ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

پہلے مصرع میں پناہ اور دوسرے میں نیستند نے نظامی کے شعر کو فردوسی

Marfat.com

کے شعر سے بلیغ اور بہت صاف کر دیا۔ فردوسی نے لکھا تھا:۔

زہے بارگاہ زا فراسیاب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

نظامی کہتے ہیں:۔

زہے بارگاہ کہ چوں آفتاب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

دیکھو چوں آفتاب نے شعر کو کیسا مبرہن اور لاجواب بنا دیا ہے اور زافر اسیاب کی زکی ضرورت بھی نہ رہی۔ اُردو میں قمر کا شعر ہے:۔

مرض ہجر مرا خاک ہوا اچھا تم سے خود مسیحا ہُوا جی اور ہیں بیمار آنکھیں

جوہر نے اس مضمون کو کس قدر خوبی سے ادا کیا ہے:۔

آپ سے اپنا مداوا بھی نہیں ہو سکتا کیسے عیسیٰ ہو کہ جب دیکھو ہیں بیمار آنکھیں

آنکھوں کے ساتھ لفظ دیکھو دیکھنے کے قابل ہے تاریخ کہتا ہے۔

شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی عمر ہوئی کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

غالب نے اس کو کس قدر چستی اور لطیف بنا دیا۔ کہتے ہیں:۔

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے

ذوق نے کہا تھا۔

ہزار لطف جو ہیں ہر ستم میں جان کیلئے شستم شریک ہوا لون آسمان کے لئے

کسی استاد نے اسی مضمون کو اس طرح لکھا ہے۔

چرخ کوکب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

سخن شناس سمجھتا ہے کہ دوسرا شعر اول سے باعتبار پاکی الفاظ و حسن ادا و خوبی ترکیب بالاتر ہے اور الفاظ معشوق و پردۂ زنگاری نے اس کے لطف کو

Marfat.com

دو بالا کر دیا ہے مومن خاں کہتے ہیں۔

خونبہا قاتل بے رحم سے مانگا کس نے — کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں

اس کے مقابلہ میں ذوق کا کلام ملاحظہ ہو۔

ہتی تھی ماہی بریاں کہ دبیرانِ قضا — داغ دیتے ہیں اسے جسکو درم دیتے ہیں

ظاہر ہے کہ شعر اول میں داغ درم دینا اور خونبہا مانگنا محض ادعا ہے اور دوسرے شعر میں داغ دینا اور صاحب درم ہونا ثابت ہے، دیکھو یہاں داغ اور درم کا مضمون لیکہ ایسی طرح ادا کیا کہ پہلے کی نسبت شعر نہایت بلیغ ہو گیا۔ یہ چند نمونے ہم نے اس لئے پیش کئے ہیں کہ یہ ثابت ہو سکے کہ بعض شاعرانہ تخیلات اور مفروض و مخترع مضامین کے ادا میں بھی ترکیب کی بندش اور الفاظ کی چستی اور روانی اور دیگر لطائف و مزایا کی رعایت سے کس قدر فرق اور تفاوت ہو جاتا ہے، پس ہم اجازت دیتے ہیں کہ آج بھی سارے فصیح و بلیغ مل کر ایک دو قصے کہانیاں ہی ایسی عبارت میں پیش کر دیں جو قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے مقابلہ میں لطیف تر اور فصیح تر ہو کیا اس قدر سہولتیں ادا کرنے کے بعد بھی اگر مقابلہ سے عاجز رہے تو یہ اس کی دلیل نہ ہو گی کہ یہ کلام دنیا کے خالق اور مالک کا ہے۔

خدائی کام سے توحید اور خدائی کلام سے رسالت کا ثبوت

میں نے کہا تھا کہ خدائی کام بندوں کے کام سے اس طرح ممتاز ہوتا ہے کہ بندوں کو اس جیسے کام پر کوئی دسترس نہیں ہوتی اسی طرح اللہ کا کلام بھی بندوں کے کام سے الگ پہچانا جاتا ہے کہ ویسا کلام بنانا بندوں کے اختیار اور قبضہ

میں نہیں ہوتا قرآن کریم نے دونوں مضامین پر ایک ہی آیت میں متنبہ فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

تم کو اور تمہارے اسلاف کو اور تمہارے لئے زمین کا فرش، آسمان کی چھت اور بادلوں کی بارش درختوں کے پھل جس پروردگار نے بنائے اسی کی عبادت کرو اور اس کا مثل مت قرار دو۔

یعنی جب خدا کے کاموں کا کوئی مثل نہیں لاسکتا تو خدا کو بھی بے مثل ماننا ضروری ہے اسی طرح خدائی کلام کا مثل لانے سے جب سب عاجز ہوں تو اس کو خدا ہی کا کلام یقین کرنا ضروری ہو اور اسی لئے جو بندہ اس کلام کو لایا ہے اس کی تصدیق بھی ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

اور وہ جو ہمنے اپنے بندے (محمد) پر (قرآن) اتارا ہے اگر تمکو اسمیں شک ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے اور اپنے اس دعوے میں سچے ہو تو اسی جیسی ایک سورۃ (تم بھی بنا) لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتوں کو بھی) بلالو۔

ممکن ہے کہ کسی کو یہ خلجان رہے کہ خدائی کاموں کو ہم بظاہر کسی فاعل مختار سے صادر ہوتے نہیں دیکھتے بخلاف اس کے خدائی کلام کو ہم ایک ذی شعور اور باختیار متکلم انسان کی زبان سے سنتے ہیں اسی لئے ہمارے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ

Marfat.com

کلام خواہ کتنا ہی اعلیٰ وارفع ہو ہم اسے متکلم کی مراثت منسوب کر دیں جس کی زبان سے ہمارے کانوں تک پہنچ رہا ہے۔ لیکن اس کا یہ شبہ محض سطحی ہے۔ غور کیجئے کہ اگر ایک چھ سات سال کا دیہاتی بچہ آپ کے سامنے آئے جس کو کسی نے گلستان یا بوستان کا ایک یا عرفی یا قاآنی کا ایک قصیدہ یا حافظ شیرازی کی ایک غزل یا کسی اور بڑے عالم یا حکیم یا شاعر یا خطیب کا کوئی منتخب کلام یاد کرا دیا ہو وہ آپ کے رُوبرو نہایت صاف و صحیح لب و لہجہ میں اُسے زبانی ادا کر دے اور فرض کرو کہ آپ کو یہ تعیین نہ ہو کہ اصل کلام کس کا ہے تو کیا واقعی اس صورت میں آپ محض اتنا دیکھ کر کہ یہ کلام اسی بچہ کے کام و دہن سے نکل رہا ہے یہ یقین کر لیں گے کہ بے شک یہ کلام اسی بچہ کا تصنیف کیا ہوا، اور اسی کے دل و دماغ کا نتیجہ ہوں کہ ایسا کلام بنا سکوں اور اسکے ساری بستی والے بھی موافق اور مخالف گواہ ہوں کہ ان بچہ نے کبھی قبل ازیں ایسی اعلیٰ تعلیم اور صحبت نہیں پائی، جو ایسا کلام تصنیف کرنے پر قادر کرے، کیا آپ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی برابر یہی کہتے چلے جائیں گے کہ نہیں یہ سب اسی کی تصنیف ہے، کیونکہ بچہ ذی شعور با اختیار، بولنے والا انسان ہے اور اسی کے حلقوم سے ہم یہ آواز سُن رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پرلے درجہ کا بلید، احمق، جاہل اور متعصب بھی اس کی جرأت نہ کرے گا۔ تو ثابت ہوا محض اس قدر دیکھ لینے سے کہ ایک کلام ایک شخص کے کام و دہن سے نکل رہا ہے یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ کلام اُسی کا ہے خصوصاً جب کہ وُہ اپنے سے نفی بھی کر رہا ہو اور اس کا ایک جھوٹ بھی عمر بھر ثابت نہ ہُوا ہو اور اس کے حالات زندگی بھی نفی کی تائید

Marfat.com

کرتے ہوں اور خود اس شخص کے کلام کا بڑا بھاری ذخیرہ (احادیث) بھی محفوظ اور مدوّن ہو اور اس میں کا کوئی حصّہ باوجود غایت درجہ کی فصاحت و بلاغت کے اس کلام کے کسی حصّہ کی ہمسری نہ کر سکتا ہو اور ساری دنیا ویسا کلام پیش کرنے سے تھک چکی ہو اندریں حالات آپ ہی فیصلہ کریں کہ ایک ایماندار طالب حق کو کیا یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ :-

گفتۂ و گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لاریب اس کی یہی شان ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

بلکہ یہ (قرآن) جو پڑھ کر سناتے ہیں وحی (آسمانی) جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

اور بلاشبہ قرآن کا لانیوالا وہی نبی ہے جس کی نسبت سینکڑوں برس پہلے خبر دی گئی تھی کہ خدا اس کے مُنہ میں اپنا کلام ڈالے گا۔

نزول قرآن کیوقت نبی کی کیفیت

قرآن جس وقت اترتا تھا یا بالفاظ دیگر جب خدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے بولتا تھا اس وقت آپ کے حالات بھی عام تکلم اور خطاب کے حالات سے بالکل ممتاز اور جُداگانہ ہوتے تھے کیونکہ بشری کالبد کو خدائی صفت کا مظہر بننا پڑتا تھا اور تمام روحانی قوتیں اور ملکوتی طاقتیں جو وحی الیہ میں فطرۃً ودیعت کی جاتی ہے اس مادی عالم سے یکسو ہو کر ملاء اعلیٰ اور عالم الغیب کی طرف سمٹ جاتی تھیں تو بشری خصائص اور ملکوتی قوی کے تجاذب اور

Marfat.com

تصادم سے قدرتی طور پر ایسے وقت میں وہ آثار نبی موحی الیہ کے جسم پر طاری ہونے چاہئیں جو عام حالات و اوقات سے مبائن ہوں چنانچہ سیرت نبوی اور احادیث کا مطالعہ کرنیوالوں سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں باقی تمام اوقات میں جو مکالمات و مخاطبات نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہوتے تھے ان میں ایسے آثار و علائم کا نام و نشان نہ تھا کیونکہ اس وقت ایک بشر کا کلام تھا جو اسی کی زبان سے ادا ہو رہا تھا۔ گو جن علوم و مطالب پر وہ کلام مشتمل ہوتا تھا۔ وہ کیسے ہی صادق اور عمیق بلکہ الہامی ہوں۔

قرآن کی تلاوت کا اثر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت فرماتے تھے یا کسی دوسرے سے سنتے تھے تو آپ خود بھی اس قدر متاثر نہ ہوتے تھے کہ خود اپنے کلام کو پڑھ کر اتنا متاثر ہونا عادۃً متصور نہیں آپکا چہرہ خوف سے متغیر ہو جاتا، آنکھیں بہنے لگتیں۔ گریہ طاری ہو جاتا راتوں کو جب کہ مخلوق بستر استراحت پر آرام کرتی تھی، آپ خدا کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے حتیٰ کہ پاؤں سوج جاتے اور قدموں کا ورم دیکھ کر لوگ رحم کھاتے اور آپ فرماتے اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا ایک ہی آیت کو کئی کئی بار پڑھتے اور روتے تھے۔ غرض قرآن کا جو اثر آپ کی زبان سے سننے والے صحابہ قبول کرتے تھے اُن سے زائد آپ پر ہوتا تھا۔ ایک صاحب بصیرت جو خوف خدا کی ذرا سی بھی ٹیس دل میں رکھتا ہو اتنی ہی بات سے قرآن کی نسبت ایمان لا سکتا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں

Marfat.com

ہے اور نہ وہ کسی ایسے بشر یا کمیٹی کی تصنیف ہے جن کا نام اور حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر مخفی رکھا ہو۔

قرآن کا اثر سامعین پر کیا ہوا

قرآن نے اس قوم پر کیا اثر ڈالا جس نے اسے نو بنو اور تازہ بتازہ پیغمبر صلعم کی زبان مبارک سے سنا تھا اس سوال کا جواب تاریخ کے ان درخشاں واقعات میں سے ہے جن کا اعتراف دوست اور دشمن ہر ایک کو کرنا پڑا ہے، دنیا نے جب سے جنم لیا، آسمان نے جب سے سایہ ڈالا، زمین نے جب سے اپنی پشت پر اولاد آدم کو اٹھا لیا، کبھی ایسا عظیم ایسا سریع، ایسا محیر العقول انقلاب چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ جیسا بے مثال انقلاب عرب کی حالت میں بلا واسطہ اور سارے ربع مسکون کی روحانی حالت میں بالواسطہ اس بمثال خدا کے اتارے ہوئے بمثال قرآن کی بمثال تعلیم سے نمودار ہوا۔

صاحب آیات بینات لکھتا ہے کہ قرآن حکیم ایک ایسے زمانہ میں اترا جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کیگئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بداخلاقی اور نفاق اور جنگجوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے اُن کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں، برسوں کے بہکے ہوئے خدا کی

راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوتے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے، جو کافر تھے وہ ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بُت شکن بن گئے جو گمراہ تھے وہ خدا کی راہ دکھانے جا بلانہ حمیّت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا، خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں۔ دماغ نخوت و غرور سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر و توکل حلم بردباری، زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے، آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست پاک طبیعت، راست باز، نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا جن کی کوششوں سے شرک و بُت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے ایک بیچوں و بیچگوں، بے شبہ و بے نموں خدا کی منادی پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بُت خانوں کا نشان مٹ گیا، آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے، تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا، اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ — حق ظاہر ہو گیا اور باطل مغلوب اور بلاشبہ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ — باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے۔

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور وجدانِ نبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت میں سچے رسول اور خدا ہی کی طرف سے مؤید تھے ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی عادت میں پیدا کر دیتا اور ایسے جنگجو ستم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے، اخوت کے ایک رشتہ میں باندھ دیتا اور ان کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے اُن کے دلوں

Marfat.com

کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا، بلکہ دنیا میں ان کو اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔ سرورِ کائنات صلعم کی ہدایت کی ایسی عجیب و غریب تاثیر اور ایسے حیرت انگیز نتائج کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ درحقیقت یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی جس کی وجہ تھا کبھی کسی نے نہیں پائی، کوئی کہتا ہے کہ قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے۔ جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو متعصب سے متعصب عیسائیوں کا یہ اقرار ہے کہ دین مسیحی کی ابتدا سے آنحضرت صلعم کے وقت تک کبھی جوق روحانی ایسی برانگیختہ نہیں ہوئی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی۔

خدا نے جس سے کلام کیا یعنی اس پر اتارا اس کی فہم و اخلاق کا کیا حال تھا؟

اب قرآن کے کلام الٰہی ہو سکنے پر ایک اور طرف سے بھی غور کرو، وہ یہ کہ خداوندِ اکبر نے جس کی زبان سے کلام کیا اس کی فطرۃ کیسی تھی، پیدائشی طور پر اس نے دل و دماغ کیسا پایا تھا، فہم کے ساتھ، اخلاق کیسے تھے کس قسم کے ہوش و حواس تدبیر و تیقظ انسانی ملکات باطنی خصائل ظاہری شمائل پر وہ سطور مخلوق ہوا تھا، دنیا کے چھوٹے چھوٹے راجہ اور سلاطین بھی باوجودیکہ وہ ہم ہی جیسی انسان ہیں۔ تھوڑی سے فانی عزت اور ناپائدار خودداری کے تخیل میں ہر کس و ناکس کو منہ نہیں لگاتے۔ نہ ہر ایک کو اپنی مسند قرب و ہمنشینی پر جگہ دیتے ہیں نہ ہر ایک کو ہم کلامی کا شرف بخشتے ہیں نہ ہر ایک کی زبان سے بولتے اور

Marfat.com

تقریر کرتے ہیں، مخصوص اشخاص ہوتے ہیں جن کو مجالست اور مکالمت اور ترجمانی کا حق دیا جاتا ہے یا بطور معتمد خاص یا قائم مقام خاص کے نامزد کرتے ہیں، ہر انگریز وائسرائے نہیں بنا دیا جاتا، ہر ترک پاشا نہیں ہوتا، ہر سویلین کا یہ درجہ نہیں کہ وائسرائے سے بلاواسطہ گفتگو کر سکے ٹھیک اسی طرح سمجھ لو کہ ہر ایک انسان خدا کا مکلم یا رسول اللہ یا نبی یا اس احکم الحاکمین کا نائب السلطنت بنائے جانے کے قابل نہیں۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

خدا جس جگہ اپنی پیغمبری (کی امانت سپرد) کرتا ہے وہ اس جگہ کی محفوظ اور قابلِ اطمینان ہونے کو بھی) خوب جانتا ہے۔

اس بات کا تفصیلاً ذکر کرنا کہ کس قسم کے نفوس حق تعالیٰ شانہٗ کی ہمکلامی سے مشرف ہو سکتے ہیں میرے لئے مشکل ہے اور وقت بھی اجازت نہیں دیتا کہ میں ایسی لمبی بحث کو چھیڑوں اور اپنی بضاعت اور کفایت کے قدر اس کے متعلق کتاب العقل والنقل[1] میں عرض بھی کر چکا ہوں لیکن اجمالاً اسقدر گذارش کر دینا مناسب ہے کہ جو شخص منصب نبوت پر فائز کیا جائے۔ ضروری ہے کہ فطری طور پر اس کی دماغی قویٰ اور قلبی ملکات اور عام اخلاقی حالات تمام اقران سے اعلیٰ وارفع ہوں، فہم و دانش عزم و استقلال، صبر و ثبات خلوص نیت، ہمدردی خلائق، محنت، جفاکشی اور خدا کی اطاعت و وفاداری کے جذبہ سے اس کا ظاہر و باطن رنگا ہوا ہو۔ کوئی شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ان ملکات اور قویٰ کے فقدان کی صورت میں خدائے

[1] یہ کتاب آپ دوبارہ پاکستان میں زیر طبع ہے۔ ملنے کا پتہ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

Marfat.com

قادر و توانا جس کا علم ازلی تمام ماکان و مایکون کو محیط ہے اپنی بھاری ذمہ داری اور نیابۃ الٰہیۃ اور امانت عظیمہ کو کیف ما اتفق کسی معمولی انسان کے سپرد کر دیگا قرآن کے لانیوالے کی سیرت (لائف) کو جب ہم اس معیار پر کستے ہیں تو ہمکو ناگزیر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آج تک جتنے آدمیوں کی نسبت ملہم اور مکلم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے ان سب میں زیادہ اقدام و احق اور اس منصب جلیل کا باعتبار اپنے فوق العادۃ قوای عقلیہ و عملیہ کے دنیا کا وہ سب سے بڑا انسان ہی ہو سکتا ہے جس کو ہم نبی اُمی اور پیغمبر عربی کے مشہور اور معروف لقب سے یاد کرتے ہیں فداہ وامی اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد و الہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ اور حالاتِ زندگی اور حضور کی بعثت کا ایک ایک لمحہ ان ضخیم اور مستند کتابوں میں محفوظ ہے جن سے بڑھ کر روایت کے ہاتھ میں کوئی قابلِ اعتبار اور باوثوق ذخیرہ نہیں ہے آپ کے پیروؤں نے آپ کی سوانح زندگی اور تمامی اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو اس قدر اہتمام و استیعاب و دیانت، تیقظ اور شغف سے محفوظ رکھا کہ وہ ایک مستقل فن بن گیا بلکہ اس فن سے پھر کئی فن نکل آئے۔ غالباً کسی اُمت نے اپنی آسمانی کتاب کی بھی حفاظت اتنی نہ کی ہوگی۔ جس قدر اُمت محمدیہ نے اپنے پیغمبر کے حالات کی کی اور بیشک ایسے نبی کے حالات کی جو اب دی مذہب اور نہ منسوخ ہونے والا کلام لے کر آیا ایسی ہی حفاظت ہونا چاہیئے تھی تا مرور دھور کے بعد بھی کوئی شخص اس ہدایت کے قبول کرنے سے مُنہ نہ پھیر سکے جسے لیکر آپ تشریف لائے تھے اور یہ حیلہ نہ بنا سکے کہ ہم کو ملہم کے حالات ہی جب معلوم نہیں تو ہم کس طرح پورا پورا

Marfat.com

اطمینان کر سکتے ہیں کہ خدا کا کلام لانے والا ویسی ہی عظمت و شان کا انسان تھا جو اس عہدہ جلیلہ کے لئے ضروری ہے۔ حدیث اور سیر کی بیشمار کتابوں کی تلخیص میں اس جگہ نہیں کر سکتا البتہ آنحضرت صلعم کے اعلیٰ فہم اور اعلیٰ اخلاق کے متعلق ایک دو چیزیں اپنے رسالہ الاسلام سے نقل کرتا ہوں جو اس موقع پر انشاء اللہ کفایت کریں گی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اخلاقی و عقلی

عرب کی جہالت درشت مزاجی کو کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اُن کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اُن کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو۔ عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم زندگی گذار دیں، ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات، علم عبادات، علم اخلاق، علم سیاست، مدن میں حکمار نامدار بنا دیا۔ یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور اُن کے شاگردوں کی شاگردی کی ڈاکٹر گستاؤ لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام، اس نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آتی تھی رام کیا اور اس درجہ تک پہنچایا، کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا اور اس وقت تک بھی وہی نبی اُمی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ

آپ نہ کہیں گے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا، نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا، نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی، نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے، نہ قبیلہ والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تند خو گنواروں کو ایک ایسی صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اسوقت ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی ان کا دشمن اور بدخولہ سمجھا جا سکتا تھا یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعۃً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر و جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا وہ ایک زور و شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھار نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچا لیا۔ غرض کہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور تھوڑے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے گھر باہر کو ترک کر دیا، زن و فرزند سے بگاڑ لی، مال و دولت کو سنگریزوں سے حقیر سمجھا، اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ پیکار ہوئے کسی کو آپ نے مارا، کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے، پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا، بلکہ آپ کے بعد اسی

Marfat.com

حالت پر استقلال کے ساتھ جمے رہے، یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ دیئے فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق بتلائیے اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی سے ظاہر ہوئی ہے، یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپ کی عقل و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذاتِ خود اُمّی محض جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی، نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ دُنیاوی کا نشان، پھر اس پر ایسا دین ایسا آئین ایسی کتاب لاجواب اور ایسی آیات بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہیں لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل و تہذیب نے اس کی داد دی، قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و مضامین کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور ۔ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔

قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے یعنی یہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہو کہ اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثال بھی پیش کر سکے اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادت و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا

Marfat.com

اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے ہیں جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جب کہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم میں ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاءؐ کہنا مناسب ہوگا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہیگا اسلئے اسکی کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری ٹھہرے گا۔

قرآن کریم کی حفاظت

پس جس طرح قرآن کی ہر ایک ادا انوکھی اور ہر ایک شان نرالی ہے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت بھی بالکل نرالے طریقہ اور نئے رنگ ڈھنگ سے ہو اور چونکہ وہ محض خدا کی کتاب ہی نہیں بلکہ اس کا کلام معجز ہے اس لئے نہ صرف اس کے مطالب اور علوم بلکہ اس کی عبارت اور الفاظ بھی تغیر و تبدیل سے مصؤن و مامون رہے بظاہر یہ ایک ایسا مشکل اور اہم اور پر صعوبۃ مقصد تھا کہ اگر اس کا التزام صرف ناتواں بندوں کی مرضی، ہمت، تدبیر، اور انتظام کے حوالہ کر دیا جاتا اور ایک خاص قسم کی توفیق ربانی ان کی مدد نہ کرتی تو کسی طرح اسکا سرانجام آسان نہ تھا لیکن اس سے پہلے کہ بندے اس کی حفاظت کے سامان مکمل کرتے خود قرآن اتارنے والے نے بڑے موکد اور قطعی عنوان سے اس کا تکفل فرمالیا چنانچہ اسی وقت جب کہ کسی انسان کو یہ یقین کر لینے کیلئے بظاہر کچھ اسباب موجود نہ تھے کہ قرآن بھی معاذاللہ کچھ زمانے کے بعد ویسے ہی غلط اور محرف ترجموں کی صورت میں باقی نہ رہجائے گا جس میں کہ توراۃ و انجیل موجود

ہیں صاف صاف اعلان فرما دیا گیا کہ :-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	بیشک ہم ہی نے قرآن اتارا ہے اور بیشک ہم ہی
وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ۝	اس کے نگہبان بھی ہیں۔

یہ وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز ذرائع سے پورا ہو کر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب اور مغرور مخالفوں کے سر بھی نیچے ہو گئے جس طرح قرآن کی بے نظیر فصاحت و بلاغت کے آفتاب نے لمبے چوڑے دعوے کرنیوالوں کی آنکھیں خیرہ کر دیں اسی طرح اس کی بے عدیل حفاظت و خدمت نے بھی ایک مرتبہ اور تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ ہر زمانے میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے ایسا رہا کہ جس نے قرآن کے علوم و مطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اسکے الفاظ اور عبادت کی وہ حفاظت کی کہ نزول قرآن کے وقت سے آج تک ایک زبر یا زیر تبدیل نہ ہو سکا کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں۔ کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ ہو جنہوں نے کاغذ کے اوراق میں نہیں جو مرٹے جانے اور جل جانے کا امکان رکھتے ہیں سیاہی کے نقوش میں نہیں جن کے محو اور مشکوک ہو سکنے کا احتمال ہے لکڑی اور لوہے کے صندوقوں میں نہیں جن کے کھوئے جانے یا ٹوٹ جانے کا اندیشہ

Marfat.com

ہے بلکہ اپنے دلوں کے اوراق میں اور سینوں کے صندوقوں میں بڑی احتیاط اور خبرداری سے محفوظ رکھا۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔

مگر جن لوگوں کو عقل دی گئی ہے انکے عقیدہ میں تو یہ (قرآن ایسی کھلی، کھلی آیتیں ہیں کہ کوئی منصف مزاج ان سے انکار نہیں کر سکتا۔

خیال کرو کہ آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزو کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک غیر ملکی زبان کی اتنی ضخیم کتاب کو جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فر فر سنا دیتا ہے رمضان المبارک میں اسلامی مساجد کا وہ سین دیکھنے کے قابل ہے جب چھوٹے چھوٹے بچے اپنی ننھی آواز اور معصومانہ لہجہ میں قرآن شریف سنا کر سامعین کے دلوں کو وجد میں لے آتے ہیں پھر کسی مجلس میں ایک حافظ سے کوئی حروف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگذاشت ہو جائے تو چاروں طرف سے تصحیح کرنیوالے للکارتے ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ ان حالات کو سامنے رکھ کر تاریخ سے دریافت کرو کہ کیا قرآن کے سوا کبھی دنیا میں کسی اور کتاب کی بھی اس قدر حفاظت اور خدمت ہوئی ہے، میں یقین کرتا ہوں کہ کتنا ہی بڑا نکتہ چینی کرنیوالا کیوں نہ ہو اس قدر انصاف کشی نہ کرے گا کہ وہ قرآن کی اس بے مثال حفاظت میں بھی شبہ اور شکر کرنے لگے باقی ایسے سوفسطائیوں سے میرا خطاب نہیں جو محسوسات اور مشاہدات میں بھی لاادری کہنے سے دریغ نہ کریں۔

Marfat.com

قرآن کریم کی تعلیم

قرآن کریم نے تمامی ابواب ہدایت کے متعلق جو کچھ تعلیم دی ہے اس کی پوری تفصیل کسی السنانی بیان میں کہاں سما سکتی ہے قرانی علوم کا دریائے ناپیدا کنار کس کی مٹھی میں آسکتا ہے اور کس کی طاقت ہے کہ وہ اس رب العزت کے سمندر کو ایک کوزہ میں بند کر سکے لیکن قرآن کے اعجازوں میں سے شاید یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ جس قدر مشکل ہے اسی قدر آسان بھی ہے جتنا طویل و عریض ہے اتنا ہی مختصر بھی ہے یعنی جس طرح وہ ایک بڑے سے بڑے روشن دماغ حکیم کا پیٹ حکمتوں سے بھر دیتا ہے اسی طرح ایک وحشی سے وحشی انسان کی پیاس بھی اپنے چشمۂ ہدایت سے بجھا سکتا ہے، میں اسوقت قرآن کے علوم و معارف کا تھوڑا سا اندازہ کرنے کے لئے بڑے بڑے کتب خانوں اور درسگاہوں کا حوالہ نہیں دیتا بلکہ ایک بہت ہی سہل طریقہ بتلاتا ہوں کہ مضامین روحانیت اور ابواب ہدایت میں سے جو مضمون اور باب چاہو لے لو اور جتنی کتابیں آسمانی ہونے کی مدعی ہیں ان میں صرف ایک باب سے متعلق جو تعلیمات ہیں ہر ایک مذہب والا انتخاب کر کے پیش کر دے انسانی کتابوں اور آراء سے کوئی اضافہ نہ کیا جائے۔ جو کچھ ہو آسمانی کتاب کے حوالے سے مع اصل عبارت کے ہو اور عبارت کا صحیح ترجمہ ملکی زبان میں کر دیا جائے اس کے بعد وہ سب تحریریں کسی ایک متفق علیہ حکم کے سامنے یا اگر یہ نہ ہو سکے تو عام پبلک کے روبرو پیش کر دی جائیں بیک نگاہ سب کے سامنے آنے سے دنیا خود فیصلہ کر

Marfat.com

بے گی کہ کس کتاب کی تعلیم اس باب میں زیادہ جامع، زیادہ موثر، زیادہ مبرہن زیادہ قابلِ قبول ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر آسان اور بے تکلف صورت تعلیمی موازنہ کی اور کوئی نہ ہو گی۔ ع

بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

قرآنِ کریم میں اللہ جلّ شانہٗ کے کمالات و صفات کا بیان اور ذکر اللہ کی کثرت

مولانا مولوی فیروز الدین صاحب ڈسکوی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔

"پھر ایک بڑی بھاری دلیل قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے کی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کو نہایت اعلیٰ طور پہ بیان کیا گیا ہے، کلام الٰہی کا خاصہ ہے کہ اس میں خالق کائنات کی تمام صفاتِ کاملہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان اور اس کی صفات کاملہ ایسے طور پہ مذکور ہوتی ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ ایسے ڈھنگ سے بیان ہوئی ہیں کہ اس خصوصیت میں دنیا کی کوئی کتاب اس کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتی بات بات میں اللہ تعالیٰ عظمت و شان چمکتی ہے اور اس کی الوہیت، ربوبیت، خالقیت، رحمانیت اور قدوسیت اعلیٰ سے اعلیٰ طور پہ جلوہ گر ہوتی ہے۔ سارا کلام الٰہی اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ کاملہ رب العالمین سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کا نام اس کثرت سے آتا ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب

اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ گویا قرآن شریف جا بجا خدا کا نام یاد کرنے کے لئے ایک بہانہ اور موقع ڈھونڈتا ہے۔ قرآن شریف کا کوئی صفحہ الٹاؤ اس کا کوئی حصہ پڑھو اس میں اللہ کا نام یا اس کی کسی اور صفت کا ذکر پاؤ گے، قرآن شریف میں صرف دعائیں اور خدا کی صفات ہی نہیں بلکہ اس میں تمام معاملات دینی و دنیوی اور قوانین قومی و ملکی بھی بیان کئے گئے ہیں با ایں ہمہ اس میں اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کے اسماء حسنیٰ جا بجا پائے جاتے ہیں ایسی جگہوں پر اور ایسے معاملات میں بھی جہاں انسان سے سخت دشوار ہے کہ اللہ کا نام لا سکے۔ قرآن میں اللہ کا لفظ ۶۶۶۶ دفعہ آیا ہے اور اس کے باقی اسماء حسنیٰ کا کچھ شمار نہیں اور جو ضمائر اللہ تعالیٰ کی طرف پھرتی ہیں ان کی گنتی بجز خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ تسبیحات اور تہلیلات اور دعاؤں وغیرہ کے موقعہ پر تو اللہ تعالیٰ کا نام آ ہی جاتا ہے لیکن معاملات اور تعزیرات کے موقعہ پر جس طرح قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا نام آیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی سے خصوصیت رکھتا ہے دنیا کی کوئی کتاب اس خصوصیت میں قرآن شریف سے مقابلہ نہیں کر سکتی توریت و انجیل وغیرہ کے صفحوں کے صفحے خدا کے ذکر اور اس کے نام سے خالی ہیں لیکن قرآن شریف کا کوئی صفحہ کوئی حصہ یاد الٰہی اور نام الٰہی سے خالی نہیں خدا تعالیٰ نے اس واقعہ اور اس معاملہ کا طرز بیان اور اسلوب ہی اس ڈھنگ پر ڈالا ہے کہ خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کا ذکر کہیں بیچ میں ضرور آ جاوے کوئی معاملہ، کوئی واقعہ، کوئی قصہ، ایسا نہیں جس میں بار بار اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ آئے۔ قرآن شریف کے پڑھنے سے نہ صرف دینی احکام اور الٰہی شریعت سے

Marfat.com

آگاہی ہوتی ہے بلکہ کلام ربانی سارے کا سارا یاد الٰہی سے پر ہے۔ صفحے الٹتے جاؤ اور خدا تعالیٰ کا نام بار بار پڑھتے جاؤ اور خدا تعالیٰ کا نام بار بار پاتے جاؤ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی کمال ثواب ہے کیونکہ وہ اسمار حسنیٰ سے پر اور ورد اور وظیفے کی بھی ایک مقدس کتاب ہے مثال کے طور پہ ایک سورۃ طلاق کو لے لو سورۂ طلاق کے نام سے تو مفہوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف عورتوں کے طلاق دینے کی بابت احکام و ہدایات ہونگی لیکن نہیں اس میں عبرت، وعظ، تذکیر اور خدا تعالیٰ کے مقدس ناموں کا وظیفہ بھی ہے چنانچہ اس چھوٹی سی سورۃ میں پچیس جگہ اللہ کا لفظ آیا ہے اور بہت سی ضمائر خدا کی طرف پھرتی ہیں باوجودیکہ اس سورت میں معاملہ طلاق کا ذکر ہے جس کو اگر کوئی اور شخص بیان کرتا تو شاید ایک دو جگہ بھی اللہ کا نام نہ لاتا اچھا ہر ایسی کتاب کا جو آسمانی کہی جاتی ہو۔ کیف ما اتفق ایک ایک صفحہ ہاتھ میں اٹھا لو اور شمار کر لو کہ اس صفحہ میں خدا کا نام کتنی جگہ اور کیسی عظمت و شان سے آیا ہے یہ موٹی سی بات ہے پتہ دیدے گی کہ کون سی کتاب آسمانی ہے جو کسی معاملہ میں ذرا سی دیر کے لیئے اپنے پڑھنے والے کو خدا کی یاد سے غافل نہیں رہنے دیتی اور جو اس کا امکان بھی نہیں چھوڑتی کہ ہزارہا سال تک کروڑوں انسان اگنی وغیرہ الفاظ سے جو بقول سوامی دیانند پرمیشور کے نام تھے آگ اور دوسرے عناصر وغیرہ سمجھ کر خدا کی جگہ ان ہی چیزوں کی عبادت، (پوجا) کریں۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کی بے نظیر سلاست اور روانی

مولانا فیروز الدین فرماتے ہیں :- "پھر ایک دلیل قرآن شریف کے کلام ربانی ہونے کی اس کی وہ لاثانی بندش اور بے نظیر روانی ہے جس پر آجتک ایک دنیا شیدا ہے کوئی عربی عبارت پڑھو اس کی بندش اور روانی معمولی قسم کی ہوگی لیکن قرآن شریف کی روانی اور سلاست اس قسم کی ہے کہ جو لوگ معنیٰ نہیں جانتے جو لوگ عربی سے کچھ مس نہیں رکھتے وہ ابھی اس کی روانی اور سلاست کو دیکھ کر شیفتہ اور حیران ہیں۔ خوش آواز قاری جب قرآن شریف کو ایک لحن مرغوب اور اسلوب خوش سے پڑھتا ہے تو دلوں میں زلزلہ اور روحوں میں ولولہ ڈال دیتا ہے عام قاری و حافظ جب قرآن شریف کو ایک جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کس قدر اثر قلب پر ہوتا ہے دنیا کے سردار حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب اس کلام پاک کو پڑھتے ہوں گے تو سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ اثر پہنچتا ہوگا کلام الٰہی کے الفاظ واقعات کی زندہ تصویریں معلوم ہوتی ہوں گی جو سننے والے کے پیش نظر ہیں کسی شخص کی طاقت ہے کہ قرآن شریف کی سلاست اور روانی کی بابت کچھ بیان کر سکے وہ ایک وجدانی امر ہے اور وجدانیات کی لذت کو بجز چکھنے کے کس کو یارا ہے کہ معرض تحریر یا تقریر میں لا سکے۔ قرآن شریف کی عبارت پر جیسے پڑھے ہوئے مفتون ہیں ویسے ہی اَن پڑھ عاشق ہیں، یہی عبارت کی روانی اور دلوں پر عجیب اثر ڈالنے والی جادو بیان کفار عرب کو اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی تھی کہ :-

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۙ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

(یہ (قرآن) تو بس (ایک قسم کا) جادو ہے، جو (نگاہوں سے) چلا آتا ہے اور بس تو کیا تم دیدہ و دانستہ جادو (کی باتیں سننے کو آتے ہو)

تمام آسمانی کتابوں کے مدعی اسی طرح موازنہ کر لیں کہ ہر کتاب کی تھوڑی سی عبارت جس طرح پڑھی جاتی ہے کس اچھے صحیح اور صاف پڑھنے والے سے مجلس میں پڑھوا کر دیکھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ قلوب کس سے زیادہ لذت اور اثر حاصل کرتے ہیں قرآنِ کریم عام اشعار کی طرح کلام منظوم نہیں لیکن اس نے نظم کی روح نکال کر نثر میں ڈال دی ہے، ایک بالکل ہی اچھوتا اسلوب عام نثر اور نظم کے درمیان اختیار کیا ہے کہ شاعر اور خطیب دونوں کی روحیں سو جان سے اس کی لطافت اور شوکت پر قربان ہوتی ہیں۔ قرآن کی ان حسی اور معنوی خوبیوں کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے کہ:۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

قرآن میں ایک مضمون دوسرے سے مغلوب نہیں ہوتا

انسان چونکہ مخلوق ہے اور کمزور مخلوق ہے اسلئے جب اس پر کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کے مقابل والی حالت مضمحل اور مغلوب ہو جاتی ہے بڑے سے بڑا قادر الکلام لیکچرار جب غصہ میں بھرا ہوا مضمون بیان کرتا ہے تو بیچ میں اسی وقت ملاطفت اور مہربانی کی تقریر ویسے زور سے نہیں کر سکتا اسی

Marfat.com

طرح شفقت ورحمت کے ساتھ اگر غضب وسخط کی بھی ضرورت ہو تو دونوں کا مساویانہ توازن قائم رکھنا ناممکن ہوجاتا ہے یہ صرف خداوند اکبر ہی کی ذات کا خاصہ ہے جسکی ایک صفت دوسری صفت کیلئے مزاحم نہیں ہوتی اور جس کو ایک شان دوسری شان سے مشغول نہیں کرسکتی کہ وہ ہر وقت وہر آن تمامی متقابل صفات کے ساتھ متصف ہے اسی لئے جب اس کے کلام کو ہم پڑھتے ہیں تو رحمت کے ساتھ غضب، وعدہ کے ساتھ وعید، تبشیر کے ساتھ انذار اور خوف کے ساتھ رجب ترازو کے دو پلوں کی طرح ہمیں برابر نظر آتے ہیں۔ جن میں سے کوئی بھی دوسرے سے جھکا نہ ہو، عین غضہ کے وقت پیار اور پیار کے ساتھ غصہ اس طرح کہ ایک کا بیان دوسرے سے وزن میں گھٹنے نہ پائے یہ صرف اسی رب العلمین کے کلام میں دیکھا گیا ہے۔

قرآن میں غیبی خبریں

قرآن کے مضامین کے متعلق ایک اور ضروری چیز بیان کرنے سے رہ گئی اور وہ امم ماضیہ اور سنین گذشتہ کی ایسی مفصل اور درست خبریں اور واقعات مسند قبلہ کے متعلق اس کی متعدد پیشن گوئیاں ہیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوچکیں یہ نہیں کہ کاہنوں اور منجموں کے اٹکل پچو بیانات کی طرح سو میں ایک دو دفعہ تیر نشانہ پر جالگا بلکہ قرآن نے جن واقعات کی خبر دی وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح نور افزائے دیدہ بصیرت ہوئے۔ مثال کے طور پر آپ اس آیت کو لے لیجئے۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۔

قریب کے ملک (یعنی فارس) میں روی (جو نصاری ہیں اہل فارس سے جو آتش پرست ہیں) مغلوب ہوگئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہونے کے پیچھے عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آجائیں گے۔

عجم پر روم کے غلبہ کے متعلق جو خبر جتنے زمانہ کی ساتھ مقید کر کے اس آیت میں دی گئی تھی وہ بلا کم و کاست پوری ہوئی اگر آپ قرآن کی پیشین گوئیوں کے متعلق مفصل دیکھنا چاہتے ہیں تو علمائے اس باب میں مستقل رسالے لکھے ہیں ان کا مطالعہ کیجئے میں نے تو صرف ایک نمونہ دکھلا دیا ہے۔ اخبار ماضیہ میں بعض کو چشم یہ کہدیتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے پوچھ کر درج کر دیئے ہونگے حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ خود امی تھے آپ کی قوم امی تھی مادری زبان عربی کے سوا کوئی دوسری زبان آپ نے سیکھی نہیں تھی کسی عالم کی ملازمت و صحبت کا آپ کو موقعہ نہیں ملا جو اس قدر مفصل اور مستند واقعات اخذ کر سکتے اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگ جن کے پیش نظر آپ کی زندگی کے تمام اطوار و ادوار تھے اور پھر ہر وقت ایسی چیزوں کا کھوج لگانے میں سرگرم تھے جو آپ کی تکذیب کا ذریعہ بنیں تیئیس سال کی طویل مدت میں سب سے پہلی ایسی شہادتیں بہم پہنچا کر شائع کر دیتے، شاید اسی لئے قرآن پاک نے ایسے غیر نامنی عن الدلیل احتمالات کا رد کرنا بھی ضروری نہ سمجھا، صرف اس قدر تنبیہ کر دی کہ نبی امی صلعم

Marfat.com

پچھلے واقعات بن دیکھے بیان کر رہے ہیں وہ اس کے سوا نہیں، کہ وحی الٰہی نے ان کو معلوم کرائے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ	(اے پیغمبر) یہ غیب کی چند خبریں ہیں
نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ	جن کو وحی کے ذریعہ سے ہم تم کو پہنچاتے
تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا	ہیں اس (قرآن کے نازل ہونے) سے پہلے
قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا	نہ تو تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری
	قوم کے لوگ۔

اور فرماتے ہیں۔

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ	اور (اے پیغمبر) جس وقت ہم نے موسیٰؑ کو
إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ	(رسالت کے) اختیارات دیئے تو تم طور کی
وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝	مغربی جانب (جہاں موسیٰؑ کو رسالت ملی تھی
وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا	موجود) نہ تھے۔ (مگر بات یہ ہے کہ) ہم نے
فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ	بہت سی اُمتیں نکال کھڑی کیں اور ان پر
الْعُمُرُ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا	بہت سے قرن گذر گئے اور نہ تم مدین کے
فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو	لوگوں میں رہے کہ تم ان کو ہماری آیتیں
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا	پڑھ کر سناتے تھے (اور یوں تم کو اس
كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَ	وقت کے حالات معلوم کرنے کا موقعہ ملا ہو)
مَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ	بلکہ ہم کو (تمہیں پیغمبر بنا کر) بھیجنا (منظور)
إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً	تھا اور نہ اس وقت کہ ہم نے (موسیٰؑ کو)

مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ ، قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ

بلایا تھا تم طور کے (کسی) طرف موجود تھے (کہ تم نے وہ واقعات بچشم خود دیکھے ہوں بلکہ (یہ) تمہارے پروردگار کی (ایک) مہربانی ہے تاکہ تم ان لوگوں کو ڈراؤ جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ عجب نہیں (تمہارے ڈرانے سے) یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

اور فرماتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ

(اے پیغمبر) یہ چند غیب کی باتیں ہیں جن کو ہم وحی کے ذریعہ سے تمہیں معلوم کراتے ہیں (اور یہ تمہاری صداقت کی دلیل ہے) ورنہ جس وقت یوسف کے بھائیوں نے اپنا مصمم ارادہ کر لیا تھا (کہ یوسف کو کنوئیں میں ڈالدیں) اور وہ ان کے ہلاکت کی) تدبیر کر رہے تھے تم تو ان کے پاس موجود نہ تھے (کہ یہ حالات تم کو بطور خود معلوم ہو جاتے)

اچھا واقعات گذشتہ میں آپ کے یہ احتمالات سہی لیکن مستقبل کے متعلق جو بکثرت خبریں دی گئیں اور ایک کی بھی کوئی تکذیب نہ کر سکا۔ ان میں بجز اس کے کہ اس عالم الغیب والشہادت کی طرف نسبت کیا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

خاتمہ کلام

میں اپنی تقریر اب ختم کرتا ہوں اور قرآن کریم کی تین بہت ہی چھوٹی

Marfat.com

چھوٹی سورتیں (العصر، الکوثر، الاخلاص) پیش کرکے جو اخیر پارہ میں ہیں تمام مذاہب کو چیلنج دیتا ہوں کہ ان سورتوں میں سے کسی ایک کے مقابلہ میں کوئی پرانا یا نیا کلام سب مل کر لے آئیں جس میں ایسے مختصر اور جامع الفاظ میں اس طرح کے مضمون کو اسی قدر خوبیوں اور لطائف و مزایا کی رعایت کے ساتھ ادا کیا گیا ہو جتنا کہ ہم اہل اسلام بحول اللہ وقوۃ بوقت مقابلہ ہر دو کلام قرآن کریم کی اس سورت کی عبارت اور اسلوب میں بتلا سکتے ہیں اور اس کام کے لئے جتنی مدت اور مہلت معارضہ کرنے والے چاہیں وہ دی جا سکتی ہے اور ہر ایک معقول شرط منظور کی جا سکتی ہے لیجئے ساری بحثیں اور سارے مناظرے صرف ایک ذرا سی بات پہ تمام ہوتے ہیں۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ	اس پر بھی اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر
تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ	سکو گے تو تم کو ڈرنا چاہیئے اُس آگ سے جس
الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ	کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر جو تیار کیگئی
الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ	ہے منکروں کے لئے۔

خاتمہ مضمون پہ میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اس تقریر میں صرف یہ کوشش کی ہے کہ ایک صاف اور سلیس اور معقول طریقہ سے قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا واضح کر دیا جائے مضمون کے دوسرے حصص جو شاید اس کے بعد شائع ہو سکیں، ان میں تفصیلاً بتلایا جائے گا کہ قرآن کریم کے متعلق مخالفین اسلام نے کیا کیا شکوک و شبہات پیش کئے ہیں اور ان کا

Marfat.com

ازالہ کس طرح ہوسکتا ہے اُمید ہے کہ یہ سلسلہ مبلغین اور مناظرینِ اسلام اور طالبین حق وصدق کے لئے نافع ہوگا۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

الرّاقم

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دارالعلوم دیوبند ۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۲ھ

Marfat.com

Marfat.com

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ القرآن

ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں

اَلرُّوحُ فِی القرآنِ

روح کیا ہے؟ اور قرآن کا
موقف اس سلسلہ میں کیا ہے؟

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

۲۲۳

Marfat.com

اَلرُّوْحُ فِی الْقُرْاٰنِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں ۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے

رَبِّیْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَئِنْ

بنی ہے ۔ اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے ۔ اور اگر ہم چاہیں تو

شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

جس قدر آپ پر وحی بھیجی ہے ۔ سب سلب کر لیں ۔ پھر اس کے لئے آپ

لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط

کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے ۔ مگر آپ کے رب ہی کی رحمت ہے

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ

بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے ۔ آپ فرما دیجئے اگر تمام انسان

الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور جنات سب اس بات کے لئے جمع ہو جاویں کہ ایسا قرآن بنا لاویں تب

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

بھی ایسا نہ لا سکیں گے۔ اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا عمدہ مضمون طرح طرح سے

فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کئے ہوئے نہ رہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ

ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا

جاری کریں یا خاص آپ کیلئے کھجور اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر اس باغ کے بیچ بیچ

تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا

میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری کر دیں۔ یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آپ آسمان کے ٹکڑے

اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ

ہم پر گرا دیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کر دیں۔ یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا

مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

ہوا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے کو بھی کبھی باور نہ کریں یہاں

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ

تک کہ آپ ہمارے پاس ایک نوشتہ لائیں جس کو ہم بھی پڑھ لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ سبحان اللہ

رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

میں بجز اسکے کہ آدمی ہوں پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔

Marfat.com

ویسئلونک عن الروح (پ۱۵ ع۱۰)

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کی نسبت

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے۔ اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا اور "سیر" کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں "قریش" نے "یہود" سے یہ سوال کیا تھا۔ اسی لئے آیت کے "مکی" اور "مدنی" ہونے میں اختلاف ہے۔ ممکن ہے کہ نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے۔ اُدھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں از راہ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شفا سے فائدہ اُٹھاتے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ رکوع ۵)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (نحل رکوع ۱)

مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں؟

روح کیا ہے۔ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے۔ نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ میں داخل ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے۔ روح جو بہر حال مادہ سے کہیں

Marfat.com

زیادہ لطیف وخفی ہے اس کی ماہیت وکنہ تک پہنچنے کی پھر کیا اُمید کیجا سکتی ہے۔ مشرکین مکہ کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی وہ "روح" کے حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہوگی ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔

کہدے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ حضرتؐ کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے (کھولکر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں، اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی وہ جی اُٹھا۔ جب نکل گئی وہ مرگیا۔ اھ

الفاظِ قرآنی کی سطح کے نیچے عمیق حقائق مستور ہیں

حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کج رَو معاندین کے لئے کافی ہے۔ لیکن اسی سطح کے نیچے، ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہِ طلب و تحقیق و چراغِ ہدایت کا

Marfat.com

کام دیتی ہیں۔

"روح" کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا اور نہ شاید ہو سکے "روح" کی اصلی کنہ وحقیقت تک پہنچنے کا دعوے تو بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ وحقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ تاہم میرے نزدیک آیاتِ قرآنیہ سے روح کے متعلق چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

روح قرآنی کے متعلق چند نظریات

۱۔ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے۔ جسے "روح" کہتے ہیں۔ وہ "عالمِ امر" کی چیز ہے اور خدا کے حکم سے فائض ہوتی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل)

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آلِ عمران)

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ، فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (المومنون)

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (نحل)

۲۔ روح کی صفاتِ علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصولِ کمال کے اعتبار سے بیحد تفاوت اور فرقِ مراتب ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے جیسے روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے۔

Marfat.com

محققین کہتے ہیں کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں امر کی اضافت سے رب کی طرف اور رب کی یاء متکلّم کی طرف جس سے مراد نبی کریم صلعم ہیں اس طرف مشیر ہے کیونکہ امام راغبؒ کی تصریح کے موافق رب اُس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو بتدریج حدّ کمال تک پہنچائے جہاں تک پہنچنے کی اس میں استعداد پائی جاتی ہو۔ چنانچہ دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ و اکمل استعداد کے موافق اللہ نے آپ کو حسّی و معنوی حیثیت سے کس قدر بلند مقام پر پہنچایا۔ آپ کو علوم و معارف سے بھری ہوئی وہ کتاب مرحمت فرمائی جس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ الآیۃ

اور حسّی طور پر آپ کو شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اُوپر لے گئے جہاں تک کسی نبی یا فرشتہ کو عروج میسّر نہ ہُوا تھا۔

۱۲:۳۔ مگر روح کے یہ کمالات ذاتی نہیں، وہاب حقیقی کے عطا کئے ہُوئے اور محدود ہیں۔ چنانچہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا سے معلوم ہوا کہ علم کسی اور کا دیا ہُوا ہے۔ اور جو علم تم کو دیا گیا وہ سب دینے والے کے علم کے سامنے نہایت قلیل اور محدود ہے۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہف) وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰهِ (لقمان) اسی طرح آگے مشرکین کے قول لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا کے جواب میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا، فرمانا اس کی دلیل ہے کہ علم کی طرح بشر کی قدرت بھی بہرحال محدود و مستعار ہے۔

۴:۔ روحِ انسانی خواہ علم و قدرت صفات میں کتنی ہی ترقی کر جائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوئے سبقت لیجائے پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں۔ صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہو جاتیں اور یہی بڑی دلیل اس کی ہے کہ روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم و غیر مخلوق ہستی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔

۵:۔ کتنی ہی بڑی کامل روح ہو حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اُس سے کمالات سلب کر لے گو اُس کے فضل و رحمت سے کبھی ایسا کرنے کی نوبت نہ آئے۔ بدل علیہ قولہ تعالیٰ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ إِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا۔ یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نفس آیات میں ادنیٰ تامل کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں صرف "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے اُمید ہے کہ روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

لفظ امر کی تشریح اور امر و خلق کا فرق

لفظ امر قرآن میں بیسیوں جگہ وارد ہوا ہے اور اس کے معنی میں علماء نے کافی کلام کیا ہے۔ لیکن ہماری غرض سورۂ اعراف کی آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "امر" دوسرا "خلق"۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاقِ آیات سے بسہولت سمجھ سکتے

Marfat.com

ہیں پہلے فرمایا اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ یہ تو "خلق" ہُوا۔ درمیان میں "استوار علی العرش" کا ذکر کرکے جو شانِ حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ یعنی ان مخلوقات کو اک معیّن نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر و تصریف کہہ سکتے ہیں، یہ "امر" ہُوا۔ اسی طرح سورۂ طلاق میں ارشاد ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ۔ گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔ کوئی کپڑا بن رہی ہے۔ کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتابیں چھاپتی ہے۔ کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے۔ کسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیر ذلک۔

ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض و غایت کا لحاظ کرکے ایک معیّن اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔ پھر سب پُرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔ جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانے سے ہر مشین کی طرف جُدا جُدا راستہ سے نٹ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ آنِ واحد میں ساکن و خاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کیموافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔ بجلی ہر مشین اور ہر پُرزہ کو اُس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے حتیٰ کہ جو قلیل و کثیر کہر بار روشنی کے بلبوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے۔ وہاں پہنچکر اُن ہی قمقموں کی ہیئت اور رنگت اختیار کر لیتی ہے۔

"خلق" کیا ہے؟

اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اُس کے پرزوں کا ٹھیک اندازہ رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جن کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے اوّل آسمان و زمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کیموافق تیار کیا جس کو "تقدیر" کہا گیا ہے قَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے "تصویر" اور "تسویہ" کہتے ہیں خَلَقْنٰکُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰکُمْ اور فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

"امر" کیا ہے؟

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے۔ لگا دیا جائے مشین کو چالو کرنے کیلئے "امر الٰہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسم "بارئ" سے ہے اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ وفی الحدیث فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَاءَ النَّسَمَۃَ وفی سورۃ الحدید مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ای النفوس کما ہو مروی عن ابن عباس وقتادۃ والحسن۔

غرض ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امر الٰہی" کو فرمایا اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یٰسین) دوسری جگہ نہایت وضاحت کیساتھ امر "کن" کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (آل عمران) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں "کُنْ فَیَکُوْنُ" کا مضمون

Marfat.com

جتنے مواضع میں آیا، عموماً خلق اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کیلئے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

روح کا مبدء صفت کلام ہے

بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "امر" کے معنی یہاں "حکم" کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا۔ اور "کن" جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں۔ کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "روح" کیساتھ" اکثر جگہ قرآن میں "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ اور پہلے گذر چکا کہ "امر" عبارت ہے کلمہ "کن" سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اُس طریقہ پر کیجائے جس سے غرضِ ایجاد و تکوین مرتب ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبدء حق تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ کلام ہے جو صفتِ علم و حیات کے ماتحت ہے۔ شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ میں اُسی اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم و امر سے صادر و مصدر کی ہوتی ہے مخلوق و خالق کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا، ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہٗ سے صادر ہو کر ممکن ہے کہ "جوہر مجرد" کے لباس میں یا ایک "ملک اکبر" اور "روح اعظم" کی صورت میں ظہور پکڑے

جسکا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم کہربائیہ روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔
گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں اور اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ کے بیشمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے۔ اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ ہر مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کیموافق کام لیتا اور اُس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے۔ بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔

روح کا مبدء صفت کلام ہے پھر وُہ "جوہر مجرد" جسم لطیف کیونکر بن گئی؟

وہی یہ بات کہ "کن" (ہوجا) کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں، کہ ہم خواب میں جو اشکال و صور دیکھتے ہیں بعض اوقات وُہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، چیتے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔
اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کیساتھ قائم ہیں۔ وہ جواہر و اجسام کیونکر بن گئے۔ اور کس طرح اُن میں اجسام کے لوازم و خواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی یہ آثار و لوازم جدا نہیں ہوتے۔

خواب کی مثال سے مطلب کی تفہیم

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوتِ مصوّرہ میں اُس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کیموافق غیر مجسّم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور اُن میں وہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرلے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے اُن کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے، تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصوّر برحق جلّ و علا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفتِ قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔

روح حادث ہے اور اس کا مبدأ (امرِ رب) قدیم ہے

وُہ ارواح و ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور امرِ الٰہی بحالہٖ قائم رہے۔ امکان و حدوث کے احکام و آثار ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور "امرِ الٰہی" اُن سے پاک و برتر ہو جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب مثلاً آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورتِ نارِیہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ اسی آگ کا تصوّر سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک لمحہ کیلئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔

Marfat.com

ظاہر اور مظہر کے احکام جُدا جُدا ہیں

پس کوئی شبہ نہیں کہ رُوح انسانی (خواہ جوہر مجرّد ہو یا جسم لطیف نورانی" "امر ربی" کا مظہر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے تمام احکام و آثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو القاہر واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں اُن سے مقصود محض تسہیل و تقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

اے بروں از وہم و قیل و قال من خاک بر فرق من و تمثیل من

روح جوہر مجرد ہے یا جسم لطیف؟

رہا یہ مسئلہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمار قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے، یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہلحدیث کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب اطال اللہ بقاءہٗ نے فرمایا کہ بالفاظِ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں۔

(۱) وہ جواہر جن میں مادّہ اور کمیّت دونوں ہوں جیسے ہمارے "ابدان مادیہ"

(۲) وہ جواہر جن میں مادّہ نہیں صرف کمیّت ہے جنہیں صوفیہ "اجسام مثالیہ" کہتے ہیں۔

(۳) وہ جواہر جو مادّہ اور کمیّت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ "ارواح" یا حکماء "جواہر مجردہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

پس جمہور اہل شرع جس کو "روح" کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی"

Marfat.com

سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادّی کی طرح آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔

روح کا بدن سے جُدا ہونا موت کو مستلزم نہیں

یہ روح بدن مادی سے کبھی جُدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کیساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر حالتِ موت طاری نہیں ہونے پاتی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے قول کیموافق جو بغوی نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے اسوقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچکر بقاء حیات کا سبب بنتی ہے جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسا کہ حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب خیز نتائج رونما ہوئے۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزلِ مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا ہی مکمل ہے جیسا کہ ہوابازکی مدد سے عمل میں آتا۔

آجکل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں جن میں روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔

Marfat.com

بہرحال اہلِ شرع جو "روح" ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روحِ مجرّد مانتے ہیں جس میں استحالہ نہیں بلکہ اس روحِ مجرد کی بھی اگر کوئی اور "روح" ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر "امرِ ربی" کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے "منطق الطیر" میں کیا خوب فرمایا ؎

ہم زجملہ بیش و ہم پیش از ہمہ — جملہ از خود دیدہ و خویش از ہمہ
جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاد — اے نہاں اندر نہاں ای جانِ جاں

روح ہر چیز میں ہے اور ہر چیز کو ایک حیثیت سے زندہ یا مُردہ کہہ سکتے ہیں

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو "کن" کی مخاطب ہوئی روحِ حیات پائی جاوے بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مخلوق کی ہر نوع کو اس کی استعداد کیموافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی گئی ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا "کن" (اس کام میں لگ جا) بس یہی اس کی روح حیات ہے۔ جبتک اور جس حد تک یہ اپنی غرضِ ایجاد کو پورا کرے گی اُسی حد تک زندہ بُجھی جائے گی، اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطّل ہوتی جائے گی۔ اُسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

یہ مضمون بہت طویل اور محتاج بسط و تفصیل ہے۔ ہم نے اہلِ علم و فہم کیلئے اپنی بساط کیموافق کچھ اشارہ کر دیئے ہیں۔ شاید قرآن مجید پر نکتہ چینی کرنیوالے اصحاب

اتنا سمجھ لیں کہ روح کے متعلق بھی قرآنِ حکیم میں وہ رموز و حقائق بیان ہوئے ہیں جنکا عشر عشیر دوسری آسمانی کتاب میں بیان نہیں ہوا۔ واللہ سبحانہٗ تعالیٰ اعلم وھو الملہم الصواب۔

کتبہ العبد الضعیف

شبیر احمد عثمانی دیوبندی عفا اللہ عنہٗ

جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت شعبان ۱۳۵۰ھ

ہر قسم کی مستند اسلامی کتب کا مرکز
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰-انارکلی لاہور
۲۳۹

Marfat.com

المعراج فی القرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد

الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

اقصیٰ تک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے، تاکہ دکھلائیں

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

اسراء اور معراج کا فرق

علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعے کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جس میں "معراج" و "اسراء" کے واقعات بسط و تفصیل

Marfat.com

سے بیان ہوئے ہیں۔

جمہور امت کا عقیدہ

جمہور سلف وخلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پُر نورؐ کو حالتِ بیداری میں، بجسدہٖ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہؓ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعۂ اسراء و معراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب و غریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اس سورت میں آگے چل کر جو لفظ "وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ" آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالتِ بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی، جیسا کہ بعض حکماء و صوفیاء کے مذاق پر تجویز کیا جا سکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے "وَلَيْسَ مَعْنَى اَسْرَاءِ بِالرُّوْحِ الذِّهَابُ يَقْظَةً كَالْاِنْسِلَاخِ الَّذِيْ ذَهَبَ اِلَيْهِ الصُّوْفِيَّةُ وَالْحُكَمَاءُ فَاِنَّهٗ وَاِنْ كَانَ خَارِقًا لِلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِلتَّعَجُّبِ اَيْضًا اِلَّا اَنَّهٗ اَمْرٌ لَّا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ" اھ بے شک ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں عائشہ صدیقہؓ، معاویہؓ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی۔ محض ظن و تخمین سے کام لیا ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کیے ہیں ان میں کہیں حالتِ بیداری کی تصریح نہیں۔ بہر حال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز و درخشاں عنوان

Marfat.com

سے واقعۂ اسرار کو ذکر فرمایا اور جس قدر جد و مستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے، یہ اس کی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب و غریب خواب یا سیرِ روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر و انکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعاوی بعثت سے رہے ہیں، دعوائے اسراء، کفار کے لئے کچھ اُن سے بڑھ کر تعجب خیز و حیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزار و تمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو! نہ آپ کو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر و متوشش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایاتِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف الفاظ ہیں: ثم اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ " (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے؟ اور شرار بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہؓ کا یہ دریافت کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ " رات میں نے قیام گاہ پر تلاش کیا، حضورؐ کہاں تشریف لے گئے تھے"؟ ہمارے نزدیک " اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ " کے یہ معنیٰ لینا کہ خدا اپنے بندے کو خواب میں یا روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا، اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص " فَاسْرِ بِعِبَادِیْ " کے یہ معنیٰ لینے لگے، کہ

Marfat.com

"اے موسیٰ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مصر سے لے کر نکل جاؤ"؟ یا "سورۂ کہف" میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے جانا اور اُن کے ہمراہ سفر کرنا جس کے لئے کئی جگہ "فَانْطَلَقَا" کا لفظ آیا ہے اُس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہُوا تھا۔ باقی لفظ "رُؤیا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابنِ عباسؓ فرما چکے ہیں۔ "رُؤیا عَیْنٍ اُرِیَہا رسول اللّٰہ صلعم" مفسرین نے کلام عرب سے اس کے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رُؤیا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے مراد یہی اسرار کا واقعہ ہے تو مطلق رؤیت کے معنی لیے جائیں، جو ظاہری آنکھوں سے ہُوئی۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور اُمّت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو، ہاں شریکؒ کی روایت میں بعض الفاظ ایسے ضرور آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریکؒ کا حافظہ خراب تھا۔ اس لئے بڑے بڑے حفاظِ حدیث کے مقابلے میں اُن کی روایت قابل استناد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری کے آخر میں حدیثِ شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ اُن کی روایت کا مطلب ایسا لیا جا سکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف

نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح و بسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج و اسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد میں خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

معراج پر شبہ
اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین و آسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرۂ نارو زمہریر میں سے کیسے گزرے ہوں گے۔ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابلِ تسلیم ہوگا لیکن آج تک کوئی دلیل اس کی نہیں پیش کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نیلگونی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے۔ فی الحقیقت آسمان نہیں تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہو سکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا

Marfat.com

طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعتِ حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اَب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ یقین بھی نہ آ سکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہو جائے گی یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعے پرواز کر سکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کہربائیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرۂ نار تو آجکل ایک لفظِ بے معنیٰ ہے۔ ہاں اوپر جا کر ہوا کی سخت برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلا واسطہ بنائی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹوں میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی ایک شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعتِ سیر و سفر میں پہاڑ بھی سامنے آجائے تو پرکاہ کے برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں۔ وہ قادرِ مطلق اپنے حبیب صلعم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت و آسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا۔ جس سے حضورؐ بڑی راحت و تکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل

Marfat.com

ہوسکیں ؟ شاید اسی لئے واقعہ "اسراء" کا بیان "سبحان الذی" سے شروع فرمایا۔ جو لوگ کوتاہِ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم و تخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ اپنی گستاخیوں اور ترک تازیوں پر شرمائیں۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

بیت المقدس لے جانے کی حکمت

جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری اور باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، نخلے، پھل اور میووں کی افراط اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سرچشمہ رہا ہے۔ شاید نبی کریم صلعم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیائے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپؐ کی ذاتِ مقدس میں وہ سب جمع کر دیئے گئے۔ جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں۔ اُن پر اب بنی اسمٰعیل کا قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی اُمت ہونیوالی ہے۔ احادیث معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاءؑ

Marfat.com

علیہ السلام نے سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ گویا آپؐ کو جو سیادت و امامت انبیاء کا منصب دیا گیا تھا، اس کا نمونہ آپؐ کو اور آپ کے مقربینِ بارگاہ کو دکھلایا گیا۔ آخر آیت میں فرمایا، "اصلی سننے اور دیکھنے والا خدا ہے۔" یعنی وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اُس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سُنا۔ اور احوالِ رفیعہ کو دیکھا۔ اور آپؐ کو آخر معراج شریف میں "ربی یُبصِر" والی آنکھ سے وہ آیاتِ عظام دکھلائیں، جو آپ کی استعدادِ کامل اور شانِ رفیع کے مناسب تھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تمّت بالخیر

عقل اور مذہب کے درمیان باہمی تعلق کے نازک مسئلہ پر سیر حاصل بحث

لعقل والنقل

عقل سلیم، اور نقل صحیح میں اختلاف ممکن نہیں! اور کبھی عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت میں قصور ہونے کی وجہ سے اختلاف نظر آئے تو فیصلہ کا صحیح طریقہ

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

قیمت

۲۴۹

Marfat.com

فہرست مضامین

(نوٹ) اصل کتاب میں اگرچہ عنوانات موجود نہیں ہیں، لیکن قارئین کی سہولت کے لئے کتاب میں مندرج مضامین کی فہرست ذیل میں دی جا رہی ہے۔

عنوان	صفحہ
دیباچہ	۳
عقل اور نقل کا اختلاف	۱۲
اہل عقل اور اہل نقل	۱۳
امثالِ سلیمان کی ایک عبارت	۱۴
پاؤل رسول کا خط	۱۵
امام غزالیؒ اور مسئلہ عقل	۱۷
بوعلی سیناؒ اور عقل	۲۰
محقق طوسیؒ کا مذہب	۲۲
ابنِ رشد اندلسیؒ کا مذہب	۲۳
ابنِ تیمیہؒ اور فلسفہ	۲۵
ابن العربیؒ کا خط امام رازیؒ کے نام	۲۶
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مسلک	۲۷
ابنِ خلدون اور عقلیات	۲۹
علوم کشفیہ اور ابنِ خلدون	۳۱
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	۳۲
علاء الدین طوسیؒ کا مذہب	۳۲
عقل کے نقصان کا ثبوت	۳۳
شاہ ولی اللہؒ اور عقلیات	۳۵
گناہوں کا اثر عقل پر	۴۶
سچا مذہب اور عقل	۴۴
عقل اور نقل ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔	۴۶
عقل سلیم اور عقل سقیم	۵۳
مولانا قاسم نانوتویؒ	۵۸
عقل اور نیک و بد کی پہچان	۶۳
ارواح کی لطافت	۶۵
انبیاء پر فیضِ خداوندی	۶۸
نبوت کا عقلی ثبوت	۶۹
سرسید کا ایک اعتراض	۷۵
سرسید سے ایک سوال	۷۷
طبیب روحانی پر اعتماد	۸۰
طبیب روحانی کی پہچان	۸۳
رسولِ اکرمؐ کی بعثت کے اثرات	۸۴
نقل کو چھوڑ کر عقل کی تلاش	۸۷
عقل کی غلطی	۸۸
عقل کی بے بسی	۸۹
عقول میں تفاوت	۹۳
کیا فکر و عقل لغو ہیں؟	۹۴

Marfat.com

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ مذہب اسلام اور فلسفۂ یونان میں جب جنگ ہوئی تو مسلمانوں نے علم کلام کے زبردست ہتھیاروں سے اس کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسلام کو ایسے مضبوط فصیلوں اور دیدموں سے محفوظ کیا جن کے مقابلہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ قلعہ شکن توپیں بھی اپنا کوئی اثر نہ دکھلا سکیں۔

یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ متکلمین نے مذہب کی سطح پر قائم رہ کر حجت و استدلال کے متعلق جو کچھ اصول اور قواعد وضع کئے ان سے تمام باطل توہمات کی تلعی کھل گئی۔

فلسفۂ یونان کی ملمع سازیوں کا طلسم ٹوٹا معترضین کی ابلہ فریبیوں کا پردہ فاش ہوا اور قیامت تک کے لئے مخالفین کی نکتہ چینیوں کا سدباب کر دیا گیا۔ لیکن افسوس کہ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ نظروں کی تسلی اس پر بھی نہ ہوئی اور وہ علم کلام کو آج کل کی ضروریات کے حق میں ناکافی ہی سمجھتے رہے۔

ابھی کچھ عرصہ ہوا یورپ سے یہ صدا اٹھی کہ علوم جدیدہ نے تمام مذاہب کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کر دیا ہے اور مختلف ادیانِ عالم میں سے ایک مذہب بھی اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکا۔

جن لوگوں کو ہر بات کی تصدیق کے لیئے یورپ کی وحی کا انتظار رہتا ہے۔ بے چون و چرا اس پر ایمان لے آئے اور ملک میں اس خیال کو اس قدر شہرت دی کہ اس سرے سے اس سرے تک جا بجا یہی چرچا ہو گیا۔ علمائے یہ دیکھ کر کہ عام لوگ مذہب سے بددل ہوئے جاتے ہیں اس کی تحقیق کی طرف توجہ کی مگر تفتیش کے بعد ثابت ہوا کہ اس دعویٰ میں واقفیت کا بہت ہی کم حصہ شامل ہے۔

○ اس میں شک نہیں کہ علما سائنس نے مادیات اور طبعیات کے متعلق بہت سی جدید باتیں دریافت کیں۔ علم ہیئت (علم الافلاک) میں مفید بیانات کا اضافہ کیا۔ صنعت و دستکاری کے عجیب و غریب کرشمے دکھلائے۔ روشنی اور بجلی وغیرہ کے متعلق جدید تحقیقات سے عالم کو منور کر دیا لیکن انہوں نے یہ نہیں بتلایا کہ ان میں سے کون سی بات اسلام کے مخالف ہے یا کس چیز کے ثابت ہونے سے کسی اسلامی مسئلہ پر نقص وارد کیا جا سکتا ہے۔

فرض کر لو کہ عناصر کی تعداد (۶۷) سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ یہ بھی تسلیم کر لو کہ زمین ساکن نہیں متحرک ہے یہ بھی مان لو کہ کواکب سیارہ سات میں منحصر نہیں۔ مگر کیا اس سے توحید کے ثبوت میں کچھ خلل آیا۔ یا نبوت کا دعویٰ باطل ہو گیا کسی آیت قرآنی کی مخالفت ہوئی یا حدیث رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کیا گیا۔ جب ان میں سے کچھ بھی نہیں تو اب یہ دیکھو کہ علوم جدیدہ نے اسلامی مسائل کے متعلق ردّاً یا قبولاً کس چیز کی زیادتی کی۔

اس کے جواب میں ان چند بوسیدہ اور پامال اعتراضات کے سوا کچھ نہیں کہا جاتا جو حدوث مادہ، معجزات اور حشر و نشر وغیرہ کے متعلق عام طور پر زبان زد ہیں اور جن کو ہمارے زمانے کے بعض آزاد خیال مؤلفین نے اردو زبان میں ذرا سلجھا کر تحریر کر دیا ہے لیکن جن لوگوں نے علم کلام کی تکمیل کو صرف شرح عقاید خیالی کے دائرہ میں محدود نہیں سمجھ رکھا وہ خوب جانتے ہیں کہ علماء اسلام نے کہاں تک ان تمام شبہات کا رکیک اور بیجان ہونا ثابت کیا ہے۔ اور کس خوبی اور بسط کے ساتھ ان اعتراضات کا رد لکھا ہے کاش میری اس تحریر کے پڑھنے والے ابن حزم ظاہریؒ کی ملل و نحل علامہ علاؤ الدین علی طوسیؒ کی کتاب الذخیرہ۔ فاضل تفتازانیؒ کی شرح مقاصد۔ امام غزالیؒ کی تہافۃ الفلاسفہ اور محققین فن کی نادر تصنیفات کا مطالعہ کریں۔ جس سے ان کے روبرو میرے اس بیان کی صداقت ظاہر ہو۔

اس بات کا کہہ دینا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہے کہ علوم جدیدہ کی روشنی میں تمام علوم قدیم ماند پڑ گئے اس کے مقابلہ میں متکلمین کی تحقیقات بالکل بیکار ثابت ہو گئیں اور اس کے دنیا میں آنے سے مذہب کو موت کا سامنا کرنا پڑا۔

کیا یہ دعویٰ کرنے والے ہم کو خاص ان مضامین کی ایک فہرست دے کر ممنون بنا سکتے ہیں جن کو اسلام اور متکلمین اسلام کے دلائل کے مخدوش بنانے میں کسی قسم کا دخل ہو اور جن کی صحت و سقم پر قدیم علم کلام نے بہت کافی طور پر بحث نہ کی ہو۔

ہماری ایسے لوگوں سے جو حال کے علماء کو جدید حملوں کی مدافعت سے عاجز بتلاتے ہیں یہ التجا ہے کہ وہ ضرور ہم کو ایسے مسائل کی مع ان کے دلائل کے ایک فرد تیار کر کے عنایت فرمائیں جن کا مقابلہ ہمارے بوڑھے اسلام سے نہ ہو سکا۔ اور آخر کار ہمارے سی۔ ایس۔ آئی بہادر کو اس کے ضعف اور پیرانہ سالی پر رحم کھا کر اس میں بہت کچھ اصلاح کرنے کی ضرورت پیش آئی تاکہ یہ ترمیم شدہ اسلام نوجوان یورپ کی نظروں میں وقیع اور باعظمت بن سکے بہرحال۔

اپنی جہالت کی وجہ سے جس کا جو جی چاہے کہے مگر انصاف یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے متعلق متکلمین نے جس درجہ موشگافی۔ باریک بینی۔ اور فلسفیانہ نکتہ رسی سے کام لیا ہے اس نے ہمیشہ کے لئے ہم کو اندرونی اور بیرونی مخالفین اسلام کے پیچیدہ اعتراضات کے حل کرنے سے سبکدوش کر کے ان کا ممنون احسان بنا دیا اور میں جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اب بھی دنیا میں امام ابوالحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی کے ایسے وکیل موجود ہیں جو اسلامی معتقدات کے متعلق ان تمام شبہات کا استیصال کرتے ہوئے جو کسی نئے سے نئے پیرایہ میں ظاہر کئے جائیں، قدیم علم کلام کے کامل و مکمل ہونے کا ثبوت دے سکیں۔

○ ہم نے اپنے ان دوستوں کو جو قدیم علم کلام کو اکثر ناقص بتلایا کرتے ہیں بارہا یہ بھی کہتے سنا ہے کہ قدیم علم کلام میں صرف عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے میں مخالفین نے اسلام پر جو اعتراض کئے

Marfat.com

تھے عقاید ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی اخلاقی تمدنی ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابلِ اعتراض نہیں جس قدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہیں، اُن کے نزدیک تعدد نکاح۔ طلاق۔ غلامی۔ جہاد کا کسی مذہب میں جائز ہونا اس مذہب کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس بنا پر علم کلام میں اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنا ضروری ہے اور یہ حصّہ بالکل قدیم علم کلام میں موجود نہیں۔

ہمارے ان احباب کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ قدیم علم کلام کا تعلق صرف عقائد سے ہے قانونی اور اخلاقی مسائل سے اس میں مطلقاً بحث نہیں کیگئی، لیکن متکلمین یہ نہ کرتے تو کیا کرتے علم کلام کا مقصد ہی عقائد تک محدود تھا قانونی اور اخلاقی مباحث کے لئے اس کی وضع ہی نہ تھی۔ ان چیزوں کے لئے دوسرے علوم کی حاجت تھی چنانچہ فن تصوف و اخلاق اور علم اسرار الدین نے اس ضرورت کو بھی رفع کیا اور اسلام کی تمام جزئیات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، جنگ و جہاد کے مخفی اسرار اور حکمتوں کو نہایت تفصیل کے ساتھ ظاہر کر دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی قیمتی تصنیفات اس وقت بھی کثرت سے موجود ہیں جن کے مطالعہ سے میرے اس بیان کی پوری تصدیق ہو سکتی ہے۔ اور اس عنوان کے ذیل میں جس سلسلہ مضامین کے لکھنے کا میں ارادہ کر رہا ہوں اس میں اس کا خیال رکھوں گا حسبِ موقع ان بیش بہا تصانیف سے مفید اقتباسات

حاصل کروں۔

بہرکیف علم کلام جس غرض کی تکمیل کے لئے مدوّن کیا گیا۔ میرے نزدیک اس نے اس میں پوری کامیابی حاصل کی اور اب میرا قصد ہے کہ میں اسلامی عقائد کے ہر باب کے متعلق بصورت رسائل مدیدہ یہ دکھلاؤں کہ علمار اسلام نے اس کو تحقیق کی کس حد تک پہنچا کر چھوڑا ہے اور اب ہم کو اس میں کہاں تک ترمیم یا اصلاح کرنے کی ضرورت ہے لیکن مجھ کو اپنے اصلی مقصد کے شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ چند ان مقامات کا ذکر کر دینا ضروری ہے جنکے بغیر ہمارا مقصد کامل طور پر اور آسانی کے ساتھ دل نشین نہیں ہو سکتا اسی طرح بعض ان خطرناک غلطیوں پر مطلع کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جو اصول کے عام طور پر عام مسلمانوں میں تسلیم کر لی گئی ہیں اور جو آگے چل کر ہمارے ناظرین کو بعض اصلی مقاصد کے سمجھنے میں مزاحم ہو سکتی ہیں۔

لیکن جس اہم کام اور طویل الذیل سلسلہ کا میں نے بیڑہ اٹھایا ہے اور جس کا آغاز بنام خدا آج اس رسالہ سے کیا جاتا ہے وہ اسی وقت انجام کو پہنچ سکتا ہے جب کہ اس مضمون کے پڑھنے والے کلمات خیر سے میری ہمت بڑھائیں اور خدا کی توفیق شامل حال رہے اور عجب نہیں کہ اگر اس ناچیز مضمون کا کوئی حصہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا تو پھر ہم کو قدیم و جدید ہیئت کے مسائل کے موازنہ کرنے کی بھی اپنے دسترس کے موافق جرأت ہو اور اگر زندگی ہے تو انشاء اللہ ہم علوم جدیدہ کے متعلق اپنی معلومات بڑھانے کی کوشش اور اس مقصد کی تکمیل کی ضرور فکر

Marfat.com

کریں گے۔ شعر

ور بمیریم عذر ما بپذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس سے قبل کہ توحید، رسالت اور جزا و سزا وغیرہ اسلامی اصولوں میں سے ہر ایک اصول کی علیحدہ علیحدہ رسائل کے ذریعہ سے بلا شائبہ تعصب مفصل تحقیقات کی جائے اس ایک رسالہ میں چند ایسے امور کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو ان مباحث میں امداد دینے کے علاوہ اس موقع پر ایک خاص قسم کی دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ امور درحقیقت ایسے قوانین ہوں گے جن کی صحت اُن محسوسات اور بدیہیات پر مبنی ہو گی جو ہر طرح سے قابلِ اطمینان ہیں۔ اور انہی سچے قوانین کی میزان سے ہم آئندہ چلکر اسلامی مسائل کی پوری جانچ کر سکیں گے۔ گویا یہ مقدمات ہمارے نزدیک ان اصول موضوعہ کے طور پر لکھے جائیں گے۔ جن کے سہارے ہمارے اکثر بیانات کی بنیادیں قائم ہوں گی۔

اب اگر کسی صاحب کو ان میں سے کوئی اصول مشتبہ یا غلط نظر آئے تو وُہ بہت شوق کے ساتھ اپنے اعتراض کو ظاہر فرمائیں۔ لیکن اپنے کسی ایک دعوے کے ثبوت میں بھی چند کہنہ سال یورپین کا نام لینے پر اکتفا نہ کریں۔ تاوقتیکہ اُن کے پاس ایسی ہی کوئی دلیل قطعی نہ ہو جیسا کہ ہم اپنے ہر ایک دعوے کے ساتھ ساتھ پیش کریں گے۔ یا جیسے دلائل قویہ کا وُہ ہم سے خود مطالبہ فرمانے کو تیار ہوں گے اور اگر وُہ صاحب صرف چند جرمنی اور فرانسیسی مصنفین کے اقوال یاد کر لینے ہی کو علوم جدیدہ میں ماہر ہونا تصور

Marfat.com

کرتے ہوں تو بحمد اللہ ایسے مباحث سے بھی گو ہم اپنے کو عاجز نہیں پاتے مگر جب ایسے دور از کار فضولیات کا منظر سامنے ہو گا تو ہماری طبیعت بھی صرف اسی قدر جواب کو پسند کرے گی کہ۔ شعر

مدعی گو برو و نکتہ بحافظ مفروش
کلک ما نیز زبانے و بیانے دارد

اس لئے ایسے لوگوں کی خدمت میں ہم عرض کئے دیتے ہیں، کہ وہ براہ کرم اپنا اور ہمارا وقت ہرگز ضائع نہ فرمائیں۔ بلکہ ذرا سی دیر کے لئے سخن پروری۔ ہٹ دھرمی اور نفس پرستی کو فراموش کر کے اور آخرۃ کی عام جواب دہی کو پیش نظر رکھ کر ٹھنڈے دل سے ان قیمتی مطالب کے سننے میں مصروف ہو جائیں جو بڑی عرق ریزی کے بعد جمع ہو کر بنی نوع انسان کی ہمدردی کی خاطر منظر عام پہ لائے جائیں گے۔

چونکہ ان مضامین کا سلسلہ اگر خدا کو منظور ہے تو عرصۂ دراز تک قائم رہے گا۔ اس لئے علم دوست احباب سے توقع ہے کہ اس سلسلہ کے تمام رسائل کو ایک جگہ جمع کرتے جائیں تاکہ پہلے میں دوسرے کا یا دوسرے میں پہلے کا کوئی حوالہ آئے تو اس مقام کو بے تکلف نکال کر دیکھ سکیں۔

اب ان تمام ہدایات کے بعد ہم اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں اور آرزو مند ہیں کہ اس کے پڑھنے والے تمام پرانے وساوس اور اوہام سے دل کو پاک کر کے اور لا تنظر الی من قال وانظر الی ما قال کو سامنے رکھ کر نیک نیتی اور انصاف پرستی کی داد دینے کے

Marfat.com

لیے آمادہ ہو جائیں۔

وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہِ عَلَیہِ تَوَکّلتُ وَاِلَیہِ اُنِیب

شاہا من اربعرش رسانم سریر فضل
مملوک ایں جنابم و مسکین ایں درم

احقر شبیر احمد عثمانی عفاء اللہ عنہ

دار العلوم دیوبند

Marfat.com

العقل و النقل

تمام اہل فہم کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ نقل صحیح یا عقل کامل کا اتباع انسان کے اولین فرائض میں سے ہے اور انہی دونوں کی اطاعت پہ اس کے برگزیدہ کمالات اور حقیقی کامیابیوں کے حاصل ہونے کا انحصار ہے۔ پھر ہر چند کہ اہلِ تحقیق کے نزدیک ان دونوں حاکموں (عقل و نقل) میں کبھی نزاع اور خصومت بجز اس کے ممکن نہیں کہ یا نقل کی صحت مشکوک ہو یا عقل کی سلامتی میں کچھ نقصان اور فتور واقع ہو جائے۔ مگر جب کبھی کسی وجہ سے کسی موقع پہ ان دونوں میں خلاف محسوس ہوتا ہے تو انسان کے خیالات میں سخت تزاحم اور تذبذب پیدا ہو جاتا ہے، اور دونوں جانبوں کی کھینچ تان سے اس کو یہ دشواری پیش آتی ہے کہ وہ ان میں سے کس کے حکم کو قبول اور کس کو رد کرے اگر دونوں کی تعمیل کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہو اور کسی ایک کو ترجیح دے تو کیونکر دے۔

اس لئے سب سے پہلے مگر سب سے مشکل منزل (جس کے طے کئے بغیر ہم اپنے اصلی مدعا تک نہیں پہنچ سکتے) یہ ہے کہ عقل و نقل کا یہ قدیم جھگڑا چکایا جائے جس کی بدولت پچھلے زمانہ میں سینکڑوں دانشمند آدمیوں کی قربانی ہو چکی ہے اور بہت سے بے قصور لوگ دار پہ کھینچ دیئے گئے ہیں۔ جب کبھی مدعیان عقل نے قدم جمائے اہل نقل کے استیصال میں

Marfat.com

تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اور جب نقل کے بیوقوف پیروؤں کا دور دورہ ہُوا تو انہوں نے بھی اپنے فریق مقابل کے حق میں سر قلم کرنے یا آگ میں جلا دینے سے کم کوئی سزا تجویز نہیں کی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس اختلاف عقل و نقل کی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیا اس خوفناک نزاع میں کوئی صحیح صورت تطبیق کی ممکن ہے یا کسی اہل مذہب نے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی؟ کیا ان تطبیق دینے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی اپنی سعی میں کامیاب ہُوا؟

یہ وُہ سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہر ایک مذہب والے کا فرض ہے اور اس وقت ہم انہی مہتم بالشان امور پر کامل طریقہ سے ایسے آسان پیرایہ میں بحث کریں گے جس میں عام، خاص، عالم، جاہل، اور ذکی۔ غبی سب مساوی طور پر حصّہ لیں۔

قدیم سے قدیم روایات پر عبور کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عقل و نقل کی یہ نزاع اور باہمی کشمکش کسی ایک قوم، ایک ملک اور ایک ملّت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ انسانی آبادی کے ہر طبقہ اور ہر حصّہ میں دونوں قسم کی طبیعتیں ہمیشہ موجود رہی ہیں جو زمانہ کسی قوم کے حق میں اعلیٰ درجہ کی وحشت۔ بدویت اور عام تاریکی کا فرض کیا جائے اس میں بھی متمدن اقوام کی مانند دونوں طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی عقل کے ایسے پابند اور خیالات کے ایسے محکوم ہوتے ہیں کہ جو چیز ان کی عقل و ادراک سے خارج ہُو اس کو وُہ واقع میں موجود ہی

Marfat.com

نہیں سمجھتے اور ان کے برخلاف بعضوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے کسی نسبی بزرگ یا مذہبی مقتدا سے کوئی بات سُن لیں تو بے چون وچرا ان کے حکم کے سامنے گردن ڈال دیں بشرطیکہ اس مقتدا کے مقتدا ہونے پر ان کو پورا اعتماد حاصل ہو چکا ہو۔

اس کے بعد ان دونوں گروہوں میں طعن و تشنیع کا دروازہ کھل جاتا ہے پہلا گروہ دوسرے کو سادہ دل۔ کم عقل اور بیوقوف سمجھتا ہے اور دوسرا پہلے کو بے ادب، مغرور اور نافرمان قرار دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ دونوں میں کینہ اور بغض کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور زبان و دل سے گزر کر ہاتھ پاؤں تک جنگ و جدل کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اس پر بھی امر متنازع فیہ کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی شخص اور ایک ہی کتاب کے دو قول اس مسئلہ میں متناقض پہلو رکھتے ہیں۔ اور ہماری حیرت اور تعجب کی اس وقت کوئی انتہا نہیں رہتی جب ہم کو کسی ایک ایسی مذہبی کتاب میں جو کسی فرقہ کے نزدیک خطا و قصور سے بالکل پاک تسلیم کر لی گئی ہے۔ وہ متعارض کلام اس بارے میں نظر پڑتے ہیں۔ جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہیں تو امثال سلیمان کے تیسرے باب میں یہ عبارت لکھی ہوئی ملتی ہے۔

"اپنے سارے دل سے خداوند پہ توکل کر، اور اپنی سمجھ پہ تکیہ مت کر، اپنی ساری راہوں میں اس کا اقرار کر، وہ تیری

Marfat.com

رہنمائی کرے گا، اپنی نگاہ میں آپ کو دانش مند مت جان،
خداوند سے ڈر، اور بدی سے باز رہ، یہ تیری ناف کے لئے
صحت اور تیری ہڈیوں کے لئے تراوٹ ہے۔"

اور انہی امثال کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ :-

"کیا دانائی نہیں پکارتی اور کیا فہمید آواز بلند نہیں کرتی۔ وہ
سڑک کے پاس اونچے مقاموں کی چوٹیوں پر اور چوراہے کے
چبوترے پر کھڑی ہوتی ہے وہ پھاٹکوں کے نزدیک شہر کے
مدخل پر جہاں سے دروازوں میں داخل ہوتے ہیں چلاتی ہے
کہ اے آدمیو میں تمہیں بلاتی ہوں۔ اور بنی آدم کی طرف
اپنی آواز اٹھاتی ہوں۔ اے بیوقوفو! خرد کو سمجھو، اور اے
جاہلو! سمجھنے والا دل پیدا کرو۔ سنو کہ میں لطیف مضمون
کہتی ہوں۔ اور میرے لبوں سے جب وہ کھلتے ہیں تو سچی باتیں
نکلتی ہیں کہ میرا منہ سچ سچ کہتا ہے، اور میرے لبوں کو شرارت
سے نفرت ہے۔ میرے منہ کی ساری باتیں صداقت سے پر ہیں
ان میں کچھ ٹیڑھا، ترچھا نہیں، وہ سب اس کے نزدیک جو
دانش رکھتا ہے سیدھے ہیں اور ان کے خیال میں جو حقیقت
شناس ہیں راست ہیں۔"

پاؤل رسول نے جو خط رومیوں کو لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"غرض میں اپنی عقل سے خدا کی شریعت اور جسم سے گناہ

کی بندگی کرتا ہوں[1]"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی شریعت کا اتباع وہ اپنی عقل کے بھروسہ پر کرتے تھے لیکن اس کے خلاف انہی پاؤل رسول نے جو خط کرنتھیوں کو تحریر کیا ہے اس کی عبارت یہ ہے :-

"اور میری عبارت اور میرا وعظ انسانی حکمت کی دلفریب بات کے ساتھ نہیں لیکن رُوح اور قدرت کی دلیل کے ساتھ تھا تاکہ تمہارا ایمان نہ انسانی حکمت سے بلکہ خدا کی قدرت سے ثابت ہووے ہم کاملوں کے نزدیک حکمت کی بات بولتے ہیں، مگر اس جہان کی اور اس جہان کے فانی حاکموں کی حکمت نہیں بولتے، بلکہ ہم وُہ حکمت الٰہی بولتے ہیں، جو چھپی ہوئی ہے۔ یعنی وہ پوشیدہ حکمت جسے خدا نے زمانہ کے آگے ہماری بزرگی کے لئے مقرر کیا تھا[2]"

پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ :-

"اب ہم نے نہ دنیا کی رُوح بلکہ وُہ روح جو خدا سے ہے پائی تاکہ ہم ان رازوں کو جو خدا نے ہمیں بخشے ہیں سمجھیں۔ اور ہم ان رازوں کو انسان کی سکھلائی باتوں سے نہیں بلکہ رُوح قدس کی سکھلائی ہوئی باتوں سے غرض روحانی چیزوں کو روحانی عبارت سے ملا کر بیان کرتے ہیں۔ مگر نفسانی آدمی

---

[1] دیکھو انجیل مطبوعہ کلکتہ صہ ۴۹۰ [2] دیکھو انجیل مطبوعہ کلکتہ صہ ۵۲۸

خدا کی روح کی باتوں کو قبول نہیں کرتا کہ اس کے نزدیک نادانی کی باتیں ہیں اور وُہ ان کو سمجھ نہیں سکتا کہ وہ روحانی طور سے بوجھی جاتی ہیں "

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں قسم کے مضامین موجود ہیں۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگ درجات عقل کے موافق جنت میں داخل ہوں گے اور دوسری جگہ اھل الجنۃ بلہ (یعنی اکثر جنتی لوگ بیوقوف ہوں گے) بھی مشہور ہے۔

○ آپ کے بعد جو علماء اور حکماء آپ کی اُمت میں گزرے ان کے اقوال بھی اسی طرح بظاہر متعارض رہے اور امام غزالیؒ کے زمانہ تک غالباً بہت کم عالم ادھر متوجہ ہوئے جنہوں نے اس عقل و نقل کے اختلاف پر باضابطہ اور مکمل بحث کی ہو اور تمام شبہات کو رفع کر کے یہ دکھلایا ہو کہ اس اختلاف کا اصلی منشا کیا ہے۔ دونوں فریق کے استدلالات کس درجہ تک درست ہیں اور انبیاءؑ یا اکابر علماءؒ کی کتابوں میں جو بظاہر اختلافات معلوم ہوتے ہیں جن کی طرف ہم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے اجتماع اور تطبیق کی صحیح صورت کیا ہے۔

میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ امام غزالیؒ سے پہلے کوئی شخص عقل و نقل کی تطبیق کی صورت سمجھے ہوئے نہ تھا بلکہ یہ غرض ہے کہ ان سے پہلے اس مسئلہ کی خاص تشریح کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔ کیونکہ ہر ایک زمانہ کے حکماء انہی امور کے بیان میں زیادہ تاکید و تفصیل سے کام لیا کرتے

Marfat.com

ہیں جن میں کسی قسم کے خفا اور مغالطہ کا اندیشہ ہو۔ یا وہ ایسے امراض ہوں جن کے اندر عام طبائع مبتلا پائی جائیں۔

تم خود اندازہ کر لو کہ والدین کی اطاعت اور اولاد پر ترحم اور شفقت۔ یہ دونوں چیزیں باوجودیکہ مذہبی ضرورت میں سے ہیں۔ مگر اوّل ——— ——— چونکہ ایک گونہ نفس کی خواہش کے خلاف اور دوسرے نہ تنہا انسان بلکہ تمام حیوانات کی اقتضارات طبیعہ میں سے ہے اس وجہ سے حکیم مطلق نے عقوق والدین کی خرابی اور ان کی اطاعت کی خوبی کو بکرات و مرات اور باجمال و تفصیل جس قدر مختلف عنوانوں سے تعلیم فرمایا ہے رحم علی الاولاد کے احکام میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔

ٹھیک اسی طرح علمار سلف کے زمانہ میں چونکہ عام طور پر مذہبی روایات کا بدل ڈالنا کسی اہل مذہب کے نزدیک بھی روا نہ تھا۔ اس لیئے نہ عقل و نقل میں کثرت نزاعات قائم ہوتے تھے۔ نہ علمار کو ان دونوں کے مقدمات فیصل کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اور نہ اس کی حاجت سمجھی جائے گی کہ ان دونوں کی تطبیق کے اصول یا اختلاف کے اسباب بیان کیئے جائیں۔

اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرا فلسفیت اور الحاد کا رنگ غالب آیا عقول ناقصہ جزئیہ کی گرم بازاری ہوئی اور نقل کی قدر و منزلت گھٹی۔ اسی قدر عقل و نقل کی منازعت بڑھتی گئی اور امام غزالیؒ کے زمانہ تک، اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان دونوں (عقل و نقل) کی موافقت و اتحاد کے واسطے کچھ آئین بتلائے جائیں اور ان میں سے ہر ایک کے

Marfat.com

حدود کی تعین وضاحت کے ساتھ کر دی جائے۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے اس پر قلم اٹھایا اور انصاف یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے موافق اس مقصد کی پوری تکمیل کر دی۔

لیکن چونکہ علمار سلف کو اس تعین و تفصیل کی حاجت پیش نہیں آئی تھی۔ اور علمار مابعد نے امام صاحب ممدوح کی تشریحات پر حوالہ کر دینے کو کافی سمجھا اس واسطے ان سے پہلے اور ان کے بعد اکثر ایسے ہی مبہم اور متعارض اقوال عقل و نقل کے بارے میں جمع ہوتے رہے۔ جس سے آج کل کے کوتاہ نظروں کو سادہ لوح عوام کے گمراہ کرنے کا خوب موقعہ ہاتھ آیا اور انہوں نے بزرگوں کے کلام کے وہ مختلف ٹکڑے جن کو امام غزالیؒ نے احیار العلوم وغیرہ میں عمدہ طور پر جمع کر کے دکھلا دیا تھا۔ جابجا اپنے استشہاد میں پیش کر کے سیدھی اور سچے مسلمانوں کو طریق حق سے ہٹانا چاہا۔ چنانچہ اب میں اس قسم کے اکثر کلام حکمار اور علمار اسلام کی کتابوں سے انتخاب کر کے ذیل میں نقل کرتا ہوں جن کو پڑھ کر ایک خالی الذہن آدمی سخت تحریر اور تذبذب میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد امام غزالیؒ کی مفصل تقریر اُن کی متفرق تصانیف سے اقتباس کر کے ہدیہ ناظرین کروں گا جو اس حیرت اور پریشانی کو کافی حد تک مٹا سکیگی۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل و نقل کی جو مخالفت آج کل دیکھنے میں آ رہی ہے کہ عرصہ ہوا دونوں حکومتوں میں سفرا اٹھ چکے۔ اور اعلانِ جنگ ہو کر لگاتار معرکہ آرائی ہونے لگی۔ پھر لڑائی بھی باقاعدہ نہیں بلکہ زمانہ

Marfat.com

حال کی عقل نے غدر پر کمر بستہ ہو کر محض جابرانہ کارروائی شروع کر دی۔ چونکہ یہ بہار یا خزاں نہ امام غزالی نے دیکھی تھی اور نہ ان سے پہلے کسی اور نے۔ اس لئے اگر زمانہ حال کی بعض خصوصیات پر نظر کر کے امام غزالی کی تقریر میں بھی کوئی کمی ہوگی تو میں اس کو آزادانہ ظاہر کروں گا اور پھر کسی اور عالم کی تقریر اگر اُن کی تقریر سے زیادہ تسکین بخش سمجھی جائے گی تو اس کو سب سے اخیر میں درج کروں گا تاکہ ہمارے رسالہ کے وہ ناظرین بھی جن کے دلوں میں اس زمانہ کی اندیشہ ناک آزادی کا کوئی اثر ہو اوّل سے آخر تک تمام آراء کا موازنہ کر کے نیک دلی کے ساتھ سچائی اور راستی کو قبول کر سکیں۔ وللہ در من قال۔

دورِ عجبے گردش ایں دائرہ دارد — وقتی است کہ گردوں بگزارد دوراں را
اکنوں اثرِ تربیتِ دہر بر آں است — تا صورتِ خرمہرہ دہد نطفہ کاں را
برخاستہ زیں شور زمیں چند نجارے — یکسر بکف غول ہوا دادعناں را
سیمرغ خور و قوت پرواز مگس نیست — بال و پر ایں ہیچمداں ہمہ داں را

○ سب سے پیشتر ہم ان حامیانِ عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو عام طور پر فلاسفۂ اسلام یا حکماء اسلام کے لقب سے مشہور ہیں اور جن کی زندگی کا اکثر حصہ عقل کی پیروی میں صرف ہوا ہے۔ شیخ بو علی سینا اور ابن رشد اندلسی اس گروہ کے بہت بڑے امام گذرے ہیں۔ شیخ نے اشارات کے آخر میں ایک مستقل باب اس کے لئے منعقد کیا ہے کہ انبیاء اور اولیاء کے بہت سے علوم ممکن ہے کہ عقول متوسطہ کے مرتبہ سے بالاتر ہوں۔ وہ

درحقیقت صحیح ہوں مگر عام طور پہ لوگ اُن کو سمجھ نہ سکیں۔ کیونکہ جو چیز انسان میں علوم اور ادراکات کی حاصل کرنے والی ہے وہ ایک لطیف چیز ہے جس کو روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جب علم کے حاصل ہونے کا مبنیٰ وہ ہی جزء لطیف ٹھہرا تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات اور ریاضات کے زائل کیا جائے گا۔ اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور لطافت کے بڑھنے سے علوم میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ چونکہ انبیاء اور اولیاء بھی ترک لذات اور کسر شہوات کے بعد جسمانی تعلقات سے بہت کچھ بیگانہ ہوجاتے ہیں اس لئے اگر ان کو بہت سی وہ باتیں معلوم ہوں جو ہم کو نہ ہوں تو یہ کوئی قابلِ استعجاب امر نہیں ہے اس کے بعد شیخ کہتا ہے۔

والعارفون المتنزهون اذا وضع عنهم وزر مقارنته البدن وانفكوا عن الشواغل خلصوا الى عالم القدس والسعادة وانتشوا بالكمال الاعلى وحصلت لهم اللذة العليا وقد عرفتها وليس هذا الالتذاذ مفقودًا من كل وجه والنفس فى البدن بل المتغمسون فى تامل الجبروت

اور خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت اُن سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے اور دنیوی مشاغل سے وہ علیحدہ ہوجاتے ہیں، تو ان کی توجہ خالص طور پر عالم اقدس اور عالم سعادۃ کی طرف مبذول ہوجاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑی لذت اٹھانے والے ہوتے ہیں جیسا کہ تم پہلے معلوم کر چکے ہو۔ اور یہ نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذت سے بالکل محروم رہیں۔ بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت و جبروت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اور جسمی مشغلوں

Marfat.com

المعرضون من الشواغل يصيبون — اعراض کرنے والے ہیں وہ ان اجسام میں رہ
وهم في هذه الابدان من — کر بھی اس لذۃ سے اتنا بڑا حصہ پا لیتے ہیں جو
هذه اللذة حظا وافراً قد — ان پر غالب آکر تمام اشیاء سے ان کو فارغ کر
يتمكن منهم فيشغلهم عن كل شي — دیتا ہے۔

شرح اشارات محقق طوسی میں ہے :-

جل جناب الحق تعالىٰ ان يكون — خدائے تعالیٰ کی جناب اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے
شريعة لكل وارد او يطلع عليه — کہ ہر وارد اور صادر کی گذرگاہ بن جائے یا اس
الا واحد بعد واحد ولذا لك — پر مخصوص افراد کے سوا کوئی مطلع ہو سکے اور اسی
فان ما يشتمل عليه هذا الفن — وجہ سے صوفیوں کا طریقہ غافل کے نزدیک مضحکہ خیز
ضحكة للمغفل وعبرة للمحصل — اور طالب کے واسطے عبرت انگیز طریقہ ہے تو جو ان
فمن سمعة فاشمأز عنه — کی باتوں کو سنکر ان سے اعراض کرے اُس کو
فليتهم نفسه لعلها لا تناسبه — چاہیئے کہ وہ اس بارے میں اپنے نفس کا قصور سمجھے
وكل ميسر لما خلق له — کیونکہ اس کو ان سے مناسبت نہیں ہے۔ اور ہر
ذكر قلة الواصلين الى الحق — شخص کے واسطے وہی بات آسان ہوتی ہے، جس
والاشارة الى ان سبب انكار — کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا
الجمهور للفن المذكور في — رسیدہ لوگ بہت کم پائے جاتے ہیں اور اکثر لوگ
هذا النمط هو جهلهم بها فان — باطنی طریقوں سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ
الناس اعداء ما جهلوا والى — وہ اس کو نہیں جانتے۔ آدمی ہمیشہ نامعلوم باتوں
ان النوع من الكمال ليس مما — کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر یہ کمال ہر ایک کو محض

یحصل بالاکتساب المحض بل انما یحتاج معرفتك الی جوھر مناسب لہ بحسب الفطرۃ [1]

حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا تا وقتیکہ اس کا جوہر طبیعت فطرۃً اس کے مناسب نہ ہو۔

ان دونوں عبارتوں سے شیخ اور علامہ طوسی کا یہ مطلب ہے کہ اگر انبیاء اور اولیاء سے بعض ایسے امور منقول ہوں جو ہماری عقل کے دائرہ سے باہر ہیں تو ہم کو ان کی اس بنا پر تصدیق کرنا چاہیئے کہ ان کے نفوس بہیمیت کی ظلمات اور بشریت کی کدورت سے پاک و صاف ہوتے ہیں اور ہم کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن شیخ کی اس تقریر سے اس کا کوئی جواب نہیں نکلا کہ اس صورت میں ہندوستان کے جوگی۔ نصاریٰ کے راہب اور پہلے زمانہ کے اشراقیوں کے تمام علوم کیوں قابل تسلیم نہیں ہیں۔ جبکہ روحانیت کی ترقی کا مدار تجرد اور ترک دنیا پر ہو تو ان لوگوں کا تجرد انبیاء اور اولیاء کے تجرد سے کیوں کم ہے۔ بلکہ بظاہر یہ لوگ بہت زیادہ آدمیوں کی مجالست سے متنفر اور انسانی جذبات کے فنا کر دینے والے نظر آتے ہیں۔ چونکہ اس حیثیت سے شیخ کی تقریر بالکل ناقص ہے اس لئے اب ہم شیخ کو چھوڑ کر دوسرے علماء کے اقوال کا مختصر انتخاب درج ذیل کرتے ہیں۔

○ قاضی ابن رشد اندلسی جس نے امام غزالیؒ کی کتابوں کا رد لکھا ہے اور اہل یورپ مسلمانوں کا سب سے بڑا فلسفی خیال کرتے ہیں۔ ایک مقام پر لکھتا ہے کہ خدائے برحق نے اپنی سچی کتاب میں ہم کو جا بجا قیاس اور استدلال

[1] شرح اشارات طوسی مطبوعہ مصر ص ۳۹۰-۱۲

Marfat.com

کے طریقہ پر توجہ دلائی ہے اور ہر چیز کو عقل سے دریافت کرنے کے لئے آمادہ کیا ہے۔

واذا کانت هذه الشرائع	اور جب یہ شریعت سچی ہے اور لوگوں کو اس غور و
حقا وداعية الى النظر المودى	فکر کی طرف بلا رہی ہے جس سے خدا کی معرفت
الى معرفة الحق فانا معشر	حاصل ہو تو ہم مسلمانوں کا قطعی یہ عقیدہ ہونا
المسلمين لعلم على القطع انه	چاہیئے کہ دلیل اور برہان سے شریعت کے خلاف
لايودى النظر البرهانى الى	کبھی ثابت نہیں ہو سکتا (کیونکہ شریعت بھی سچی
مخالفة ما ورد به الشرع فان	ہے اور دلیل بھی سچی) اور ایک سچی بات دوسری
الحق لا يضاد الحق[1]	سچی بات کے مخالف نہیں ہو سکتی۔

دوسرے موقعہ پر صوفیوں کے روحانی طریقہ کا ذکر کر کے لکھا ہے:۔

ونحن نقول ان هذه الطريقة	ہم کہتے ہیں کہ اس طریقہ کے وجود سے اگرچہ ہم
ان سلمنا وجودها فانها ليست	کو انکار نہیں مگر اس میں شک نہیں کہ یہ طریقہ
عامة للناس بما هم ناس ولو	لوگوں میں عام نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اسی طریقہ
كانت هذه الطريقة هي المفوضة	کا رواج پانا شریعت کا مقصود ہوتا تو فکر اور
بالناس لبطلت طريقة النظر	استدلال کا وجود بالکل باطل اور عبث قرار پاتا
وكان وجودها بالناس عبثا.	حالانکہ سارا قرآن قیاس اور استدلال کی طرف بلا
والقرآن كله انما دعا الى النظر	رہا ہے اور نظر کے طریقوں پر متنبہ کر رہا ہے۔
والاعتبار وتنبيه على طرق النظر[2]	

---

[1] دیکھو فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر ص ۶۔ [2] دیکھو فلسفہ ابن رشد مطبوعہ مصر ص ۳۵۔

Marfat.com

○ اس کے مقابلہ پر علامہ ابن تیمیہ رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں :-

فمن جرّب مایقولونہ (الانبیاء)	تو جو شخص انبیاء علیہم السلام کے ارشادات اور لوگوں
ویقولہ غیرھم وجد الصواب	کے اقوال کا تجربہ کرے گا وہ یقیناً انبیاء کو حق پر اور
معھم والخطاء مع مخالفھم	ان کے مخالفوں کو خطا پر پائے گا دیکھو رازی جو سب
کما قال الرازی مع انہ من	سے زیادہ سمعی روایات کو غیر معتبر ٹھہرانے والے ہیں
انہ من اعظم الناس طعناً	یہاں تک کہ انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو ان سے
فی الادلۃ السمعیۃ حتی ابتدع	پہلے کسی نے بھی نہیں کہی تھی یعنی یہ کہ روایات سے
قولاً ماعرف بہ قائل مشھور	کبھی یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا اس رازی کو
غیرہ وھو انما تفید الیقین مع	بھی یہ کہنا پڑا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام کے طریقوں
ھذا فانہ یقول لقد تامدت الطرق	میں بہت تامل کیا مگر ان کو ہرگز ایسا نہ پایا جو ایک
الکلامیۃ والمناھج الفلسفیۃ فما	مریض کو شفا بخشیں یا کسی پیاسے کو سیراب کر سکیں۔
رأیتھا تشفی علیلا ولا تروی غلیلا	ہاں تمام راستوں میں نزدیک تر راستہ قرآن کا ہے کہ
ووجدت اقرب الطرق طریقۃ القرآن	ثبوت کی جانب میں ہم یہ آیتیں پڑھ لیتے ہیں الیہ
اقرأ فی الاثبات الیہ یصعد الکلم	یصعد الکلم الطیب الرحمٰن علی العرش استوی
الطیب الرحمٰن علی العرش استوی	اور نفی میں لیس کمثلہ شیء اور لا یحیطون بہ
واقرأ فی النفی لیس کمثلہ شیء و	علما۔ اور جو کوئی مجھ جیسا تجربہ کرے گا۔ وہ بھی
لا یحیطون بہ علماً۔ ومن جرب	میری طرح اس بات کو سمجھ لے گا۔ اور نیز جو
بمثل تجربتی عرف مثل معرفتی	شخص ان لوگوں کے اقوال میں غور کرے گا
وایضاً فمن اعتبر ما عند الطوائف	جنہوں نے انبیاء کی تعلیمات اور روایات سے

Marfat.com

الذين لا يعتصمون بتعليم الانبياء وارشادهم واخبارهم وجدهم كلهم حائرين ضالين، شاكين مرتابين او جاهلين جهلا مركبا[1]

الذین لا یعتصمون بتعلیم الانبیاء وارشادھم واخبارھم وجدھم کلھم حائرین ضالین، شاکین مرتابین او جاھلین جھلا مرکبا[1]

استدلال نہیں کیا تو وہ ان کو تحیر، شک، گمرہی اور جہل مرکب میں مبتلا پائے گا۔

○ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے جن الفاظ سے اپنے ایک خطبہ میں امام فخر الدین رازی کو نصیحت فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف اور کھلے ہوئے الفاظ ہیں۔ وہ امام رازی کی حمیت دینے کا شکریہ ادا کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فاذن ينبغي للعاقل ان يتعرض لنفحات الجود ولا يبقى ماسودا في قيد نظره اوكسبه فانه على شبهة في ذالك و لقد اخبرني من الفتيه من اخوانك

اب عقلمند کے لئے مناسب ہے کہ وہ خدا کی جود و کرم کی خوشبوؤں سے فائدہ اٹھائے اور نظر و استدلال کی قید میں نہ پھنسا رہے۔ کیونکہ وہ اس طرح ہمیشہ مشتبہ حالت میں رہتا ہے چنانچہ مجھ سے تمہارے ایک دوست

وقد بكيت يوما فسالك هو ومن حضره عن بكائك فقلت مسئلة اعتقدتها منذ ثلثين سنة فتبين لي الساعة بدليل لاح لي ان الامر على خلاف ما كان عندي فبكيت لعل الذي لاح لي ايضا يكون مثل الاول فهذا قولك

نے جو مجھ سے ملا اس نے تم سے پوچھا تو تم نے یہ جواب دیا کہ ایک مسئلہ جس پر تیس برس سے اعتقاد جمائے ہوئے تھا۔ اسی وقت ایک دلیل سے مجھ کو کیا اطمینان ہے کہ جو تحقیق مجھ کو اب ظاہر ہوئی ہے۔ وہ بھی پہلے کی طرح غلط نہ ہوگی یہ خود تمہارا قول ہے اور

---

[1] دیکھو رسائل تیمیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۰۹ - ۱۲

Marfat.com

ومن المحال على الواقف بمرتبة العقل والفكر ان يستريح وان يسكن ولا سيما في معرفة الله تعالىٰ فما بالك يا اخي تبقى في هذه الورطة ولا تدخل طريق الرياضات. والمكاشفات والمجاهدات والخلوات التي شرعها رسول الله صلى الله عليه وسلم فتناول ما نال من قال فيه الله سبحانه عبدًا من عبادنا اتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علمًا[1]

واقعی وہ شخص جو عقل اور استدلال کے مرتبہ سے آگے نہیں بڑھا نا ممکن ہے کہ سکون و اطمینان اور راحت حاصل کرلے بالخصوص خدا تعالیٰ کی معرفت میں تو اے برادر پھر بھی تم کیوں اس گرداب (نظر و فکر) میں پڑے ہوئے۔ اور کیوں ریاضات۔ مجاہدات۔ مکاشفات اور خلوات کا وہ طریقہ اختیار نہیں کرتے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم بھی وہ چیز حاصل کرلو جو اس بندہ نے کی جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو خاص اپنے پاس سے رحمت اور علم عطا کیا۔

○ حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:۔

بلکہ مقصود آنست کہ نسبت بمعتقدات یقینی و اطمینانی حاصل کند کہ ہرگز بہ مشکک زائل نگردد و بایراد شبہ باطل نہ شود۔ چہ پائے استدلال چوبین است و مستدل

یعنی مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے اعتقادات میں ایسے مضبوط ہوں اور ایسا یقین اور اطمینان حاصل کریں جس کو کوئی شک ڈالنے والا زائل نہ کرسکے اور وہ کسی کے شبہات پیدا کرنے سے جاتا نہ رہے کیونکہ استدلال کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں اور مستدل ذرا سی دیر بھی

[1] دیکھو کشکول بہاؤالدین عاملی مطبوعہ مصر ص ۳۲۱ ۔ ۱۲

Marfat.com

بے تمکین الا بذکر اللہ تطمئن القلوب[1]

نہیں ٹھہر سکتا خوب آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

ایک اور موقع پہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

" وچنانچہ طور عقل ورائے طور حس ست کہ انچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک آں می نماید ہمچنیں طور نبوت ورائے طور عقل ست انچہ بعقل مدرک نشود بتوسل نبوت درک می تواند کرد ہر کہ ورائے طور عقل طریقے اثبات معرفت نمی نماید فی الحقیقت منکر نبوۃ ست ومصادم بداہتہ[2] "

اور جیسا کہ عقل کا راستہ حواس کے راستہ سے علیحدہ ہے کہ جو چیز حواس سے نہ جانی جائے عقل سے معلوم ہو سکتی ہے اسی طرح نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے علیحدہ ہے یعنی جس بات کو عقل سے دریافت نہیں کر سکتے اس کو نور نبوۃ سے جان سکتے ہیں اور جو شخص عقل کے اوپر کوئی اور طریقہ علم کا تسلیم نہیں کرتا وہ درحقیقت نبوۃ کا منکر اور بداہت کا مخالف ہے۔

ذرا اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

" وبالجملہ طریق ریاضت ومجاہدات درنگ طریق نظر واستدلال وقتے اعتبار پیدا کند کہ مقرون بتصدیق انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات[3] "

اور حاصل یہ ہے کہ ریاضات اور مجاہدات کا طریقہ بھی نظر اور استدلال کے رنگ میں اس وقت قابل اعتبار اور اعتماد کے ہے جب کہ اس کی تصدیق انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والسلام کے ذریعہ سے ہو چکی ہے۔

---

[1] دیکھو مکتوبات مجدد صاحب مطبوعہ دہلی ص ۲۳۳ جلد ۱۔ [2] ایضاً ص ۴ جلد ۳۔ [3] ایضاً ص ۴۲ جلد ۳۔

Marfat.com

○ علامہ ابن خلدون بھی مجدد صاحب کے پورے پورے ہم زبان ہیں۔ وہ مجدد صاحب سے ذرا زیادہ تشریح کے ساتھ اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں:۔

" فانتهم ادراكك ومدار كاتك في الحصر واتبع ما امرك الشارع من اعتقادك وعملك فهو احرص على سعادتك واعلم بما ينفعك لانه من طور فوق ادراكك ومن نطاق اوسع من نطاق عقلك وليس ذالك بقادح في العقل ومداركه بل العقل ميزان صحيح فاحكامه يقينية لاكذب فيها۔ غير انك لاتطمع ان تزن بها امور التوحيد والاخرة وحقيقة النبوة و حقائق الصفات الالهية و كل ماوراء طوره فان ذالك طمع في محال ومثال ذالك مثال رجل راى الميزان الذى يوزن به الذهب فيطمع ان

پس تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے میں خطا وار سمجھو کہ جو ہم جانتے ہیں تمام موجودات اسی میں منحصر ہیں، اور شارع علیہ السلام کے بتلائے ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ تمہارے بہی خواہ اور سود و بہبود کو سمجھنے والے ہیں ان کا علم تمہارے علم سے اونچا اور ایسے ذریعہ سے حاصل ہونے والا ہے جو تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے باقی ہمارے اس کہنے سے عقل اور اس کی معلومات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہم عقل کو ایک میزان صحیح سمجھتے ہیں جس کے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہیں۔ ہاں یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے توحید و آخرۃ کے امور اور نبوت و صفات الٰہیہ وغیرہ کے حقائق کو وزن کرنے لگو یہ تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ کوئی شخص ایک سونے چاندی کے تولنے کا کانٹا دیکھے اور اس میں پہاڑوں کے تولنے کا ارادہ کرنے لگے۔ تو یہ نہ کہا جائے گا کہ ترازو وزن بتلانے

Marfat.com

یزن به الجبال هذا لا یدرك
علی ان المیزان فی احکامه غیر صادق
لکن العقل یقف عنده ولا یتعدی
طوره حتی یکون له ان یحیط
باالله وبصفاته فانه ذرة من
ذرات الوجود الحاصل منه وتفطن
فی هذا غلط من یقدم العقل
علی السمع فی امثال هذه القضایا
وقصور فهمه واضمحلال رایه فقد
تبین لك الحق من ذالك[1]

کے اعتبار سے درست نہیں ہے بلکہ یہ کہیں گے کہ
کہ ہر ایک میزان کے واسطے ایک حد ہے جس کے
آگے وہ کام نہیں دے سکتی اسی طرح میزان عقل
بھی ایک خاص موقعہ پر ٹھہر جاتی ہے اور یہ نہیں ہو
سکتا کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر خدا کی ذات وصفات
کا احاطہ کرے۔ کیونکہ جو عقل بھی وجود کے ان ذرات
میں کا ایک ذرہ ہے جو خدا کی طرف سے فائض
ہوتے ہیں۔ اسی جگہ سے تم ان لوگوں کی غلطی
کم فہمی اور رائے کی کمزوری کو معلوم کر لو جو عقل
کو اس قسم کے معاملات میں سمعیات پر ترجیح دیتے ہیں۔

دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:۔

"وقد تنبه لذلك زعیمهم ابو
علی ابن سینا فقال فی کتاب
المبدأ والمعاد ان المعاد الروحانی
واحواله مما یتوصل الیه بالبرا
هین العقلیة والمقائیس لانه
علی نسبة طبعیة محفوظة ووتیرة
واحدة۔ فلنا فی البراهین علیه

اور رئیس الفلاسفہ بو علی سینا نے بھی اس بات پر
متنبہ ہو کر کتاب المبدأ والمعاد میں یہ کہہ دیا ہے کہ
روح کو عذاب و ثواب ہونے پر تو ہم دلائل اور قیاسات
قائم کر سکتے ہیں کیونکہ ایسا ہونا مضبوط قانون طبیعی
اور ایک خاص طریقہ کے تحت میں داخل ہے تو اس
کے اندر برہان سے ثابت کرنے کی گنجائش نکل سکتی
ہے مگر جسمانی اعادۃ اور جزا سزا کا محض استدلال

[1] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ص ۳۸۴۔ ۱۲

Marfat.com

سعة واما المعاد الجسمانی و، احواله فلا یمکن ادراکه بالبرهان لانه لیس علی نسبة واحدة و قد بسطة لنا الشریعة الحقة المحمدیة فلینظر فیها ولترجع فی احواله الیها[1]

سے جاننا ہرگز ممکن نہیں کیونکہ وہ کسی خاص نسبت اور قاعدے کے نیچے واقع نہیں ہے لیکن شریعت محمدیہ حقہ نے اس کی حالات تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں جس کا جی چاہے اس کی طرف رجوع کر کے دیکھ لے۔

جو علوم نہ بذریعہ عقل کے بلکہ بذریعہ کشف کے معلوم ہوں ان کی بابت لکھتے ہیں :-

"ثم هذا الکشف لا یکون صحیحا کاملا عندهم الا اذا کان ناشیا عن الاستقامة لان الکشف قد یحصل لصاحب الجوع والخلوة ——— کالسحرة والنصاری وغیرهم من المرتاضین ولیس مرادنا الا الکشف الناشی عن الاستقامة ومثاله ان المرآة المصقیلة اذا کانت محدبة او مقعرة وحوذی بها جهة المرئی فانه یتشکل فیها معوجا علی غیر صورة وان کانت مسطحة تتشکل فیها المرئی صحیحا[2]۔

پھر یہ کشف بھی صحیح اور کامل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ استقامت (یعنی شریعت کے احکام پر پورا پورا عمل نہ ہو) ورنہ یوں تو بہت سے ریاضت اور خلوت سے صفائی قلب حاصل کرنے والوں کو بھی کشف ہونے لگتا ہے جیسا کہ ساحرین۔ نصاریٰ اور ریاضت کرنے والے اور ان دونوں کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک صاف آئینہ تو محدب اور مقعر (اونچا نیچا) ہو اس میں کسی چیز کا عکس بھی ٹیڑھا ترچھا پڑتا ہے اور ایک آئینہ مسطح (ہموار) ہو اس میں شکل بھی سیدھی اور صحیح صحیح دکھائی دے گی۔

[1] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مصری ص ۴۵۷۔ ۱۲۔ [2] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مصری ص ۳۹۲۔ ۱۲۔

Marfat.com

○ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔
"عقل اور استدلال کے طریقہ سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جس کا ازالہ نہ ہو سکے۔" تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہے اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں۔ یعنی ناپائدار نہیں ہوتے۔ ان میں اگر کوئی شک وشبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ تو ایسا ہے کہ گویا اپنی آنکھوں سے ایک چیز دیکھ لی اور اپنے کانوں سے کوئی بات سن لی چنانچہ عوارف میں لکھتے ہیں:۔

"فما اضطراب الطبائع الا ضرب من الجهل فقلوب الصوفية واعية لانهم زهدوا فی الدنیا بعد ان احكموا اساس التقوی فبالتقوی زكت نفوسهم وبالزهد صفت قلوبهم فلما عدموا شواغل الدنیا بتحقیق الزهد انفتحت مسامّ بواطنهم وسمعت آذان قلوبهم"[1]

تو یہ اضطراب اور تردد جو طبیعتوں میں دیکھتے ہو یہ بھی جہل کی ایک قسم ہے۔ اس اعتبار سے صوفیوں کے قلوب بہت محفوظ ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تقویٰ اور طہارت کی بنیاد کو مضبوط کر کے زہد اور ترک دنیا اختیار کیا۔ تو تقویٰ کی وجہ سے ان کے نفس پاک اور زہد کی وجہ سے دل صاف ہو گئے۔ اور جب دنیوی مشاغل کو انہوں نے فنا کر دیا تو ان کے باطن کے مسامات کھل گئے اور ان کے دل کے کان سننے لگے۔

○ متکلمین کی جماعت میں علامہ علاؤ الدین علی الطوسی (المتوفی ۸۷۷ھ) نے سلطان محمد فاتح کے حکم سے جو کتاب حکمار کے رد میں لکھی ہے۔ اس کے مقدمہ

[1] دیکھو عوارف المعارف مطبوعہ مصر ص۶ ج ۱۲

میں یہ بتلایا ہے کہ ہماری عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ بلکہ بڑے بڑے حکما محسوسات کی ماہیت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہم کو چند ایسے امور کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔ جن کی باریکیوں کو اگرچہ ہم نے خود نہیں سمجھا مگر خدا کے ایسے سچے رسولوں نے ہم کو انکی خبر دی ہے جن کی صداقت پر سینکڑوں آیات بینات گواہی دے رہی ہیں

کیا ہماری آنکھوں نے ان تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہے جن کو وہ دیکھ سکتی ہیں یا ہمارے کانوں نے ان تمام آوازوں کو سن لیا ہے جن کو وہ سن سکتے ہیں (یا ہمارے ہاتھوں نے تمام اُن چیزوں کو چھو لیا ہے جن کو وہ چھو سکتے ہیں۔ یا ہماری زبان نے تمام ان الفاظ کو ادا کر دیا ہے جن کو ہم ادا کر سکتے ہیں) پھر جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے مقدورات پر پورا پورا احاطہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے۔ یہاں تک کہ خدا کی ذات وصفات کے مسائل بھی اس کے قابو میں آجائیں اور حقائق اشیاء میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو اس کی دسترس سے اچھوتی ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پانی، آگ، مٹی وغیرہ یہ وہ اجسام جو ہر وقت ہم کو نظر آتے ہیں ان کی حقیقت کے دریافت کرنے میں بڑے بڑے فلاسفر متحیر ہیں۔ افلاطون کہتا ہے کہ یہ بسیط اجسام ہیں اور ارسطو کی جماعت کہتی ہے کہ نہیں ہیولی اور صورت سے مرکب ہیں جو۔ دیمقراطیس کہتا ہے کہ یہ اجسام ایسے ذرات سے مرکب ہیں جو نہایت سخت ہونے کی وجہ سے قابل تقسیم نہیں ہیں۔ پھر

Marfat.com

اجزار جسم کے متناہی اور غیر متناہی ہونے کی حیثیت سے نظام کچھ کہتا ہے اور متکلمین کچھ۔ اسی طرح عقل اور نفس ناطقہ کے بارے میں ہر ایک کا مذہب جداگانہ ہے اور ایک جو دلیل قائم کرتا ہے دوسرا اس کو رد کر دیتا ہے۔ بھلا وہ نفس جو ہر وقت ہمارے پاس رہتا ہے اور وہ اجسام جو شب و روز ہمارے استعمال میں آتے ہیں جب اُن کی حقیقت کے معلوم کرنے میں ان اذکیار کا یہ حال ہے تو غیب کے اسرار اور ملکوت کے دقائق تک ان کی رسائی کی۔ کیونکر اُمید ہو سکتی ہے۔ سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال کی صحیح کیفیت کو وہ ہی شخص سمجھے جس کی تائید خدا کی جانب سے کی گئی ہو۔ ایسا شخص اس کی اطلاع کرے جس کے مبعوث من اللہ ہونے پر ہزاروں علامات ظاہر ہو چکی ہوں ورنہ جو احمق نبوت کے انوار سے مستفید ہوئے بغیر محض اپنی عقل پر بھروسہ کر کے الٰہیات کی کُنہ تک پہنچنا چاہے گا اس کے اوہام یقیناً اس کی عقل سے سخت مزاحمت کریں گے اور اس کو وہمی اور عقلی چیزوں کے تمیز دینے میں ایسی دشواری پیش آئے گی۔ جس کے انسداد کی کوئی تدبیر اس کے پاس نہ ہو گی۔ ارسطو کا یہ قول نہایت انصاف پر مبنی ہے کہ الٰہیات کے مسائل میں دلائل سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

باقی بن حکمائے انبیاء کی تقلید کو چھوڑ کر ان مسائل میں انہماک پیدا کیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو فطرۃً ذہین بنایا تھا اور ان کی عقلوں میں ایک قسم کی تیزی پیدا کی تھی۔ جس کے ذریعہ سے انہوں نے ہندسہ اور حساب وغیرہ علوم میں ایسی کامل دستگاہ پیدا کر لی، کہ اس

Marfat.com

اعتبار سے ان کی جس قدر تعظیم کی جاتی تھوڑی تھی۔ لیکن افسوس انہوں نے خدا کے اس انعام کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اور وہ اس کے پورے پورے مصداق بن گئے۔ ع اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

انہوں نے ایسے لق و دق میدان میں قدم رکھنے کی جرأت کی کہ جہاں کی فہم و فراست کی سرحد سے بالکل خارج تھا۔ یہاں تک کہ وہ خود بے راہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا۔

اب اُن کے اس حال سے ہر ایک انسان کو چاہیئے کہ عبرت حاصل کرے اور کسی ایسے رسول کے اقوال پر جس کی راست بازی دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہو بے چون و چرا اعتماد کر کے اپنے دل کو ان اضطرابات اور شکوک و اوہام سے رستگاری دے وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [1]

○ اب یہاں پہنچکر ہم کو چاہیئے تھا کہ ہم قلم کی باگ امام غزالیؒ کی تقریر کی طرف پھیر دیتے جس کا حوالہ ہم بہت دور سے دیتے چلے آرہے ہیں کیونکہ اس وقت ہم حکماء اور متکلمین۔ صوفیہ اور مورخین سب کے کلاموں کے انتخاب سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہماری تحریر کے پڑھنے والوں میں جو تحریک اس مسئلہ کی بابت ہم پیدا کرنا چاہتے تھے وہ بھی غالباً پیدا ہو چکی ہے۔ لیکن بڑی کوتاہی ہوگی اگر ہم اس پر موقع پر شاہ ولی اللہ صاحب جیسے یگانۂ عصر کو فراموش کر جائیں۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ متاخرین میں ان سے بڑھ کر کوئی اس مسئلہ (عقل و نقل) کا سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ اس اخیر

[1] یہ سب تفصیل کتاب الذخیرہ مطبوعہ دائرۃ المعارف ص ۲۰۹ میں مذکور ہے۔ ۱۲

Marfat.com

دور میں ان سے زیادہ کسی نے شریعت کے اسرار اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے وہ اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

قد یظن ان الاحکام الشرعیۃ غیر متضمنۃ لشئی من المصالح وانہ لیس بین الاعمال وبین ما جعل اللہ جزاءً لھا مناسبۃ وان مثل التکلیف بالشرائع کمثل سید اراد ان یختبر طاعۃ عبدہ فامرہ برفع حجر او لمس شجر مما لا فائدۃ فیہ غیر الاختبار فلما اطاع او عصی جوزی بمثلہ وھذا ظن فاسد تکذبہ السنۃ واجماع القرون المشھود لھا بالخیر[1]

کبھی یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ شریعت کے احکام عقلی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں اور نہ اعمال میں اور انکی جزا و سزا میں کوئی خاص مناسبت ملحوظ ہے اور یہ کہ انسان کو خدا کی جانب سے احکام شرعیہ کا مکلف بنانا ایسا ہے جیسا کوئی آقا اپنے غلام کی فرمانبرداری کا امتحان کرنا چاہے اور اس کو کسی پتھر کے اٹھا لانے یا کسی درخت کے چھونے یا کسی اور ایسے کام کا حکم کرے جس میں اس کی آزمائش کے سوا کوئی فائدہ نہ ہو اب اگر اس غلام نے اطاعت کی یا نہ کی تو اس کا ویسا ہی بدلہ دے دیا گیا۔ شریعت کی بابت یہ خیال بالکل فاسد ہے جس کی تکذیب سنت رسول اللہ اور قرونِ اولیٰ کے اجماع نے کی ہے۔

پھر ایک ورق کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں:-

نعم کما اوجبت السنۃ ھذہ وانعقد علیہ الاجماع فقد

ہاں جیسا کہ سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہوا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ خدا کی طرف سے محض

---

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۲۰۔۵

Marfat.com

اوجبت ایضًا انّ نزول القضاء بالایجاب والتحریم سبب عظیم فی نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لاثابة المطیع وعقاب العاصی وانه لیس الامر علی ما ظن من ان حسن الاعمال وقبحها بمعنی استحقاق العمل الثواب والعذاب عقلیان من کل وجه وان الشرع وظیفته الاخبار عن خواص الاعمال علی ما هی علیه دون انشاء الایجاب والتحریم بمنزلة طبیب یصف خواص الادویة وانواع المرض فمن ظن فاسد تجئ السنة باوی الرائے[1]

کسی چیز کے وجوب یا حرمت وغیرہ کے متعلق حکم کا نازل ہونا بھی مصالح عقلیہ سے قطع نظر کرکے نیکوں کو ثواب اور گنہگاروں کو عذاب دینے کا بڑا سبب ہے اور ایسا نہیں جیسا کہ بعضوں کا گمان ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی ان کے کرنے نہ کرنے پر عذاب و ثواب کا استحقاق محض عقل سے ثابت ہو سکتا ہو۔ باقی شریعت کا کام اس طبیب کی طرح جو دواؤں کے خواص اور مرض کے اقسام کو بیان کرتا ہے۔ صرف یہ ہو کہ وہ اعمال کی واقعی خاصیتوں کو ظاہر کردے نہ یہ کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو واجب یا حرام بنائے۔ اس قسم کے خیالات بالکل فاسد ہیں۔ جن سے کھلے طور پر سنت رسول اللہ نفرت کرتی ہے۔

○ یہ تمام اقوال جو یہاں تک نقل کئے گئے ان مستند علماء کے اقوال ہیں جو بلحاظ اپنے فضل و کمال کے امت محمدیہ کے آفتاب اور ماہتاب شمار کئے گئے ہیں اور جن کی فضیلت خواہ کسی حیثیت سے ہو چار دانگ عالم میں تسلیم کی جاچکی ہے۔

لیکن ان متفرق اقوال اور پر آگندہ مضامین سے ایک کم علم آدمی بجائے

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۶ ج ۱۔

اس کے کہ کچھ فائدہ اٹھائے سخت پریشانی میں پڑ جاتا ہے اور وہ متعین نہیں کر سکتا کہ میں ان میں سے کس بات کو لوں اور کس کو چھوڑوں، اسی تذبذب کے وقت میں امام غزالیؒ آتے ہیں اور احیاء العلوم وغیرہ کے ذریعے سے اس کی دستگیری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ سب باتیں درست ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کسی مذہب حق کے تمام احکام عقل کے مطابق ہیں اور یہ بھی ایک اعتبار سے صحیح ہے کہ نبوت اور ولایت کا مرتبہ عقل سے بالاتر ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہ ہر ایک علم عقل ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اس کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں کہ بعض علوم عقل کے سوا اور کسی طریقے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکام عقل مصالح پر مبنی ہیں اور یہ کہنا بھی بیجا نہیں کہ محض عقلی مصالح کسی چیز کے فرض کرنے یا حرام کرنے کے لئے کافی نہیں۔

ممکن ہے کہ تمہاری کمزور طبیعت ان متضاد بیانات کو دیکھ کر گھبرا اٹھے اور تم ان بیچدار مقدمات کو کوئی منطقی طلسم سمجھنے لگو۔ مگر جو جامع مانع تقریر ہم عنقریب درج کریں گے اس کو پڑھ کر تمہاری تسلی ہو جائے گی۔ اور تم یقین کر لو گے کہ ان اقوال میں لفظی نزاع کے سوا، کوئی حقیقی اختلاف سمجھنا ہمارے فہم کی تقصیر ہے۔

○ تم سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ انسان کو قدرت نے دوسرے حیوانات سے کون سی امتیازی حالت عطا کی ہے کیا قدرت۔ ارادہ۔ خوف۔ رجاء۔ شہوۃ۔ غضب یہ صفات جو انسان میں رکھی ہوئی ہیں اور حیوانات میں نہیں

Marfat.com

ہیں؟ یا آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان۔ دست و پا جو اعضاء انسان کو عنایت کیئے گئے ہیں اوروں کو نہیں دیئے گئے؟ یا حس مشترک۔ خیال، وہم، حافظہ، وغیرہ حواس باطنہ جو انسان میں ودیعت کیئے گئے ہیں۔ دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے؟ تم یقیناً کہو گے کہ ان سب چیزوں کے اعتبار سے انسان کو کوئی فضیلت اور جانوروں پر حاصل نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات بعض جانوران بعض قوتوں میں انسان سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انسان کی شرافت جانوروں کے مقابلہ میں تسلیم کر لی گئی۔ اور وہ کیا علامات ہیں جو انسان کے روشن چہرہ کے امتیازی خط و خال ہیں۔

اس کے جواب میں ہم بجز ان دو چیزوں کے کسی کا نام نہیں لے سکتے جن کا اختصار علم اور ارادہ کے دو چھوٹے چھوٹے لفظ کرتے ہیں، اور جن کی تشریح میں ہم کو اپنے ناظرین کے وقت کا ایک معتد بہ حصہ لینا پڑے گا۔

علم سے ہماری مراد وہ علم ہے کہ جس کی بدولت دنیا اور آخرۃ کے حالات منکشف ہوتے ہیں اور وہ کائنات کے حقائق کو ان کی اصلی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو۔ اور ارادہ کے لفظ سے ہم نے اس ارادہ کا قصد کیا ہے۔ جو نفسانی خواہش کے اشارہ پر نہیں بلکہ علم کے اشارہ پر چلنے والا ہے۔ کیونکہ جو ارادہ قوۃ شہوانی کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے وہ تو تمام حیوانات میں موجود ہے۔ ہر جاندار بھوک اور پیاس کے وقت دانہ پانی کی طلب میں دوڑتا ہے۔ شہوۃ کے غلبہ کے وقت اس کے فرو کرنے کا ارادہ کرتا ہے اپنے دشمن کے مقابلہ میں پوری طاقت اور زور آزمائی دکھلاتا

Marfat.com

ہے۔ تو کیا ان سب حالتوں میں ارادہ نہیں پایا گیا۔ لیکن ہاں وہ ارادہ نہیں جو افراد انسانی کی خصوصیات میں سے ہے انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شہوانی میلان کے خلاف بھی اگر اس کی عقل ہدایت کرے حرکت کر سکتا ہو، اور اپنے فعل و ترک میں جی چاہنے نہ چاہنے کا پابند نہ ہو۔

یہ ارادہ اور وہ علم جس کا ذکر پہلے ہوا۔ بزرگ ترین مخلوقات یعنی انسان کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان ہی دو نشانیوں سے انسان حیوانات سے اور بڑا آدمی بچوں سے باعتبار اپنے کمال کے پہچانا جاتا ہے۔ بچہ جب اپنی پیدائش کے مدارج طے کرتا ہوا رحم مادر سے باہر آتا ہے تو وہ نہ بھلے بُرے، نیک و بد اور نافع مضر کی تمیز رکھتا ہے اور نہ اس کا کوئی ارادہ کسی قانون عقلی کا تابع ہوتا ہے۔ اور جوں جوں اس کے قویٰ میں نشوونما۔ اس کے علم میں ترقی اس کی معلومات میں وسعت ہوتی جاتی ہے اس قدر اس کے افعال و اعمال فہم و دانش کے قاعدوں میں منضبط ہوتے جاتے ہیں۔ اب اگر اس کا علم سچا ہے اور اس کی عقل نے جو فتوے نافذ کئے ہیں وہ صحیح ہیں تو اس کے سب عمل درست ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کی عقل نے لغزش کھائی نافع کو مضر، مضر کو نافع یا نیک کو بد، بد کو نیک سمجھ لیا تو ہرگز توقع نہیں کہ وہ اپنی حرکات و سکنات میں کج روی و غلطی سے محفوظ رہے اس صورت میں ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ صحیح علم کے حاصل ہونے کے ذرائع سوچے اور تازیست اپنے اندر اُن کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن جس حد تک غور کیا گیا علم کی حقیقت اس سے زیادہ معلوم نہیں

Marfat.com

ہوئی کہ کسی چیز کا نقشہ ایسی طرح ہماری عقل میں کھنچ جائے جیسا کہ آئینے میں کسی شے کی تصویر نظر آنے لگتی ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص ہماری نظر سے گذرا یا ایک شاندار مکان ہم نے کسی جگہ دیکھا اور کچھ دیر کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ تو پھر ہم جب کبھی اس شخص یا اس مکان کو دیکھتے ہیں۔ فوراً شناخت کر لیتے ہیں کہ یہ وہی شخص اور وہی مکان ہے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا نقشہ جو اس مکان یا اس شخص پر پورا پورا منطبق ہو موجود نہ ہوتا تو وہ اور کون سا معیار تھا جس کے ذریعہ سے اتنی مدت کے بعد ہم کو یہ شناخت ہو گئی۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کا ذہن (عقل) مثل ایک آئینہ کے ہے اور اس میں جو معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ اس عکس کی مانند ہیں جو کسی شے کے محاذات کے وقت آئینہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ آئینہ میں صرف ان اشیاء کا عکس پڑتا ہے۔ جو آنکھوں سے نظر آنے کے قابل ہوں اور ذہن میں ہر قسم کی چیزیں منتقش ہو جاتی ہیں۔ مثلاً کسی لیکچرر کی ایک لمبی چوڑی تقریر تم نے سنی اور اس کے مضامین کا خلاصہ تم نے اپنے ذہن میں ملحوظ رکھا تو اب جب کبھی کوئی شخص وہ تقریر کہے گا۔ تم فوراً سمجھ جاؤ گے کہ یہ بعینہٖ وہ مضامین ہیں جو فلاں لیکچرر نے بیان کئے تھے۔ اگر ان مضامین کا کوئی فوٹو تمہارے پاس نہیں تھا تو تم نے یہ کیسے جانا کہ وہ اور یہ تقریر ایک ہی ہیں۔ اس سے بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ہمارے ذہن میں ان مضامین کا کوئی خاکہ موجود تھا۔ حالانکہ ان ہی مضامین کا عکس اگر ہم آئینہ میں لینا چاہیں تو بالکل

ناممکن ہے۔

غرض آئینہ میں اور ذہن میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک میں مخصوص چیزوں کا عکس آتا ہے اور دوسرے میں ہر چیز کا مگر دونوں میں اس قدر اشتراک ہے کہ اس میں بھی کسی چیز کی تصویر حاصل ہوتی ہے اور اس میں بھی اب اگر کوئی چیز آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل ہو لیکن منعکس نہ ہو تو جہاں تک تتبع[1] اور استقرار سے معلوم ہوا اس کے پانچ وجوہات ہو سکتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ جوہر (لوہا) جس سے آئینہ بنتا ہے اس نے ابھی تک صیقل ہو کر آئینہ کی صورت اختیار نہیں کی یا آئینہ بن چکا۔ مگر زنگ آلود ہو گیا۔ یا صاف و شفاف ہے مگر جس چیز کا عکس اس میں لینا چاہتے ہو وہ اس کے مقابل نہیں۔ یا مقابل بھی ہے مگر آئینہ کے اور اس شے کے بیچ میں کوئی دوسری شے حائل ہے یا عکس لینے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اس صورت کا عکس کس جہت میں ہو کر لیا جا سکتا ہے۔ ان سب حالتوں میں اشیاء مطلوبہ کا عکس آئینہ میں نہیں آسکتا۔ اور اگر ان موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر محال ہے کہ محسوسات کی صورت اس میں ظاہر نہ ہو۔

ٹھیک اسی طرح انسان کے قلب (عقل) کی حالت ہے کبھی تو ایسا ہوگا کہ خود قلب ابھی ناقص ہے اور انعکاس کی پوری قابلیت اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ جیسا کہ شیر خوار بچہ کا قلب کہ وہ معقولات کے علم سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اور کبھی معاصی اور ناپاک افعال کے ارتکاب سے قلب پر ایک قسم کی کدورت اور ظلمت چھا جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی پوری جلا اور

[1] تلاش

صفائی باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس میں لطیف اور باریک چیزوں کا انعکاس نہیں ہوتا۔ اور خدا کی ذات وصفات اور غیب کے اسرار سے یہ قلب بالکل عاری رہتا ہے۔

اس قلب کے زنگ چھوڑانے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ ہمہ تن خدا کی اطاعت کی طرف توجہ اور مقتضائے شہوات سے پورا پورا اعراض کرے اور مجاہدات کا وہ طریقہ اختیار کرے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے ناجائز خواہشات کے استیصال کے واسطے تلقین کیا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبلنا۔ (القرآن) اور من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم (الحدیث) میں اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن کبھی آدمی کا قلب گناہوں کی آلایشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے اور پھر بھی اس میں علوم ذات وصفات اور حقائق اشیاء مرتسم نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی توجہ اِن چیزوں کی طرف کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ آفاتِ نفس کے جاننے یا طرق معاش کے مہیا کرنے میں مثلاً مصروف ہوتا ہے تو وہ چیزیں جن کی طرف اس کے قلب کو توجہ نہیں ہے۔ اسی طرح منعکس نہیں ہوسکتیں جس طرح آئینہ میں وہ صورتیں جو اس کے محاذی نہ ہوں۔ ہاں قلب کبھی صاف بھی ہوتا ہے اور توجہ بھی کامل ہے مگر وہ فاسد عقائد جو تقلید یا حسن ظن کی بنا پر دل میں پہلے سے راسخ ہیں حقائق کے انعکاس کے لئے حجاب بن جاتے ہیں اور جیسا کہ اور شے مطلوب کے درمیان میں اگر کوئی شے حائل ہوجائے تو اس کا عکس اس میں نہیں پڑتا

Marfat.com

ایسے ہی حجاب کے وقت ہماری عقل حقیقی علوم کے حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے اور کبھی علم کے یہ تمام سامان جمع ہوتے ہیں مگر جن حاصل شدہ علوم پر یہ علم متفرع ہوتا ہے ان میں مناسب ترتیب قائم کرنی ہم کو نہیں آتی اس لئے ہم علم سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی گدی کے پیچھے کا حال آئینہ میں دیکھنا چاہے۔ اب اگر وہ آئینہ کو آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے تو پیچھے کا حال اس میں کھل نہیں سکتا اور اگر پیچھے لیجاتا ہے تو گو انعکاس ہو جاتا ہے مگر آنکھیں اس عکس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

اُس وقت یہ شخص باوجود تمام اسباب مہیا ہونے کے عکس کے دیکھنے سے اس لئے محروم ہے کہ اس کو اس عکس کے لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ اگر کوئی اس کو یہ بتلادے کہ ایک آئینہ پیچھے لیجاؤ اور ایک آئینہ اس آئینہ کے مجاذات میں اس طرح سامنے رکھو کہ جو عکس اس آئینہ میں پڑے اسی عکس کا پرتو وہ دوسرے آئینہ میں بھی آجائے تو اس طریقہ کے معلوم ہونے سے اس کی ساری مشکل حل ہو جائے گی۔ اور جو دقتیں اس عکس کے لینے میں وُہ اٹھا رہا تھا وہ یک لخت جاتی رہیں گی۔

یہی حال بعینہٖ انسان کے قلب کا سمجھو اور یقین کر لو کہ یہی اُمور ہیں جو اکثر حقائق کی معرفت سے ہم کو بے بہرہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ موانع نہ ہوں تو بیشک ہر قلب اس فیضِ علم کے حاصل کر لینے کی پوری قابلیت رکھتا ہے جو فیاض ازل کی طرف سے بغیر کسی بخل کے ہر وقت اور ہر آن جاری ہے۔

○ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سچے مذہب کے احکام عقل کے مطابق ہوتے

Marfat.com

ہیں ان کا یہ قول اس اعتبار سے بالکل صحیح ہے کہ ایک کامل اور صاف و شفاف عقل جس میں حقائق کے انعکاس کی سب شرائط موجود ہوں۔ ہرگز خدا کے حکم کے خلاف حکم نافذ نہیں کر سکتی اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ احکام خداوندی کو اپنی عقل کی میزان میں نہ تولو۔ ان کی غرض یہ ہے کہ ہماری زنگ آلود عقلوں میں خدائی اسرار کا انعکاس نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جس فریق کا یہ خیال ہے کہ حقائق نبوت اور حقائق صفات الٰہیہ ہماری فہم و ادراک سے بالاتر ہیں وہ عام فہم اور ادراک کے لحاظ سے بالکل سچ کہتے ہیں اور جس شخص کا یہ قول ہے کہ نہیں یہ چیزیں بھی بذریعہ عقل انسانی کے دریافت ہو سکتی ہیں تو اس کا یہ دعویٰ بھی غلط نہیں ہے۔ وہ بجا طور پر عقل انسانی اسی کو قرار دیتا ہے جس میں نفسانی کدورتیں اور آلائشیں نہ ہوں۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ لوگ درجات عقل کے موافق جنت میں جائیں گے اس پر محمول ہے کہ حقیقی عقل کو جس قدر ترقی ہو گی جنت کے دروازوں سے قریب ہوتا جائے گا۔ اور یہ مقولہ کہ اکثر اہل جنت بے عقل ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ مراد ہیں جو دنیا کی کاموں میں متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ابلہ سمجھے جاتے ہیں اور علیکم بدین العجائز کا خطاب بھی انہیں سے ہے جن کے دماغ دقیق اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب تم پھر ایک دفعہ ان متعارض اقوال کو یاد کر لو جن کے سلجھانے میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کوئی درست توجیہ تم سے بن نہ پڑتی تھی۔ اور اخیر میں امام صاحب کی اس زرین نصیحت کو خوب یاد رکھو:۔

Marfat.com

فلا غنا بالعقل عن السماع ولا
غنا بالسماع عن العقل فالداعی
الی محض التقلید مع عزل العقل
بالکلیة جاهل والمکتفی بمجرد العقل
عن انوار القرآن والسنة مغرور
فایاک ان تکون من الفریقین وکن
جامعا بین الاصلین فان العلوم العقلیة
کالاغذیة والعلوم الشرعیة
کالادویة والشخص المریض
یستضر بالغذاء متی فاته الدواء
فکذالک امراض القلوب لا یمکن
علاجها الا بالادویة المستفادة
من الشریعة وهی وظائف العبادات
والاعمال التی رکبها الانبیاء
صلوات الله علیهم لاصلاح القلوب
فمن لا یداوی قلبه المریض بمعالجات
العبادة الشرعیة واکتفی بالعلوم
العقلیة استضر بها کما یستضر
المریض بالغذاء وظن من یظن

نہ عقل کو نقل سے استغنا اور نہ نقل عقل سے بے نیاز
ہے جیسا کہ عقل کو معزول کر کے محض تقلید کیطرف بلانے
والا جاہل ہے اسیطرح وہ شخص بھی دھوکہ میں ہے
جو قرآن و سنت کے انوار سے علیحدہ ہو کر صرف اپنی عقل
پر بھروسہ کرے تو تم کو ان دونوں گروہوں میں سے کسی
میں بھی داخل نہ ہونا چاہیئے بلکہ عقل و نقل کا جامع بننا
چاہیئے۔ کیونکہ علوم عقلیہ عقل کی غذا اور علوم شرعیہ اسکی
دوا ہیں اور جو مریض دوا کا استعمال نہ کرے اسکو غذا
کے استعمال سے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ یہی حالت دل
کے امراض کی ہے کہ انکا علاج شرعی دواؤں سے
یعنی ان عبادات اور اعمال سے ہی ہو سکتا ہے جن کو
انبیاء علیہم السلام نے اس کام کیلئے ترکیب دیا ہے
پس جسکا دل بیمار ہو اور وہ طب شرعی کے موجب اسکا
معالجہ بھی نہ کرے اور علوم عقلیہ کو اپنے حق میں کافی
سمجھے وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح بیمار آدمی غذا
سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ باقی جو لوگ سچے علوم عقلیہ کو
علوم شرعیہ کے خلاف تصور کرتے ہیں اور دونوں میں
تطبیق کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ ان کا خیال اس وجہ سے
ہے کہ انکی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں۔

ان العلوم العقلية مناقضة للعلوم الشرعية وان الجمع بينهما غير
ممكن ظن صادر عن عمى فى عين البصيرة
نعوذ با الله منه (خدا کی پناہ)۔

یہاں تک ہم نے امام غزالیؒ کی تقریر کا ماحصل نقل کر دیا۔ امام صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت صاف نہایت سلیس۔ نہایت عام فہم اور نہایت پر اسرار ہے لیکن اس میں چند ایسے اقناعی مقدمات بھی ہیں جن کا انکار کر دینا ہمارے ایک بیباک حریف سے کچھ مستبعد نہیں ہے۔

ہم امام صاحب کے اس قابل قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں لیکن ہمارا ایک ظاہر پرست اور آزاد منش مقابل اس پر نکتہ چینی کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم ذہن میں صورتوں کا انعکاس تسلیم کر لیں تو جو شرائط آئینہ میں انعکاس کیواسطے قرار دی گئی ہیں ان سب کا ذہن میں پایا جانا کیوں ضروری ہے۔ یہ ہم نے مانا کہ ذہن میں اور آئینہ میں ایک حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ مگر ان دونوں میں تفاوت بھی بے انتہا ہے۔ جس کا اعتراف تم بھی پہلے کر چکے ہو۔ اب ان تفاوت کی بنا پر بعض وہ شرطیں جو آئینہ میں ضروری ہیں حصول علم میں ضروری نہ ہوں۔ یا اس کے برعکس تو کیا مضائقہ ہے۔

اسکے سوا یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اعمال بد کی مباشرت یا گناہوں کے ارتکاب سے قلب پر کسی قسم کی تاریکی آجاتی ہے۔ اول تو ہم اعمال کی تقسیم نیک و بد کی طرف تسلیم ہی نہیں کرتے۔ دوسرے معاصی میں ملوث ہونا بیشک قوت عملیہ کے سست یا فاسد ہونے کا نتیجہ ہے۔ لیکن قوت عملیہ کا اس اثر بد سے متاثر

Marfat.com

ہونا بظاہر کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ نیز بقول قاضی ابن رشد اندلسی کے قرآن پاک نے جا بجا قیاس اور نظر کے طریقوں پر متنبہ کیا ہے اور خود بھی مختلف مواقع میں استدلال سے کام لیا ہے۔ پس اگر شریعت کے احکام عقول عامہ سے بالاتر تھے تو قرآن نے ہم سب کو عقل سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کی طرف کیوں توجہ دلائی اور بقول سرسید کے ہر ایک انسان کو ایسے احکام کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا جو اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی تکلیف شرعی کا مستحق ہوا ہے۔

یہ اور اس قسم کے اور شبہات ہیں جن کو سن کر ہم صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ ۔ شعر

چو شنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست ۔۔۔ سخن شناسی نئی دلبرا خطا اینجاست

اور بپاس خاطر معترض امام صاحب کے جادہ استدلال سے ہٹ کر یا آگے بڑھ کر اس زبردست فاضل کی تقریر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی تصنیفات میں جتنا غور کرو اتنا ہی اس کی وہبی دانشمندی اور صادق البیانی کا اعتراف لازم ہے۔ یہ وہ فاضل ہے کہ جسکو اگر ہم اپنے عہد کا شیخ اکبر امام غزالی اور شاہ ولی اللہ سب کچھ کہہ دیں تو بیجا نہیں۔ اور یہی وہ فاضل ہے جس نے علم کلام کی ایک ایسے انوکھے طرز میں بنا ڈالی جو (انشاء اللہ) قیامت تک کے واسطے پتھر کی لکیر ہے اور جس پر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

اس فاضل نے جس کو عام طور پر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اپنی مختلف کتابوں میں جو مفید بیانات درج

Marfat.com

کئے ہیں وہ اس مسئلہ عقل ونقل میں ہماری بہت زیادہ مشکل کشائی کرتے ہیں اور اب ہم ذیل میں کچھ لکھیں گے وہ تمام تر انہی تصانیف سے ماخوذ ہوگا۔ شعر

مطرب ترانہ وگر از پردہ ساز کن زیرا کہ حرف عشق نمیدارد انتہا

○ صحیفہ عالم کا وسیع مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہو چکی ہے کہ (بقول طبیعیین کے فطرت نے اور بخیال اہل مذاہب کے، خدائے مختار نے دنیا کی کوئی چیز بیکار نہیں بنائی اور جوں جوں تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے دوں دوں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کے منافع ہم پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے کائنات کا ہر ہر جزو بیش قیمت حکمتوں کا مجموعہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر شے کا تعلق کسی نہ کسی ایسی ایک یا چند اغراض سے بھی ہوتا ہے جنکی کمی زیادتی پر اس شے کا کمال اور نقصان منحصر ہے اور جن کو ہم اس شئے کے اصلی اغراض کہہ سکتے ہیں مثلاً حیوانات میں گھوڑے کی مدح وذم اور اس کا حسن وقبح رفتار پر موقوف ہے اگرچہ وہ گدھے کی طرح پالان بھی اٹھا سکتا ہے اور گائے بکری کی طرح اس کو ذبح کر کے کھا بھی سکتے ہیں۔ اور اس کا دودھ بھی پی سکتے ہیں۔ لیکن یہ اس کے دودھ کی افراط یا بدن کی فربہی۔ یا بار برداری کی طاقت اس کی قدر وقیمت میں اسی طرح کچھ زیادہ دخیل نہیں جس طرح گائے اور بھینس میں چونکہ مقصود اعظم دودھ گھی وغیرہ ہے اس لئے ان کی تیز رفتاری اور قدم بازی کا کوئی اثر ان کی بھلائی برائی پر نہیں پڑتا یا گلاب کے پھول کی حسن وخوبی اس کے رنگ وخوشبو سے ہے۔ ذائقہ سے کچھ بھی غرض نہیں ہوتی۔ یا آم کے ذائقہ سے سروکار ہے اس کے رنگ وخوشبو سے چنداں تعرض نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی کتاب سے اگرچہ ہم کسی وقت تکیہ کا

Marfat.com

کا کام لے سکتے ہیں۔ لیکن غرض اصلی اس سے پڑھنا ہی ہوتا ہے۔ یا ضرورت کے وقت کپڑوں کو ملا کر کھا پکا سکتے ہیں۔ مگر اہم مقصد ان سے یہی ہے کہ وہ آدمی کے بدن کی پردہ پوشی اور زینت کا سبب بنیں۔

غرض عالم کے تمام اجزاء پر نظر ڈالی جائے۔ ہر موقعہ پر یہی شان نظر آئے گی پھر ناممکن ہے کہ انسان جو ہمیشہ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کیا کرتا ہے کسی ایسی غرض اعلیٰ اور مطلب اعظم سے خالی ہو جس کے ہونے نہ ہونے پر اس کی بھلائی برائی موقوف ہو اور جس کے ذریعہ سے وہ مدح و ستائش یا ہجو و مذمت کا مستحق سمجھا جائے۔

بیشک اس مقصد اعظم کے متعین کرنے میں ہم کو سخت دشواری پیش آئے گی لیکن ہم اس عقدہ کو خود اعضائے انسان کی بناوٹ اور اس کے قویٰ کی ترکیب سے حل کریں گے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ خود انسان زبان حال سے اس مقصد کی جستجو میں ہماری رہنمائی کرے گا۔

ہم جب اس معجون مرکب (انسان) کی اندرونی و بیرونی حالتوں میں غور کرتے ہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان پانچ چیزوں سے اس کی ترکیب عمل میں آئی ہے۔ عقل، یعنی قوۃ علمیہ۔ شوق یا خوف ارادہ اور اختیار قدرت اور طاقت۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ اعضائے جسمانی چنانچہ جس قدر کام انسان کرتا ہے ان میں یہ پانچوں آلات اپنا اپنا عمل کرتے ہیں۔

فرض کرو کہ ایک شخص شب کے وقت ایک جنگل میں چلا جا رہا ہے اس نے دور سے اپنے راستہ پر کسی جانور کو دیکھا۔ جس کی نسبت کبھی تو اس کا خیال ہوتا ہے کہ

Marfat.com

یہ شیر ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ کوئی بیل کھڑا ہے۔ اب فطرۃً انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفع اور ضرر کے پہلوؤں کو سوچے۔ اگر اس پر ضرر کا پہلو متعین ہو گیا یعنی یہ کہ پھاڑ کھانے والا شیر ہے تو طبعًا اس پر ایک قسم کے خوف یا اجتناب کی کیفیت طاری ہو گی اور اس کی قدرت اور طاقت تحریک میں آئے گی۔ اور اگر اعضا جسمانی قابو میں ہوئے تو الٹے پاؤں وہاں سے بھاگنا شروع کر دے گا۔ اور اگر یہ شخص اس جانور کو شیر نہ سمجھتا یا شیر سمجھ کر اذیا پہنچانے والی چیز نہ تصور کرتا تو برابر اپنے شوق میں اُدھر بڑھتا چلا جاتا۔

اس سے یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ شوق اور خوف۔ ارادہ اور اختیار طاقت اور قدرت ہاتھ اور پاؤں وغیرہ (جن کے مجموعہ کو ہم قوت عملیہ سے تعبیر کرتے ہیں) سب کے سب عقل یعنی قوت علمیہ کے محکوم اور زیر فرمان ہیں۔ اور جب عقل مضر (قوۃ علمیہ) کا کام نافع و مضر کی شناخت یا نیک و بد کی تمیز اور قوت عملیہ کا کام حسب اشارہ عقل کسی عمل کا وجود میں لانا ٹھہرا تو اوّل کی حکومت اور دوسرے کی محکومی کے لحاظ سے اِن دونوں کے مجموعہ یعنی انسان کا کل کام یہ ہوا کہ وہ سوچ سمجھ کر مفید مشاغل میں پڑے اور مضر کاموں سے بچے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اعمال کی تقسیم نیک و بد یا نافع و مضر کی طرف ہو سکتی ہو۔ کیونکہ اگر عملی دنیا سے بھلے برے کا فرق بالکل اٹھا دیا جائے تو قوۃ علمیہ کے کارناموں کے لیے کوئی میدان ہاتھ نہ آئے گا جیسا کہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ قوۃ علمیہ صرف یہی کام کر سکتی ہے کہ مفید اور بہتر کاموں کا ناقص اور مضر کاموں سے انتخاب کرتی رہے اور قوت علمیہ کی اس کارگزاری کے لئے دو قسم کے اعمال کا اس کے سامنے پیش ہونا

Marfat.com

ضروری ہے۔

اب چونکہ یہ ثابت ہوگیا کہ اعمال کی دو قسمیں کئے بغیر انسان کی خلقت ہی بیکار رہتی ہے تو اس کا بھی سراغ نکل آیا کہ تمام عالم ہمیشہ سے اس پر متفق کیوں ہے کہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں۔ نیک اور بد یا دوسرے الفاظ میں نافع اور مضر یہانتک کہ جو ملحد کسی مذہب کے قائل نہیں وہ بھی افعال و اعمال کی اس بدیہی تفریق کو تسلیم کرتے ہیں۔

اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ صرف اس میں ہے کہ اعمال میں نیک و بد اور نافع و مضر کی تعیین کس طور پر کی جائے یعنی یہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ فعل اچھا ہے یا برا۔ اس سے راحت پہنچے گی۔ اس سے تکلیف لیکن خوش قسمتی سے جو تقریر پیر قوم ہوئی اس سے اس سوال کا جواب بھی کافی حد تک نکل آیا۔ کیونکہ جب عقل یا قوۃ عاقلہ اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ وہ بھلے اور برے یا مفید اور مضر اعمال میں امتیاز قائم کیا کرے۔ تو یقیناً قدرت نے اس میں اس امتیاز صحیح کا ملکہ ودیعت کیا ہوگا۔ اس وجہ سے یہی رائے مضبوط معلوم ہوتی ہے کہ عقل سلیم جس کام کا حکم کرے وہ نافع ہوا اور جس سے وہ انکار یا گریز کرے اس میں کوئی مضرت ہو۔

یہاں سے اس کی بھی قوی امید ہوتی ہے کہ اگر خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لئے کچھ احکام نازل ہوں (جن کے مجموعہ کو مذہب کہتے ہیں) تو وہ بھی موبمو عقل کے موافق ہوں ورنہ خدائے برتر کی دانائی اور متانت پر یہ الزام عائد ہوگا کہ اس نے عقل کو بھی ہمارے قویٰ پر حکومت عطا کی تاکہ وہ سب اس کے اشاروں پہ کام کریں اور رسول کو بھی حاکم بنا کر بھیجا تاکہ اس کی اطاعت

Marfat.com

کی جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو متضاد بلکہ متناقض احکام بھی دیدے؟ جن میں سے ایک کو قبول کرتے ہیں تو لازمی طور پر دوسرے سے سرتابی کرنی پڑتی ہے

غرض اب نہایت باذوق طریقے سے یہ طے ہوگیا کہ سچا مذہب وہی ہے جو عقل سلیم کے مطابق ہو۔ اور بقول قاضی ابن رشد کے ہر اس شخص کو جس کے پاس عقل سلیم موجود ہے اپنے عقل سے کام لینا اور نظر و فکر کے صحیح طریقوں میں غور کرنا چاہیئے۔

اور بیشک تمام قرآن اور تمام احادیث کا یہی منشا ہے کہ وہ عقل کے دستور العمل کے موافق تعلیم دین۔ اور ہر انسان کی عقل جب تک کہ وہ گرد و پیش کے خیالات سے متاثر نہ ہو اور جب تک کہ عقلی صحت کا زائل کر دینے والا کوئی مرض اس کو لاحق نہ ہو ان ہی سچے اعمال کی ہدایت کرے گی جن کے رواج دینے کے واسطے خدا کے صادق القول پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

لیکن ان تمام مراحل کے بعد بھی ہم کو جس مرحلہ کا طے کرنا ہنوز باقی ہے وہ یہ ہے کہ عقل کے ساتھ سلیم کی قید بڑھانے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض عقلیں غیر سلیم بھی ہوتی ہیں اور جب سلیم کے معنی تندرست کے قرار دیئے گئے ہیں تو غیر سلیم اس عقل کو کہیں گے جو مریض اور بیمار ہو۔

تو یہ ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ تندرست (سلیم) عقل کونسی ہے اور بیمار کونسی۔ آیا عقل کو بھی کوئی مرض لگ سکتا ہے اور اگر بالفرض لگ سکتا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ اس کے واسطے طبیب کون ہے؟ اور اس کے مرض کی علامات کیا ہیں؟

Marfat.com

صرف یہی استفسارات ہیں جو باقی رہ گئے۔ اور ان ہی کے حل ہو جانے پر اس بحث کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کو ان سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مختصر امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

(۱) اوّل یہ کہ جو کام ایسے آلات کے ذریعہ سے کیا جائے جن میں احساس اور ادراک نہ ہو تو اس کام کا نفع نقصان اُن آلات کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس شخص سے تعلق رکھتا ہے جو ان آلات سے یہ کام لینے والا ہے مثلاً بڑھئی کے کام میں بسولہ آتا ہے اگر اس کی دھار جھڑ جائے یا لکھنے میں کاتب کے قلم کی نوک ٹوٹ جائے تو یہ سب بڑھئی اور کاتب کا نقصان سمجھا جائے گا بسولہ اور قلم کے حق میں نہ کوئی نفع متصور ہے نہ نقصان۔ کیونکہ نفع نقصان کا وجود درحقیقت راحت اور تکلیف سے وابستہ ہے اور راحت و تکلیف کو وہی اشیاء محسوس کر سکتے ہیں جن میں ادراک اور شعور ہو۔ بہرحال جب آلات کا نفع و ضرر اصل فاعل کا نفع و ضرر ٹھہرا تو قوی عملیہ کے کاموں میں جو کچھ نفع یا نقصان ہوگا وہ فی الواقع عقل اور روح کا ہوگا کیونکہ ادراک و شعور عقل و روح ہی کا خاصہ ہے اور سب قوتیں اس کے آگے بمنزلہ آلات کے ہیں جیسا کہ ہم ابھی تحقیق کر چکے ہیں۔

(۲) دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ قوۃ عقلیہ اور قوۃ عملیہ کے مابین قدرت نے کچھ ایسا مستحکم رابطہ پیدا کیا ہے کہ ان میں ہر ایک کے آثار دوسرے تک متعدی ہوتے ہیں۔ قوۃ عقلیہ کے جو آثار قوۃ عملیہ میں ظاہر ہوتے ہیں کچھ تو وہی ہیں جن کا تعلق صفت حکومت سے ہے یعنی تمام قوی عملیہ کا بمقتضائے محکومیت

Marfat.com

عقل کے ایک اشارہ پر حرکت میں آجانا اور بعض آثار ایسے ہیں جن میں عقل کی اس حکومت کو کچھ بھی دخل نہیں۔ جیسے غصہ کے وقت چہرہ کا تمتمانا اور آنکھوں کا سرخ ہو جانا۔ یا خوف کے وقت جسم کا کانپنا اور رنگ کا اڑ جانا۔ ان حالتوں میں جب کسی اشتعال انگیز یا ہیئت ناک چیز کا ادراک عقل کو ہوا تو فوراً بلا ارادہ اور بلا اختیار غصہ یا خوف کے آثار جسم پر ظاہر ہو گئے۔ درآنحالیکہ حکومت کی حیثیت میں قصد اور اختیار کا پایا جانا ضروری تھا علی ہذا القیاس قوۃ عملیہ کیطرف سے بھی جو اثر عقل و روح تک پہنچتا ہے دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہی بلحاظ محکومیت اور آلہ بننے کے قوۃ عملیہ کے تمام منافع اور مضار کا عقل کے واسطے ثابت ہونا دوسرے بعض کیفیات بدنی سے عقل و روح کا بے اختیار کلفت یا راحت اٹھانا چنانچہ میل کچیل اور بول و براز سے جو کچھ نفیس طبعوں کو کدورت یا بخار درد سر وغیرہ میں کلفت یا بدن کی صفائی کی لذت اور عافیت میں راحت ہوتی ہے وہ سب اسی قسم میں داخل ہے۔ اب جانبین سے ان پنہائی تعلقات۔ تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کے سلسلہ کو دیکھ ہم کو قطعی طور پر یہ یقین ہو گیا کہ قوت عملیہ کے بعض اعمال قوۃ علمیہ (یا عقل یا روح) کے حق میں مفید اور بعض مضر ہونگے۔ اور کوئی ایک فعل بھی قوت عملیہ کا اس نفع و ضرر سے خالی نہ ہوگا۔

○ پس اگر کوئی ایسا کامل آدمی جس کی روح کی صحت اور عقل کی سلامتی، دلائل قویہ سے ثابت ہو چکی ہو اعمال کے حسن و قبح کے متعلق کچھ فتویٰ نافذ کرے اور ہم اپنی قوۃ عملیہ کی کارروائی اس کے خلاف پائیں تو ہم کو اطمینان کر لینا چاہیئے کہ ہماری قوۃ عملیہ معترت یا بالفاظ دیگر مرض میں مبتلا ہے اور اسے تاثیر و تاثر کے

Marfat.com

کے قانون کے موافق جو قوۃ عملیہ اور عقل کے درمیان ابھی ثابت ہو چکا ہے یہ کہنا پڑے گا کہ قوۃ علمیہ یعنی عقل بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں ہے بلکہ بیماری میں پھنسی ہوئی ہے کیونکہ اگر عقل تندرستی کی حالت میں ہوتی اور پوری قوۃ کے ساتھ صحیح احکام نافذ کرتی تو قوۃ عملیہ جو ہر طرح سے اس کی محکوم اور زبردست ہے ہرگز اس کی عدول حکمی نہیں کر سکتی تھی۔

اس سے بھی زیادہ ضعف اور اضمحلال عقل کا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ وہ خود بھی کسی عمل کے فوائد یا نقصانات سے واقف ہو۔ اور شہوت کے غلبہ یا کسی نفع جزئی معجل سے متاثر ہو کر اپنے اصلی حکم کے خلاف قوت عملیہ سے عملدرآمد کرا دے۔ حتیٰ کہ عمل کی ممارست سے عقل ایسی پاگل بن جائے کہ اسی مرض کو صحت سمجھنے لگے۔ چنانچہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات کا تتبع کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اکثر افراد اس قسم کے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ودور کیوں جاتے ہو۔ اپنے زمانہ ہی کا حال مشاہدہ کر لو کہ اکثر لوگ ایسی موٹی موٹی باتوں میں جن کے بھلے برے سے سب واقف ہیں۔ جان بوجھ کر خلاف عقل عملدرآمد رکھتے ہیں۔ اور خاص وہ امراض جو تپ دق کی طرح مریض کو بھی کم محسوس ہوتے ہیں ان کی تشخیص تو کوئی طبیب ہی کر سکے تو کر سکے۔ پھر اکثر ارواح کا یہ حال ہے کہ بچپن سے تا حیات ان علتوں میں گرفتار رہنے کی وجہ سے صحت کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوتیں۔ اور کینہ حسد۔ بخل۔ تکبر۔ خود پسندی وغیرہ امراض سے قطع نظر کر کے وہ عام امراض جن کو وبائی امراض کہنا چاہیئے نہایت کثرت سے وقوع میں آتے رہتے ہیں۔

جس قوم کو چاہئے دیکھ لیجئے کہ شادی۔ غمی۔ اور سوائے ان کے اور معاملات میں بھی ایسی ایسی قیود اور رسوم قبیحہ کے پابند ہیں کہ جن کے نقصانات کا دل و جان سے اقرار کیا جاتا ہے انہی طرح ہر فرقہ ایک جدا ہی عقائد پر دل جمائے بیٹھا ہے۔ اگر ان سارے فرقوں میں سے کسی ایک کو بھی حق پر قرار دیں تب بھی اکثر لوگ تو باطل پر ہی نکلیں گے۔

پھر اکثر اقوام کی بعض عادتیں ایسی خلاف عقل ہیں کہ جن کی قباحت تمام اہل مذاہب کے نزدیک مسلم ہے۔ ہندوستان کے رانگھڑ گوجر اور افغانستان کے کوہستانیوں اور عرب کے بدوؤں میں چوری قزاقی اس درجہ مروج ہوئی ہے کہ رواج کی رو سے ان کے خیال میں موجب طعن و تشنیع نہیں رہی۔ طوائف کی قوم میں زنا کی اس درجہ ترقی ہے کہ معیوب ہونے کے بجائے اس کو اپنا ہنر سمجھنے لگیں۔ عربیوں کی بزدلی اور بخل ضرب المثل ہو گیا ہے۔ اور دوسری بعض قوموں میں شراب نوشی بے پردگی اور ترک ناموس کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ اس کے نتائج بد برابر دیکھتے ہیں مگر زبان پر نہیں لاتے۔ غرض مختصر لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدہ کا آدہ بگڑا ہوا ہے جس کی اصلاح کی توقع بھی بہت کم ہو سکتی ہے۔

ایسی ابتر حالت میں جبکہ کوئی عقل بھی (الا ماشاء اللہ) مرض سے خالی نہیں ہے مجدد صاحبؒ نے اگر یہ فرمایا کہ نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے علیحدہ ہے تو ہمارے نزدیک بہت بجا فرمایا۔ کیونکہ بیمار کی طبیعت بسا اوقات ایسی اشیاء کی طرف راغب ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مضر ہیں اور ان چیزوں سے

Marfat.com

نفرت کرتی ہے جو فی الواقع اس کو طبعاً مرغوب ہیں بخار والا اکثر کھانے سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اور دنبل کی کلن یا خارش کی نوچ میں انسان اپنے بدن کے تراشنے اور کھال کے نوچنے پر بے اختیار مائل ہوتا ہے لیکن وہ نفرت اور یہ رغبت دونوں بے محل ہیں جس کا باعث یہ ہی مرض ہوا ہے۔

اب اگر مجدد صاحب یا اور کوئی عالم یہ حکم صادر فرما دیتے کہ مذہب مرغوبا عقل سلیم کے مجموعہ کا نام ہے (اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی) تو ان مریض عقلوں کے واسطے آزادی یعنی مطلق العنانی کا اچھا خاصہ بہانہ ہاتھ آجاتا اور وہ ہرگز تندرست اور بیمار عقل میں تفریق قائم نہ رکھتیں۔ جس سے دنیا میں ایک فساد عظیم برپا ہو جاتا اور ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلتی۔

بہرحال جبکہ اس امر کا باور کر لینا بالکل آسان ہو گیا کہ اکثر انسانی عقلیں مبتلائے امراض رہنے کی وجہ سے اس پر قادر نہیں ہیں کہ وہ تیقن اور اطمینان کے ساتھ تمام اخلاق و اعمال میں نیک کو بد سے اور مفید کو مضر سے تمیز دے سکیں تو ناچار اس بارے میں کسی ایسے طبیب حاذق کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار پایا جس کی رائے کبھی غلطی نہ کرتی ہو۔ جو اپنے مریضوں پر پورا پورا رحم کھانے کے علاوہ تمام دواؤں کے خواص اور اوزان سے واقف ہو جس کو مختلف دواؤں اور غذاؤں کی تاثیرات کے باریک سے باریک فرق معلوم ہوں اور جس کی نظر موسموں کے اختلاف اور روح کی تراکیب پر کامل طور سے حاوی ہو۔

لیکن ایسا طبیب اس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ جس کے سہارے تمام عالم کی ہستی قائم ہے جس کی ذات ہر قسم کے عیوب اور امراض

سے پاک ہے اور جس کے وجود اور کمالات کو عنقریب ایک مستقل رسالہ میں ہم روشن دلائل سے ثابت کریں گے[1]۔

دنیا میں جس قدر ہادی آئے۔ جن مقدس بندوں نے اپنی نبوت کا سکہ بٹھلایا جتنے سچے شریعتوں کے تبلیغ کرنے والے گزرے وہ سب کے سب اسی حکیم مطلق کے مطیع کے نسخہ نویس اور تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اسی رحمانی کالج کی اسناد فضیلت لوگوں کو دکھلائیں اور اسی حکیم برحق کے عطا کئے ہوئے اعزازی تمغے اور نشانات پیش کئے تاکہ اللہ کی مخلوق ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کر سکے۔ رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہ ہو۔

ہم جب نبوت کی ضرورت اور نبی کے تعین پر مبسوط بحث کریں گے اس وقت ان اعلامات کا تفصیلاً ذکر کریں گے جن سے کسی خاص شخص کی نسبت یہ دریافت ہو سکے کہ وہ خدائی مدرسہ کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دنیا میں حکیم علی الاطلاق کی نیابت کا واقعی مستحق ہے۔

مگر اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے فیوضات اخذ کرنے اور اس کے علوم و کمالات کا مظہر بننے کے واسطے انسان میں عادۃً کن شرائط کی ضرورت ہے یا بالفاظ دیگر حق تعالیٰ کے مدرسہ میں طب روحانی کا حصول کس استعداد پر موقوف ہے۔

بلاشبہ اس قسم کے عمیق مباحث میں دخل دینے کا ہم کو کچھ استحقاق نہیں ہے اور جس وادی میں ہم قدم زن ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کو بآسانی قطع

---

[1] یہ رسالہ "اسلام کے بنیادی عقائد" کے نام سے طبع ہو چکا ہے ۱۲
۳۰۷

Marfat.com

کر لینے کا خیال محض ہماری فکر کے خارج از حوصلہ بلند پروازی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن اس ناواقف مسافر کو راستہ کی مشکلات کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے جس کی دستگیری کے واسطے ایک اعلیٰ درجہ کا مبصر اور تجربہ کار ہادی موجود ہو۔

ہم پہلے بھی جن تیرہ و تاریک راہوں کو طے کر کے اس مقام تک پہنچے ہیں ان میں کو گزرنا آسان نہ تھا اگر قاسمی تصنیفات ہمارے لیے مشعل راہ نہ ہوتیں اور اب بھی انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ ان ہی کی روشنی میں منزل بمنزل پیش آمدہ کے مہالک خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم اپنے مقصد اعلیٰ پر صاف جا پہنچیں گے۔

وہ ذات بابرکات جس کی قوت قدسیہ نے شریعت صادقہ کے پیچ در پیچ اور نظری در نظری اسرار کو بھی بداہت کی حدود کے قریب لا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ خود دنیا سے اٹھ گئے مگر ان کی قیامت تک نہ مٹنے والی یادگاریں ہماری رہنمائی کے واسطے زندہ جاوید ہیں۔

اس میں ہرگز مبالغہ نہیں کہ اگر حضرت مولانا محمد قاسم (روحی وارواحکم فداہ) کی بیش بہا کتابوں پر میری دسترس نہ ہوتی تو میں ہرگز اس طرح کے نازک مسائل پر بے خوف و خطر قلم اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا۔ اس لئے یہ سخت احسان فراموشی اور خیانت متصور ہوگی کہ میں کسی ایسے مضمون کو اپنی طرف منسوب کر کے جو درحقیقت حضرت مولانا مرحوم کی تصانیف سے اخذ کیا گیا ہو اپنی غیر واقعی عظمت و تفوق کا ثبوت پیش کر دوں۔ میں اس سے زیادہ اپنے کو خوش قسمت اور فائز المرام بنانے کی تمنا نہیں رکھتا کہ مولانا کے عالی مضامین

Marfat.com

میری پیرایہ بیان میں اس طرح ادا ہو جایا کریں کہ ان کی تعبیر میرے مدعا کے واسطے مفید اور صحیح ہو اور اپنے قصور فہم یا پریشانی تقریر کی وجہ سے دلائل کی تقریب ناتمام نہ رہے۔ چنانچہ اس وقت بھی جس بحث کا آغاز کیا جاتا ہے اسی میں میرا صرف اسی قدر تصرف ہوگا۔

یہ بحث جس کی ابتداء سے آج ہماری تحریر کی دوبارہ ابتداء ہوئی ہے فی الحقیقت نبوۃ کی بحث ہے اور ہم کو ہٹ دھرمی اور ڈھینگا ڈھینگی سے نہیں بلکہ محض حق پژوہی اور انصاف کے ساتھ یہ دکھلانا ہے کہ وہ پر عظمت و جلال مفہوم جس کے لئے نبی رسول، پیغمبر وغیرہ الفاظ وضع کئے گئے ہیں۔ کیا خارج میں واقعی طور پر اس کے کچھ افراد موجود ہیں یا وہ بھی منجملہ ان شاندار تخیلات کے ایک تخیل ہے جن کو مغلوب الوہم لوگوں کے دماغ فرصت اور تنہائی میں بیٹھ کر اختراع کرتے رہا کرتے ہیں۔

اس آخر احتمال کو سن کر جس سے شان نبوۃ میں سخت ملحدانہ گستاخی ہوتی ہے ہم کو اندیشہ ہے کہ شاید کوئی جوشیلے مسلمان ہمارے ایمان میں تردد پیدا کر کے ہم پر ہی نہ بگڑ بیٹھیں اسلئے ہم ایسے صاحبوں سے باادب عرض کرتے ہیں کہ وہ بجائے اس کے کہ اپنے قابل تعریف غصہ اور جوش کو ہم مسلمان ناقلین کے حق میں صرف کریں بہتر ہو کہ ان مطلق العنان دہریوں کی سرکوبی کے واسطے استعمال فرمائیں جن کی زبان سے ما یھلکنا الا الدھر اور ان ھی الا حیاتنا الدنیا وغیرہ الفاظ قرآن کریم میں نقل کئے گئے ہیں اور جن کی ایک بڑی بھاری تعداد آج کل یورپ میں زبان قال سے اور ہندوستان وغیرہ میں زبان حال سے یہ صدائیں لگا رہی ہے کہ خدا کا وجود محض ایک فرضی وجود ہے۔ نبوۃ و رسالہ صرع کی بیماری کے نام ہیں۔ اعجاز و

Marfat.com

کرامات اگلے زمانہ کی نظر بندیوں کے افسانے ہیں۔ اور وحی والہام کی حقیقت دایوانوں کی بڑ سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ صرف ایک عقل کے اور وہ بھی اپنی عقل کے مشورہ کو ماننا چاہتے ہیں اور ان کے مذہب میں جادہ عقل سے ایک انچ ادھر ادھر ہٹنا کفر و شرک یا کم از کم گناہ کبیرہ کے برابر ہے۔

نیز ایسا شخص جس کو کبھی کسی مشکل مسئلہ کے متعلق افہام و تفہیم کا موقع ملا ہوگا بشرطیکہ اس کے بیوقوف مخاطب کے مسلمات بھی بہت ہی تھوڑے سے ہوں اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک ایسے آزاد فرقہ کی بے قید شبہات سے جس کا ذکر اوپر ہوا جہدہ برآ ہونا کس قدر دشوار مرحلہ ہے اور یہ کہ ہمارے مولائے روح فداہ ابی وامی، نے ان لامذہبوں کے مقابلہ میں کس درجہ ثبات و استقلال اور معقولیت سے کام لیا ہے۔

مولانا کا اس آزاد گروہ سے صرف ایک سوال ہے وہ یہ کہ تمام مخلوقات میں نیک و بد کا تفاوت۔ بھلے برے کا فرق اور اعلیٰ ادنیٰ کے امتیازی مدارج جو ہماری تمہاری سب کی عقل نے قائم کر رکھے ہیں اس کا معیار اور پیمانہ عقل کے پاس کیا ہے عقل نے جمادات سے حیوانات کو کیوں اچھا بتلایا ہے اور تمام حیوانات کے اعتبار سے انسان کو کیوں پسند فضیلت عطا کی ہے جہالت کے مقابلہ میں وہ علم کی ہمیشہ کیوں مداح رہا کرتی ہے۔ اور ہمت و شجاعت کے کارناموں کو وہ جبن و نامردی کے برخلاف کس وجہ سے سربلند رکھنا چاہتی ہے۔ المختصر وجود کو عدم پر وجودیات کو عدمیات پر ہونے کو نہ ہونے پر استغنا کو

Marfat.com

احتیاج پر اور راحت کو تکلیف پر کیوں ترجیح دیتی ہے۔ وہ کونسا نمونہ اس کے پاس ہے جس کے ساتھ مناسب و مشابہ ہونے اور نہ ہونے کی وجہ سے وہ مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کو بھلا یا برا بنا دینے کا استحقاق رکھتی ہے۔

اگر تم ایک اچکن کا کپڑا کسی ہوشیار درزی کو قطع کرنے اور سینے کے لئے دو یا بازار جا کر کوئی عمدہ ٹوپی اور خوبصورت جوتی خریدنے کا ارادہ کرو۔ تو بیشک تم ان سب چیزوں کی حسن و خوبی اور موزونیت و غیر موزونیت کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ سکو گے جو قدرت کی طرف سے تم کو ایسے ہی کاموں کے لیے عنایت ہوتی ہیں لیکن اس دیکھنے کے اندر تم کو چند پیمانوں پر ان اشیاء کے مطابق کرنے کی ضرورت ہوگی۔ مثلاً اچکن کو تم اپنے بدن پر پہن کر اور جوتی کو پاؤں میں ڈال کر اور ٹوپی کو سر پر رکھ کر دیکھو گے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز اپنے پیمانہ پر پوری نہ اترے بلکہ ڈھیلی یا تنگ رہے تو تم اس کو ناموزوں سمجھ کر مسترد کر دو گے اور اگر اتفاق سے کوئی چیز خاطر خواہ اپنے پیمانہ پر مطابق ہو گئی تو پھر خود خیال کر سکتے ہو کہ تم کہاں تک اس کی قدر دانی کے لیے تیار ہو گئے۔

○ ٹھیک اسی طرح عقل کے پاس بھی ہر نیک و بد کی تمیز کا کوئی پیمانہ اور بھلے برے کی شناخت کا کوئی معیار موجود ہونا چاہیئے کہ جس پر منطبق ہونے اور نہ ہونے سے وہ ہر ایک مخلوق کے حسن و قبح کے مراتب دریافت کر سکے۔

غالباً ہر عقل کے جذبہ فطرت میں جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کریں گے۔ مخلوقات کے ماسوا ایک ایسی اعلیٰ ہستی کا ادراک موجود ہے جو عین وجود ہونے کی وجہ سے عدم و نیستی کا شائبہ اپنے اندر نہیں رکھتی اور اسی وجہ سے وہ ہر قسم

Marfat.com

کی احتیاجات سے بے نیاز ہے۔ وہ حیّ ہے۔ عالم ہے قادر ہے۔ متکلم ہے۔ ارادہ اور اختیار رکھتا ہے۔ غرض کہ تمام ہی عمدہ صفات کے جامع اور ہر طرح کے عیب و قصور سے بری ہے۔

اب جس حد تک عقل اپنی رسائی اور صفائی کے موافق کسی مخلوق کو اس ایک چیز سے مناسب پاتی ہے اسی حد تک اس کو اعلیٰ اور افضل جانتی ہے اور جو چیز اس سے بعید المناسبۃ ہوتی ہے وتناہی عقل اس کو پستی کی جانب ڈھکیلتی جاتی ہے مثلاً :-

وہ عقل کے مرتبہ شناسی کا معیار (جسکو دوسرے الفاظ میں ہم خدائی عزوجل کہتے ہیں) چونکہ وجود ہی وجود ہے عدم کا اس میں اصلاً اختلاط نہیں اسی واسطے ہماری عقل موجودات کو ہمیشہ معدومات پر ترجیح دیتی ہے۔ پھر موجودات میں بھی جس شے میں خدائی صفات کا کم و بیش ظہور دیکھتی ہے۔ اسی حیثیت سے اس کی تفوق کو ان اشیاء کے مقابلہ میں تسلیم کرانے لگتی ہے جن میں وہ صفات نہ پائے جاتے ہوں۔

دیکھو چونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ خداوند کریم زندہ ہے بیجان نہیں اور اس باب میں ہم نے دیکھا کہ آدمی اور جانور خدا تعالیٰ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ شجر۔ حجر وغیرہ نہیں رکھتے تو ہم نے جان لیا کہ حیوانات کا رتبہ جمادات سے اونچا ہے۔ اس کے بعد خیال کیا کہ خداوند کریم عالم ہے جاہل نہیں اور ہر انسان باقی جانداروں سے علم و عقل میں ممتاز ہے تو ثابت ہوا کہ انسان جملہ حیوانات میں اشرف و افضل ہے۔ پھر انسان بھی علم و اخلاق اور

Marfat.com

احوال و اعمال میں متفاوت اور کم و بیش ہیں تو جو کوئی علم میں زیادہ ہو اور اخلاق مثل قدرت، سخاوت، حلم، عفو وغیرہ کے جو خدائے تعالیٰ کے اخلاق ہیں رکھتا ہو وہ بلاشبہ اپنے اقران سے فائق شمار کیا جائے گا۔

بہرکیف جس چیز کو بھی عقل بھلا یا برا کہتی ہے اس کو ابتداءً یا بالآخر اسے ایک نمونہ اور معیار پر مطابق کر کے دیکھتی ہے۔ البتہ چونکہ باہم عقلوں میں تیزی اور صفائی اور توجہ کے اعتبار سے بے انتہا فرق ہے اس لیے اس مطابقت اور مناسبت کے معلوم کرنے میں بھی بے حد تفاوت ہونا چاہیئے۔

○ اب تم خیال کرو کہ دنیا کی سب چیزیں ارواح ہوں یا اجسام۔ اخلاق ہوں یا اعمال، معانی ہوں یا الفاظ باوجودیکہ خدائے برتر سے ایک قسم کی مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ سب کی اصل وہ ہی خالق بے نیاز ہے اور سب کا وجود اسی کے وجود کا پرتو ہے۔ لیکن پھر بھی اس مناسبت میں مخلوقات کے اندر زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔

ارواح کو بسبب اپنی لطافت کے جو قرب و مناسبت جناب باری عزاسمہٗ سے حاصل ہے وہ ہرگز اجسام کثیفہ کو نہیں اور اجسام میں بھی مثلاً آگ ہوا سے لطیف ہے اور ہوا پانی سے اور پانی مٹی سے۔ تو اسی ترتیب سے ان میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ایک طرح کا قرب و مناسبت حاصل ہوگا۔ اور شاید اسی قرب و بعد کا اثر ہے کہ لطیف چیزوں سے باوجود اس نزاکت کے وہ کارہائے نمایاں بن پڑتے ہیں کہ کثیف سے ہرگز نہیں ہو سکتے برق ایک پلک جھپکنے میں آسمان سے زمین پر آتی اور پھر آسمان پر

اڑ جاتی ہے اور اس سرعت سیر و سفر میں پہاڑ بھی اگر سامنے آجائے تو اس کی بھی ذرہ برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ شعاعِ شمس و قمر کا یہ حال ہے کہ سرعتِ برق بھی اس کے سامنے گرد ہے کہاں زمین کہاں چوتھا آسمان۔ خیال کرتے ہوئے دیر لگتی ہے پر اس کو یہاں تک آتے دیر نہیں لگتی۔

علیٰ ہذا القیاس اپنی نگاہ کو دیکھو اور آوازوں کی تیز روی اور خیال و گمان کی رسائی کو سوچو جتنی لطافت بڑھتی جائے گی اسی قدر زور اور قدرت زیادہ ہوگی۔ جس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ لطیف چیزیں اپنے قرب و مناسبت کی بدولت خدا تعالیٰ کے فیضانِ کمالات سے وہ حصہ لیتی ہیں جو بعید المناسبتہ اشیاء کو نہیں مل سکتا۔ اور اس کی نظیر ظاہر میں بالکل اس طرح ہے کہ شمع کا نور اس کے آس پاس کی چیزوں کو بہت زیادہ منور کرتا ہے لیکن دور کی چیزیں اس سے اتنی روشن نہیں ہوتیں۔

پس اگر وہ اخلاق حمیدہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات بابرکات میں موجود ہیں قلیل کثیر کسی فرد بشر کے نصیب ہو جائیں تو بے شک بہ نسبت ان افراد کے جن میں یہ اخلاق نہیں اس شخص کو حق تعالیٰ سے بمقدار مطابقت اخلاق کے قرب روحانی ہوگا۔ اور جو عنایات خاصہ خدائے کریم کی اس کے حال پر مبذول ہوں گی اوروں کو میسر نہ ہو سکیں گی۔

○ آپ عنقریب بوضاحت و تفصیل یہ معلوم کریں گے کہ جیسے زمین و آسمان میں چار طرف نور آفتاب کا ظہور ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے آپ سرخ و سفید کا امتیاز اور خوبصورت و بدصورت کا فرق قائم کرتے ہیں اور ہر صحن اور ہر روشندان

Marfat.com

ہر جگہ اور ہر مکان میں جُدا جُدا قطع سے وہ ہی جلوہ گری کئے ہوئے ہے ایسے ہی تمام کائنات کا وجود خداوند حقیقی کے نور وجود کی پرتو افشانی کا نتیجہ ہے۔ تو جس طرح آفتاب عالمتاب کو باایں ہمہ عموم فیض۔ قلعی دار آئینہ اور آتشی شیشے کے ساتھ وہ خصوصیت خاصہ حاصل ہے کہ دوسرے اجسام کے ساتھ نہیں ہے

(دیکھو۔ آتشی شیشے میں سوائے روشنی کے آفتاب کی جانب سے ایک خاص حرارت اور آتشی اثر کی بھی آمد ہے اور باقی اجسام کو جو وہیں اس کے پاس ہی رکھے ہوں اس تاثیر کی مطلق خبر نہیں۔ یا آئینہ قلعی دار میں آفتاب کی روشنی کا اس قدر اظہار ہے کہ درصورتیکہ دوسرے اجسام آفتاب سے فیضیاب ہو کر خود ہی روشن ہو جاتے ہیں یہ خود بھی سورج کی طرح چمک اٹھتا ہے اور جو اجسام اس کے بالمقابل ہوں ان پر بھی اپنا پرتو ڈالتا ہے۔)

اسی طرح فیض خداوندی کو بھی عام و خاص سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ فرق بجز فرق مناسبت اور فرق قابلیت کے اور کیا ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جیسے آفتاب کو آئینہ یا پتھر سب برابر و یکساں ہیں ایسے ہی خدائے بے نیاز کو بھی تمام مخلوقات برابر ہیں کسی سے بخل نہیں۔ البتہ مخلوقات کی قابلیت اور مناسبت بے انتہا مختلف ہے۔

تو جو لوگ صاف باطن ہیں اور اپنے نبی نوع سے ایسے ممتاز ہیں جیسے آئینہ لوہے سے یعنی جیسے آئینہ دراصل وہ ہی لوہا ہے جو صیقل کے دور ہو جانے کے باعث صاف و شفاف آئینہ بن گیا ہے ایسے ہی وہ لوگ بھی مثل

Marfat.com

اور نبی آدم کے وہ ہی حقیقت اور روح انسانی رکھتے ہیں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ ان کی ارواح بوجہ نہ ہونے آلایشوں اور کدورتوں کے جو بسبب تعلقات پنہانی کے ہوتی ہیں پاک وصاف ہیں وہ لوگ عجب نہیں کہ بہ نسبت اپنے بنی نوع کے زیادہ معزز و ممتاز ہوں اور بعضے ایسے فیض ان کو خدا کی طرف سے پہنچتے ہوں کہ ہم کو تم کو ان کی اطلاع بھی نہ ہو۔ یعنی ہم تم بذات خود ان فیوضات سے محروم رہیں۔ گو ان ہی پاک دل لوگوں کے واسطہ سے جن کے قلوب پر اوّل وہ فیض وارد ہوتے ہیں صرف اسقدر بہرہ یاب ہو جائیں جس قدر در و دیوار آئینہ منور سے یا سیاہ و سبز وغیرہ اشیاء جو جلنے کے قابل ہوں آتشی شیشے سے۔

غرض ہو سکتا ہے کہ جیسے آفتاب کے مقابلہ کے وقت آتشی شیشہ یا آئینہ قلعی دار کے باطن میں آفتاب کی طرف سے ایک فیض ایسی طرح آتا ہے کہ بظاہر آتا ہوا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور پھر اس کے حاصل ہو جانے کے بعد وہ دونوں بھی بقدر طاقت اپنی فیض رسانی میں مطلق بخل و دریغ روا نہیں رکھتے بلکہ ہر اس چیز کو جو ان کے سامنے آتی ہے اپنے حلقۂ اثر میں داخل کرنے کے واسطے تیار رہتے ہیں۔

○ ایسے ہی کیا عجب ہے کہ بعض نبی آدم کے دلوں پر جن کے دل جسمانی کثافتوں اور نفسانی کدورتوں سے پاک وصاف ہیں ایسی حرارت محبت خداوندی نازل ہوتی ہو کہ اوروں کو اس کی خبر بھی نہ ہو اور وہ خود آتشی شیشے کی مانند اس کو پی جائیں اور تحمل کر جائیں لیکن دوسروں کے دلوں میں آگ لگا کر اور ان کی ساری کدورتوں کو سوختہ کر کے ایسا پاک وصاف کر دیں جیسا

Marfat.com

لوہے کو جلاکر صاف وشفاف آئینہ بنالیا جاتا ہے۔ اور پھر اس نورِ الٰہی سے جو مثل آئینہ کے خاص ان کے دلوں پر اترتا ہے اور اُترتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور ان کا ظاہر مثل در و دیوار کے اور باطن مثل اس آئینہ کے جو خود آفتاب کے مقابل نہ ہو مگر اس آئینہ کے مقابل ہو جو آفتاب کے مقابل ہے بکمال آب و تاب جگمگا اٹھے۔ یعنی ان کا فیض ان لوگوں کو جو ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے ہیں ظاہر و باطن میں ایسا مالامال کر دے کہ کدورت کا نام و نشان باقی نہ رکھے اور عمدہ اعمال اور برگزیدہ اخلاق سے ان کا اندرون و بیرون بخوبی آراستہ ہو جائے۔

ہماری خواہش اس وقت اپنے دوستوں سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدائے عزوجل میں (جو کہ مخزن کمالات ہے) اور چند انسانوں میں فقط ایک ایسے ہی خاص طرح کے تعلق کو مستبعد نہ سمجھیں جیسا کہ انہوں نے آتشی شیشے وغیرہ کا آفتاب کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے۔

اگر ان کو خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پوشیدہ تعلقات کے ممکن التسلیم ہونے میں تامل نہ رہا (اور غالباً نہ رہا ہوگا۔) تو پھر ہم بہت ہی تھوڑے سے غور و فکر کے بعد اُن خصوصیات کو طے کر سکیں گے جن سے کسی ایک یا چند معین اشخاص کی صداقت پر جو کبھی اس تعلق کے مدعی رہے ہوں کافی استدلال ہو سکتا ہو۔ لیکن

○ ہم ابھی تک تو اسی ورطہ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں کہ مثلاً دوپہر کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ کنکریاں سنگریزے۔ درخت کی

شاخیں۔ زمین کے ریت سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے غرض دنیا کی سینکڑوں ہزاروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے۔ اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ایک ہاتھ میں آتشی شیشہ اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا سبز چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کر کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ شلگ کر دھواں اٹھنے لگتا ہے۔ اور جب شیشے کو سورج کے یا چادر کو شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجرا جب ہم ایک انتہا سے انتہا جاہل اور متعصب آدمی سے کرتے ہیں تو وہ بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوس ناک بیباکی کے ساتھ محال سمجھ کر تمسخر اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں پر بہت سے ایسے مختلف المذہب مختلف الطبائع اور مختلف الالوان لوگ جمع تھے جن کے پتھریلے معبودوں کی مانند سخت و سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شعاعیں بھی اپنا گہرا اثر نہ ڈالتی تھیں۔ جن کے تہ بر تہ مادی کثافتوں کے نیچے ان کی لطیف روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا۔ اور جن کی جہالت آمیز حرکتوں اور غافلانہ

Marfat.com

بدمستیوں سے دنیا کی اخلاقی مرقع کی اصلی صورت ایسی بگڑ گئی تھی کہ پہچانی نہ جاسکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا صفاکیش اور روشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالات الٰہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد ودیعت کی گئی تھی۔ اور جس نے ہوش سنبھالتے ہی بغیر کسی ظاہری معلم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہوکر ایسی روش اختیار کی جو سیدھے معبود حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے جبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطن مادر سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس بیشمع الکمالات خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہوگئی اور جسوقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام فانی تعلقات کو فراموش کئے ہوئے دل سے طلب صادق کے ساتھ خدائے ذوالجلال کی جناب میں متوجہ ہوکر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اس کے قلب کی تہ میں اتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس کی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو جلا کر کندن بنا دیا۔

کیا کوئی عقل وانصاف کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کئے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتلا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہماری احمق مخاطب کے نزدیک قابل تسلیم ٹھیرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر ہنسی اڑائی گئی۔

بلاشبہ آتشی شیشے اور آفتاب کی مثال ایک جسمانی مثال ہے جس

Marfat.com

کو ہم کسی روحانی مسئلہ کے استدلال میں بقاعدہ منطق پیش نہیں کر سکتے لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ نہ ہم نے اس کو اپنا استدلال بنانا چاہا ہے اور نہ فی الحقیقت ہم کو بنانے کی ضرورت ہے۔

ہم اوائل تحریر میں بتلا چکے کہ ہماری غرض اصلی اس موقع پر صرف اس قدر ہے کہ آپ خدائے بزرگ کے اور اس کے بندوں کے مابین ایک ایسے مخصوص تعلق کے ممکن ہونے سے انکار نہ فرمائیں جس کے ساتھ حضرت ربّ العزت کے بعض افادات خاصہ وابستہ ہوں پس اگر آپ اس قسم کے تعلق کو ناممکن اور محال سمجھیں گے تو درحقیقت مدعی آپ ہوں گے اور استدلال و برہان سے کسی بات کا ثابت کرنا بھی بحیثیت مدعی ہونے کے آپ ہی کا منصب ہوگا کیونکہ یہ بدیہی قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود و عدم کے ہونے نہ ہونے کے متعلق نزاع ہو تو اس میں مدعی وجود کا ماننے والا سمجھا جاتا ہے اور بخلاف اس کے اگر گفتگو کسی چیز کے امکان و امتناع (ہو سکنے اور نہ ہو سکنے) میں ہے تو اب مدعی وہ شخص ہے جو اس کو ناممکن اور ممتنع سمجھے۔

اس اعتبار سے اگر میں بغیر کسی مزید توضیح کے یہ کہہ دیتا کہ بعض نبی آدم اور خدائے عزوجل میں بعض ایسے تعلقات ممکن ہیں جو اس کے اور بنی نوع میں نہ پائے جاتے ہوں تو مجھ سے کسی قسم کے مطالبہ دلیل کا استحقاق نہ تھا۔ بلکہ مجھ کو حق تھا کہ میں اپنے ان مخالفوں سے جو ایسے تعلقات کو محال کہتے ہوں حجۃ طلب کروں۔ لیکن میں نے مناظرہ کے پہلو سے درگزر کر کے محض تقریب الی الفہم اور تسکین خاطر اور رفع اضطراب کے لیے ایک

Marfat.com

محسوس ومشاہد نظیر بھی اپنے مدعا کی تبرعاً پیش کر دی تاکہ جو لوگ مادیات و محسوسات کے دائرہ سے ایک قدم باہر نکالنے کے خوگر نہیں ہیں وہ بھی ان غیر محسوس تعلقات کی نوعیت سے فی الجملہ واقفیت حاصل کر سکیں۔

یہ ایک اتفاقی اور بہت ہی فائدہ مند بات ہوئی کہ جب ہم خالق ومخلوق کی ان پنہانی تعلقات پر بحث کر رہے تھے اور نظیروں اور مثالوں کے ذریعہ سے ان کو دلنشین کرتے جاتے تھے تو اس کے ضمن میں ہم کو چند ایسے اصول واسباب کے سراغ لگانے کا بھی موقع مل گیا جن پر یہ تعلقات واقع میں متفرع ہوتے ہیں کیونکہ ہم نے یہ بیان کیا کہ ان تعلقات خاصہ کی بنا اس قرب ومناسبت پر ہے جو کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے اپنی روحی لطافت میں کامل ہوا خلاق حمیدہ سے متصف ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس لئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص ان اعلیٰ اوصاف کے ساتھ موصوف راستی کا حامی اور کمینہ اخلاق وذمائم سے محترز ہوگا اس کو بعید نہیں کہ بسبب قرب روحانی کے خدائے عزوجل کی جانب سے اندرونی طور پر اس قسم کے افاضات خاصہ ہوتے ہوں جو اس کے دوسرے بنی نوع کو نہ ہوں۔ خدائے اقدس نے اپنے کمالات کا اس کو آئینہ بنا لیا ہو اور اسی بنا ان مرآتیت کی وجہ سے اس کے دل میں خدا تعالیٰ کے نہایت غامض اور دقیق مافی الضمیر بھی منعکس ہو جاتے ہیں۔

اگر فرض کرو کہ ہم کو دنیا میں کسی معتبر ذریعہ سے ایسے ایک یا چار آدمیوں کے وجود کا پتہ لگ گیا جن میں یہ صفات اعلیٰ اور اکمل حیثیت کے اندر پائے جائیں تو یقیناً یہی لوگ ہماری ان بیمار عقلوں کے درد کا درمان بن سکیں گے

Marfat.com

جن کے مرض کا مفصل تذکرہ ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں اور جن کی نسبت ہم نے کہا تھا کہ وہ مبتلائے امراض رہنے کی وجہ سے اپنے نیک و بد اور نافع و مضر میں اسی طرح صحیح تفریق نہیں کر سکتے جس طرح ایک بیمار آدمی بخار کی وجہ سے عمدہ عمدہ کھانوں کو برا سمجھنے لگتا ہے جو اس کو طبعاً مرغوب ہیں اور دنبل کی گلن یا خارش کی نوچ میں اپنے بدن کے تراشنے اور کھال کی نوچنے پر بے اختیار مائل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حالت صحت میں اس حرکت کو ہرگز عزیز نہیں رکھتا تھا۔

یہ اس خدائے بے نیاز کا بہت بڑا احسان ہے کہ میں نے جس مقصد کے ثابت کرنے کے واسطے چلنا شروع کیا تھا یہاں پہنچ کر میں نے اس کو پا لیا اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے آغاز سے انجام تک حسب ذیل نتائج برآمدہ ہوئے۔

(۱) افعال انسانی میں نیک و بد کی تقسیم ہر فرد بشر کو خواہ وہ کوئی مذہبی آدمی ہو یا دہری ماننا ضروری ہے۔

(۲) عقل سلیم جس کام کو اچھا یا برا بتلائے وہ ویسا ہی ہوتا ہے اور شریعت کے احکام بھی عقل سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔

(۳) عقل اور قوۃ عملیہ میں ایسا رابطۂ خاص ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے اور حرکات ناشائستہ اور افعال ذمیمہ کا کسی شخص سے سرزد ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کی قوت علمیہ (عقل) مریض یا کمزور ہے۔

(۴) عقل سقیم (مریض) جس شے کو نافع یا مضر بتلائے اس پر اطمینان

Marfat.com

نہیں ہوسکتا اس بارہ میں عقل سلیم درکار ہے۔

(۵) ہر ایک چیز کے حسن وقبح سے کما حقہٗ خدا تعالیٰ ہی واقف ہوسکتا ہے۔ یا وہ شخص جس کو خدا تعالیٰ محض اپنے فضل وعنایت سے جس حد تلک واقف کردے۔

(۶) خدا تعالیٰ کے فیوض وعنایات خاصہ سے ہر ایک انسان بقدر اپنے قرب ومناسبت کے مستفید ہوتا ہے۔

(۷) جس قدر کوئی عقل لطیف یعنی نفسانی الایشوں اور مادی کثافتوں سے پاک وصاف ہوکر اعلیٰ سے اعلیٰ اخلاق کے ساتھ مزین ہوگی اسی قدر اس کو خدائے عزوجل سے قرب وتعلق حاصل ہوگا اور ایسی ہی عقلوں کو ہم عقول سلیمہ کے نام سے یاد کرنے کے مستحق ہوں گے۔

آن صاف وصریح مگر مہتم بالشان نتائج کے سمجھ لینے کے بعد صرف یہ ہی نفع نہیں ہوا کہ ہم اپنے ایک خاص مقصد میں بقدر ضرورت کامیاب ہوگئے بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر پر جو کچھ نکتہ چینیاں پہلے کی گئیں تھیں ان میں سے اکثر کا جواب بھی ضمناً اسی بیان سے نکل آیا۔ چنانچہ جن ناظرین کو امام ممدوح کی تقریر اور اس کے متعلق شبہات یاد ہونگے وہ خود ہماری پوری تقریر پر مکرر نظر ڈال کر امید ہے کہ ہر ایک شبہ کا جواب دریافت کرلیں گے

○ البتہ سرسید کے اس اعتراض کا کوئی جواب ہماری مضمون میں ابھی تک نہیں آیا کہ جب عموماً لوگوں کی عقلیں مبتلائے امراض رہنے کی وجہ سے صحیح وفاسد اور نیک وبد میں تمیز نہیں کرسکتیں اور نہ وہ ہر ایک بھلے برے کے

پہچاننے کے واسطے کافی ہیں تو ہمکو خدا تعالیٰ کی جانب سے احکام شرعیہ کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے ہی کی وجہ سے تمام حیوانات کے برخلاف شرعیات کا مخاطب قرار دیا گیا ہے۔

اس کا جواب مختصراً تو صرف اتنا ہی ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کے سمجھنے یا کرنے کی جس حد تک تکلیف دی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں ہے اور ہمارے ذی عقل ہونے اور اپنے ابناء جنس سے ممتاز بننے کا یہ نفع کافی ہے کہ ہم خدا کی خدائی اور رسول کی رسالت پر مطلع ہو کر اپنے جملہ ارادات اور حرکات و سکنات کی باگ ان دونوں کے ہاتھ میں دیدیں۔ اور اجمالاً یہ جان لیں کہ جن دونوں کی صداقت کا ہم کو یقین ہو چکا ہے وہ بلاشبہ ہمارے کامل خیر خواہ اور کامل حکمت والے ہیں۔ اور ان کی ہر ایک چھوٹی سی چھوٹی تعلیم پر کاربند ہونا ہمارے لئے فلاح و سوز مندی سے خالی نہیں ہے۔

اگر چہ ہم ان کل احکام کی یا ان میں سے بعض کی تفصیلی حکمتوں اور مصالح پر مطلع نہ ہو سکے ہوں۔ اور یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک ماہر ڈاکٹر جب کسی دوا یا غذا کے متعلق مفید یا مضر ہونے کا فتویٰ دیتا ہے تو ہم خواہ اس چیز کے خواص و کیفیات بلکہ نام سے بھی صحیح اور پر آشنا نہ ہوں اور خواہ جس کے استعمال کا وہ حکم دیتا ہے اس سے نفرت اور جس سے وہ منع کرتا ہے اس کی طرف رغبت بھی ہو مگر ڈاکٹر کی تجربہ کاری اور بہی خواہی پر اعتماد کر کے جس کو ہم نے محض ایک کمزور اور ضعیف گمان کے ساتھ تسلیم کر رکھا ہے۔ ہم اس دوا یا غذا

Marfat.com

کے استعمال کی نسبت اپنا سابق رویہ بدل ڈالتے ہیں اور اس تبدیلی کے وقت بیچاری عقل کی ایک بھی نہیں سنتے بلکہ یوں تاویل کر کے تسلی کر لیتے ہیں کہ عاقلوں کی پیروی بھی درحقیقت عقل کی ہی پیروی ہے تو اس حیثیت سے گویا ہم نے عقل کے اشارہ کے بغیر کوئی جنبش نہیں کی۔

یہ ہی حال بعینہ مذہب و شریعت کا ہے لیکن ہم کو تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ سر سیّد نے ایک نرالی منطق سے اور عجیب گول مول الفاظ میں لوگوں کے دلوں سے ہمارے اس صحیح خیال کو مٹانا یا کم از کم سست کر دینا چاہا ہے جس جگہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارا یہ اصول نہایت جچا ہوا ہے کہ انسان صرف بسبب عقل کے جو اس میں ہے مکلّف ہوا ہے پس جس بات پر وہ مکلّف ہو گا ضرور ہے کہ فہم انسانی سے خارج نہ ہو ورنہ معلول کا وجود بغیر علت کے لازم آتا ہے جو محال و ممتنع ہے پس جن اخلاق کے پکڑنے اور چھوڑنے پر انسان مکلف ہے وہ ضرور عقل انسانی سے خارج نہیں"

(تہذیب الاخلاق جلد دوم مطبوعہ لاہور۔ مضمون کانشنس ص۱۲۳)

میرا یہ سوال سر سیّد سے یہ کہ جس عقل کو وہ تکلیف شرعی کے واسطے علت قرار دیتے ہیں اس سے کیا مراد ہے۔ آیا فقط قوۃ ادراک کا انسان میں موجود ہونا یا اس سے ہر ہر چیز کو تفصیلاً جاننا۔ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو بعض احکام و اخلاق کے فوائد و علل پر مطلع نہ ہونے سے علت و معلول

Marfat.com

میں جدائی کس طرح لازم آئی اور اگر خدانخواستہ سرسید نے دوسری شق کو لیا ہے تو میں تسلیم نہیں کرتا کہ جو علت تکلیف کی سرسید نے قرار دی ہے وہ صحیح ہے اور آپ حیرت کریں گے جب یہ سنیں گے کہ میں اس شق کو تسلیم نہیں کرتا خود سرسید بھی اس کے اعتراف کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کے دوسرے حصہ میں وہ لکھتے ہیں۔

اس بیان سے جو ظاہرا بالکل سیدھا اور صاف ہے اور کج اور بیچ اس میں کچھ نہیں ہے اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ کانشنس فی نفسہ کوئی چیز نہیں ہے اور نہ وہ کسی مذہب کا اصل اصول قرار پانے کے لائق ہے اور نہ وہ فی حد ذات رہنما ہونے کے مستحق ہے۔ ہاں بلاشبہ سچے اصول پر انسان کی طبیعت تربیت پا جائے یا سچے خیالات سے اس کی طبیعت موثر ہو جاوے اور طبیعت سچائی کے مطابق حالت پیدا کر لے تب وہ حالت طبیعت یعنی کانشنس انسان کا رہنما ہوتا ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔ (ایضاً تہذیب الاخلاق ص۱۴)

ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور اور تفکر کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی حالت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت کر سکتے ہیں مگر کب جب کہ انسان کی معلومات کو ایک کافی ترقی اور قوانین قدرت پر اور ان مختلف قوی کے اوپر جو اسکے بانی نے انسان میں رکھے ہیں ایک معتدبہ آگاہی

Marfat.com

حاصل ہو تمام انسان ان وقائق پر نہیں پہنچ سکتے اور جو پہنچ سکتے ہیں وہ معدودے چند کے سوا نہیں ہو سکتے اور وہ بھی نہ اپنی عمر میں بلکہ پشتوں در پشتوں اور صدیوں در صدیوں میں پس اس لئے تاکہ اس قادر مطلق کی حکمت بیکار نہ رہے ضرور ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے ایسے ہادی پیدا کئے جائیں جنمیں خلقی ایسا مادہ دیا گیا ہو اور جو اعتبار اپنی فطرت کے ان سچے اخلاق کے بیان کا مخزن ہو۔" ایضاً ص ۱۲۲

ان دونوں عبارتوں سے بھی اور ان کے اور بعض تصریحات سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جملہ احکام شرعیہ کے لم اور علت کو سمجھ لینا گو مطلق عقل انسانی سے خارج نہیں ہے۔ لیکن ہر عقل شخصی کا یہ منصب بھی نہیں کہ ہر ایک حکم کی حقیقت اور کنہ کے سمجھ لینے کا وہ دعویٰ کر بیٹھے۔ تو سر سید کے اصول کے موافق سوال یہ ہے کہ سوائے ان معدودے چند انسانوں کے جو وقائق شریعت سے خبردار ہوں (جیسا کہ سر سید بزعم خود تھے) اور لوگوں کو جو ایسے نہیں ہیں مکلف بنانا کیوں کر صحیح ہوا حالانکہ جن باتوں کے کرنے یا چھوڑنے پر ان کو برانگیختہ کیا جاتا ہے وہ ان کی عقل شخصی سے یقیناً خارج ہیں۔

پس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ ہم گرفتاران ہوائے ہوس اور مریضان عقل اور اک ان ارباب عقول سلیمہ کو جن کے کچھ کچھ اوصاف ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اطبائے روحانی سمجھ کر اپنے لئے کم از کم اسی طرح موت دائمی اور ہلاکت ابدی سے نجات دلانے والا تصور کر لیں جیسا کہ ایک جاہل بیمار جو بغرض تداوی

کسی طبیب حاذق کے آستانہ پر حاضر ہو کر اس کی نسبت خیال رکھتا ہے اور جس طرح ایک دیہاتی مریض اپنے معالج ڈاکٹر کے کہنے سے فقط اس اعتماد پر کہ وہ اس کے خواص اور منافع و مضار سے کما حقہ آگاہ ہوگا۔ کونین کے (بلکہ کسی نامعلوم الاسم دوا کے) کھانے کے لیے بلا پس و پیش آمادہ ہو جاتا ہے (حالانکہ ذاتی طور وہ اس سے کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتا)، ٹھیک اسی طرح ارباب عقول سقیمہ کو لازم ہے کہ وہ ارباب عقول سلیمہ کے احکام کے سامنے بالکل گردن ڈالدیں اور ان نسخہ جات کے استعمال کرنے اور پرہیز کے قایم رکھنے میں جن کا ارباب عقول سلیمہ نے امر فرمایا ہو ایک لمحہ کے لئے بھی توقف۔ تردد اور تنگدلی کو دخل نہ دیں بشرطیکہ طبیب کے طبیب اور ان نسخہ جات کے بامر طبیب ہونے میں ان کو کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا ہو۔

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما۔	پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ یہ لوگ ایمان سے ہرگز بہرہ یاب نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ تم کو (اے پیغمبر) اپنے باہمی منازعات میں حکم نہ ٹھہراویں۔ اور تمہارے فیصلہ کے سامنے بغیر کسی قسم کی دل تنگی کے گردن تسلیم نہ خم کر دیں۔

○ ممکن ہے کہ یہ سوال اٹھایا جاوے کہ جب ارباب عقول سقیمہ کو محض اپنے عقلوں اعتماد کرنا اور ان کی ہدایات اور احکام پر چلنا ہی روا نہیں رہا اور نہ کسی شرعی معاملہ میں ان کے اقتضاآت عقلیہ کی توثیق و تصویب ضروری قرار دے گئے تو آخر اس کے باور کر لینے کی ہی ہمارے پاس کیا ضمانت ہے کہ عقل سلیم و سقیم کے امتیاز اور طبیب و مریض کی تشخیص اور معالج و مستعلج

Marfat.com

کی جستجو میں وہ ہی مریض عقلیں صحت و استقامت کے ساتھ ضرور کامیاب ہو جائیں گی اور اس کا احتمال باقی نہ رہے گا کہ جس شخص کو انہوں نے تندرست شمار کیا ہے وہ فی الحقیقت بیمار ہو اور جس کو اپنا نجات دہندہ طبیب سمجھے ہیں وہ ایک نا اہل اور خطرہ جان ہلاکو ہو۔

لیکن ایسا سوال پیش کرنے والوں کو تھوڑی دیر کے واسطے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اگر کسی اجنبی بستی میں کوئی اجنبی طبیب آجائے اور وہاں کے لوگوں سے اپنے فن کی حیثیت میں تعارف پیدا کرانا چاہے (حالانکہ وہ لوگ نہ تو نظریات طب سے خبردار ہیں اور نہ انواع مرض سے واقفیت رکھتے ہیں اور نہ ان کے لئے طرق علاج کی صحت و غلطی کا دریافت کرنا آسان کام ہے تو ایسی صورت میں اس طبیب کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا پڑتی ہیں؟

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سب سے پہلے تو وہ مجامع و مجالس میں موقع بموقع اپنے طب دانی کا تذکرہ کرے گا۔ اپنے مطب پر ایک بڑا سا بائین بورڈ لگائے گا۔ اور وقتاً فوقتاً اپنے اسانید کو جو کسی معتبر مدرسہ سے اس کو دستیاب ہوئے ہونگے خواص کے روبرو پیش کرتا رہے گا اور اس کے بعد کچھ لوگ تو عام چرچا اور محض شہرت پر ایمان لاکر اور کچھ محض امتحان اور جانچ کرنے کی نیت سے اور کچھ طبیبوں کے احوال و اطوار سے قدرے واقفیت رکھنے کی وجہ سے اس کے پاس بعوض معالجہ آنے لگیں گے اور بہت سے مریضوں کے پاس اپنا اعتبار بڑھانے اور مطب کو چمکانے

Marfat.com

کے لیے وہ بذات خود بغیر کسی قسم کی فیس اور مالی معاوضہ کے دور دراز کے تعلقات جتلا کر چلا جائے گا۔

اب اس ساری جد و جہد اور دوا دوش میں اگر کچھ بیماروں کی شفا اس کے ہاتھ سے مقدر ہے تو وہ اس کی اولین کامیابی کا باعث ہوگی۔ اور جوں جوں کہ یہ سلسلہ ترقی کرتا جائے گا اسی قدر اس کی عزت اور مقبولیت کو چار چاند لگتے جائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ کچھ زمانہ کے بعد شہرت عامہ کے اس درجہ پر پہنچ جائے گا کہ مریضوں کو اس کے یہاں پہنچنے کے لئے استدلال اور غور و فکر کی ضرورت باقی نہ رہیگی اور عوام کے محاورات میں شفاء و صحت تو اس کے معالجانہ کوششوں کی طرف اور موت و ہلاکت خالی بخت و اتفاق یا مشیت ایزدی کی طرف منسوب ہونے لگے گی۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دوسرے سے طبیبوں کی مقبولیت کا معیار ہی اب اس کی تسلیم و تصدیق قرار پا جائیں گے۔

بعینہ اسی پر اطبار روحانی (انبیاء علیہم والصلوٰۃ والسلام) کے حالات کو قیاس کرو جب وہ عالم کی ہدایت و اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے ہیں تو سب سے اوّل وہ اپنے من اللہ بشیر و نذیر ہونے کا نہایت زور شور اور تحدی کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اپنی دعوت و تبلیغ کا غلغلہ اہل و عیال اور خویش و اقارب سے شروع کر کے مشارق و مغارب میں ڈال دیتے ہیں۔ جس کو سن کر کچھ لوگ تو ان کے سابق چالیس سالہ زہد و ریاضت پاک و صاف اخلاق۔ دیانت و راستبازی اعراض عن المال والجاہ شرافت حسب و نسب اور روشن خوارق یا آیات بینات وغیرہ امور کی وجہ سے اور

Marfat.com

بہت سے محض ازراہ امتحان و تفتیش ہی فطرۃً ان کی طرف متوجہ ہو جاتے رہیں۔ اور بہت سے وہ خوش قسمت ہیں کہ خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت قلبیہ اور ہمت باطنی کے زور سے باذن اللہ ان کو اپنی طرف جذب کر لیتے ہیں اور اسی اثناء میں جب یہ لوگ روحانی امراض سے یکایک شفایاب ہونے لگتے ہیں اور ان کے دلوں کی تاریکی دور ہو کر جمال خداوندی کا عکس ان میں پڑنے لگتا ہے تو وہ اپنے ہادی کی نسبت فوراً چلا اٹھتے ہیں کہ :-

مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔

اس وقت ان مریضوں کو بھلا چنگا دیکھ کر اور ان کے حالات سابقہ میں ایسا انقلاب عظیم پا کر اوروں کے دل بھی للچانے لگتے ہیں اور ان کو ان کی صحت کی بحالی پر رشک آنے لگتا ہے پھر تو مخلوق خدا فوج در فوج اور جوق در جوق ہو کر اس پاک بندے کے گرد جمع ہو جاتی ہے اور اپنے اپنے امراض کا مرافعہ اس کی طرف کرتی ہے۔ اور جیسے جیسے کہ یہ سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے اندھوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اور غافلوں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آتا رہتا ہے اس کے بعد اس کے طبیب حاذق (یا نبی مرسل) سمجھنے کے واسطے نہ کسی استدلال کی ضرورت رہتی ہے اور نہ اس میں بہت زیادہ تدقیق اور غور و غوض کو کام فرمانے کی۔

الغرض جس وقت طبیب حاذق (نبی) کی شناخت کے لئے انسان کو اپنے دماغ پر کچھ زور ڈالنے کی ضرورت تھی اس وقت تو چند قدرتی اسباب کی بنا پر یہ شناخت بغیر زور ڈالے ہی حاصل ہو گی اور جب کہ اس کے ہمذاقت

Marfat.com

کے نتائج متمثل ہو کر گویا آنکھوں کے سامنے نمودار ہو گئے ہیں تو اس بحث میں کد و کاوش کی مطلقاً حاجت ہی باقی نہیں رہی ہر شخص ان محسوس و مشاہد نتائج کو دیکھ کر اسی طرح اس کے طبیب حاذق (نبی) ہونے کا یقین کر سکتا ہے جیسا کہ کسی گھر کے صحن میں دھوپ نکلی ہوئی دیکھ کر آسمان پر آفتاب کے نکلنے کا۔

اور اس بدیہی بلکہ اجلی البدیہیات کے سمجھنے کے واسطے انسان میں ذرا سی عقل بھی خواہ وہ کتنی ہی علیل کیوں نہ ہو کفایت کرتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس سے کام لینے کی کوشش کرے اور حق کے دیکھنے سے جو اس کو جھٹلانا چاہتا ہے بالکل آنکھیں بند نہ کر لے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں ارباب عقول سقیمہ سے یہ مطلب ہمارا ہرگز نہیں ہے کہ ان میں کسی موٹی اور روشن سی روشن بات کے سمجھنے کی بھی قابلیت باقی نہ رہی ہو اور محسوسات کی ادراک کی استعداد بھی ان سے سلب کر لی گئی ہو۔

تم خود خیال کرو کہ کسی تجربہ کار طبیب کے ہاتھ پر تپ کہنہ کے پانچ چار مریض (جو زندگانی سے مایوس ہو چکے ہوں) شفایاب ہو جائیں تو گھر گھر میں اس کا چرچا پھیل جاتا ہے اور دور دراز شہروں کے مایوس العلاج بیمار اس کی طرف رجوع کرنے لگتے ہیں اب اگر فرض کرو کہ ایک طبیب کے دست شفا سے کوئی بستی یا ملک کا ملک تپ کہنہ سے صحت یاب ہو جائے تو اس کی طرف لوگوں کی توجہ کیا کسی منطقی استدلال کے محتاج رہے گی۔

○ مثلاً سر خیل اطبائے روحانی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ (جیسا کہ ہم نے

Marfat.com

اپنے رسالہ الاسلام[1] میں نہایت مفصل بیان کیا ہے اور یہاں پر مصلحتاً ہم اپنے زمانہ کے ایک (اصطلاحی) روشن خیال مؤلف کے الفاظ میں لکھتے ہیں) ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے جبکہ دنیا ایک عجیب روحانی سکتے کی حالت میں تھی۔ اور آپ ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں اخلاقی تعلیم کا کچھ سامان نہ تھا اور ایسی قوم کی اصلاح آپ کے ذمہ کی گئی جو سوائے اوہام اور فاسد عقیدوں اور باطل خیالات اور غلط رایوں اور وحشیانہ اعمال اور بداخلاقی اور نفاق اور جنگ جوئی کے کسی قسم کی اخلاقی خوبی نہ رکھتے تھے مگر آپ کے الہامی بیان اور خدائی قوت نے ان پر ایسی عجیب و غریب تاثیر کی کہ اس سے ان کی تمام ظاہری و باطنی حالتیں بدل گئیں برسوں کے بہکے ہوئے خدا کی راہ پر چل نکلے اور مدتوں کے سوتے ہوئے غفلت کی نیند سے چونک پڑے جو مشرک تھے وہ موحد ہو گئے جو کافر تھے ایمان لائے جو بت پرست تھے وہ بت شکن بن گئے جو گمراہ تھے وہ خدائی راہ دکھانے لگے۔ جاہلانہ حمیت اور وحشیانہ عصبیت کا ان میں نام نہ رہا۔ خاندانی جھگڑے اور پشتینی عداوتیں جاتی رہیں دماغ غرور و نخوت سے خالی ہو گئے اور ان کے دل صبر و توکل۔ حلم و بردباری۔ زہد و پرہیزگاری اور جمیع اخلاقی صفات سے بھر گئے۔ آپ کی تعلیم و ہدایت نے ایک ایسا گروہ خدا پرست پاک طبیعت راستباز نیک دل لوگوں کا قائم کر دیا۔ جن کی کوششوں سے شرک و بت پرستی کی آواز جو تمام جزیرہ نمائے عرب میں گونج رہی تھی بند ہو گئی اور اس کے بدلے ایک بیچون و بیچگون بے شبہ و بے نمون خدا کی منادی پھر گئی۔ بتوں نے عدم کا راستہ لیا۔ بت خانوں کا نشان مٹ گیا آتشکدے

---

[1] یہ رسالہ آپ ادارہ اسلامیات لاہور انارکلی سے طلب فرما سکتے ہیں۔
۳۴۳

Marfat.com

ٹھنڈے پڑ گئے تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا اوہام پرستی کا باطل خیال باطل ہو گیا"

جاء الحق وزھق الباطل — حق ظاہر گیا اور باطل مغلوب ہے بلا شبہ باطل مغلوب ہی ہو کر رہتا ہے۔

ان الباطل کان زھوقا"

کیا اس سے اس امر کا مشاہدہ اور درخشاں ثبوت نہیں ملتا کہ آپ حقیقت میں سچے رسول (طبیب حاذق) اور خدا ہی کی طرف سے مؤید تھے ورنہ انسان کا کام نہ تھا کہ وہ ایسا انقلاب عظیم عرب کی روحانی اور اخلاقی حالت میں پیدا کر دیتا اور ایسے جنگ جو ستم پیشہ لوگوں کو جو بات بات پر لڑتے اور جھگڑتے تھے۔ اخوۃ کے ایک رشتہ میں باندھ دیتا اور ان کی پشتینی عداوتوں اور کینوں سے ان کے دلوں کو ایسا صاف کر دیتا کہ اس کا کچھ اثر باقی نہ رہتا بلکہ دنیا میں اخلاق اور انسانیت کا نمونہ بنا دیتا۔

سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی ایسی عجیب و غریب تاثیر اور ایسی حیرت انگیز نتائج کو دیکھ کر منکرین بھی اس بات کے معترف ہیں کہ درحقیقت یہ بات بشری قدرت سے خارج تھی چنانچہ کوئی ان میں سے کہتا ہے کہ "وہ پیام جو آپ لائے وہ ایک سچا اور حقیقی پیام تھا جسکا مخرج وہی ہستی تھی جس کی تھاہ کبھی کسی نے نہیں پائی" کوئی لکھتا ہے "قرآن ہی کی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ عرب کے رہنے والے ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو" متعصب سے متعصب عیسائیوں میں سے سخت سے سخت متعصب یہ اقرار کرتا ہے کہ "دین مسیحی کی ابتداء سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک کبھی حیات روحانی ایسی برانگیختہ نہیں ہوتی تھی جیسی کہ اسلام کی تعلیم سے ہوئی"

کچھ کیا ایسی واشگاف ثبوتوں اور کھلی کھلی دلیلوں کے بعد بھی کوئی محروم البصیرۃ ایسا نکلے گا جو باوجودیکہ اپنے کو مریض سمجھتا ہو اور کسی نباض اور ماہر طبیب کی طرف رجوع کرنے کا خواہش مند بھی ہو۔ لیکن طبیب عرب (نہیں بلکہ طبیب عرب و عجم) کے ان چمکتے ہوئے کارناموں سے منہ پھیر لے۔ اور اس کی تجویز اور تشخیص کے سامنے (جو لاریب خدا ہی کی تجویز و تشخیص ہے) سپر چون و چرا اور بے ریب و تردد گردن نہ ڈال دے اور کم از کم تجربہ ہی کے طور پر اس کے بتلائے ہوئے تدابیر و معالجات و پرہیز پر چند روز عمل کر کے نہ دیکھے۔

○ ایسے ہی کور باطنوں کی نسبت (جو ابھی تک اس طرح کی بدیہی صداقت کے تسلیم کے واسطے نہایت پیچیدہ اور دور از کار مسائل و دلائل کی تلاش میں فضول سرگرداں رہ کر عمر عزیز ضائع کر رہے ہیں اور دن سے زیادہ روشن واقعات کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے) عارف باللہ حضرت شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"ہمارے نزدیک سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انسان (دہریات میں) خدا کو چھوڑ کر محض اپنی نظر و فکر کی ہی تقلید کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی یہ فکر بھی خود اس ذات کی طرح ایک امر حادث اور مخلوق ہے اور ان قوی میں سے ایک قوۃ ہے خدائے تعالیٰ نے انسان کے اندر ودیعت کی ہیں۔ (اس سے معلوم ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے قوۃ مفکرہ کو عقل انسانی کے واسطے ایک خادم بنایا ہے (لیکن اس پر بھی) عقل خود اس کی (خادم بن کر) پیچھے ہو لیتی ہے۔

Marfat.com

باوجودیکہ وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قوۃ مفکرہ جو کچھ اس کو عطا کرتی ہے وہ اس میں اپنے حد و مرتبہ سے ذرا بھی تجاوز نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہے کہ کسی دوسری قوۃ کی سرحد میں قدم رکھ سکتے مثلاً قوۃ حافظہ یا مصورہ کا کام اس سے نکل سکے یا قوت متخیلہ کے قائم مقام بن سکے یا حواس خمسہ (لمس طعم۔ شم۔ سمع۔ بصر) میں سے وہ کسی ایک کے فرائض کو انجام دے سکے۔

○ یہ سب کچھ ہے اور قوت مفکرہ کی حدود و اختیارات کی یہ تنگی بھی سب کو معلوم ہے۔ مگر اس پر بھی یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ عقل انسانی اپنے پروردگار کی معرفت کے بارہ میں اسی عاجز و ناقص کی تقلید پر اڑی ہوئی ہے اور اس کا پروردگار خود جو کچھ اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبانی اپنی نسبت بیان فرماتا ہے اس کی تقلید سے برابر کتراتی ہے۔

عالم میں جو غلطیاں مختلف طرح کی پھیلی ہوئی ہیں عقل کی یہ غلطی ان سب میں عجیب تر ہے اور تماشہ ہے کہ سوائے ان معدود لوگوں کے جن کی بصیرت کی آنکھیں خدا تعالیٰ نے روشن کر دی ہیں ہر صاحب فکر اسی عام غلط کاری میں مبتلا ہے۔ ہاں ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ہر چیز کی ایک خاص فطرت بنائی اور اسی خاص فطرت کے اعتبار سے اس شے کی عمل و حرکت کی حد بندی کر دی ہے، مثلاً قوت سامعہ (کانوں) کی فطرت مسموعات (آوازوں) کے ادراک سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ اور عقل انسانی فقط اسی حلقہ میں اس کی محتاج اور آوازوں کی شناخت حروف کے قطع و برید۔ الفاظ کے تغیرات اور لغات کی تقسیم میں اس سے امداد کی طالب ہے۔ چنانچہ عقل

Marfat.com

انسانی قوۃ سامعہ ہی کے ذریعہ سے پرندوں کے چہچہے۔ ہواؤں کی سائیں سائیں کواڑوں کی چوں چوں۔ پانی کی خرخر۔ انسان کی چیخ و پکار اور دوسرے حیوانوں کی بولیوں میں تفریق کرتی ہے ورنہ عقل انسانی میں بجائے خود یہ قدرت کہاں کہ بغیر توسط سمع کے ان چیزوں کے باہمی امتیازات کو قایم رکھ سکے۔

اسی طرح قوۃ باصرہ (آنکھوں) کو خیال کرو کہ اس کا دائرہ عمل محض مبصرات (دکھائی دینے کے قابل چیزوں) تک محدود ہے یعنی عقل کو اس کی امداد کے بغیر سبزی کو زردی سے اور زردی کو سفیدی سے اور سفیدی کو سیاہی سے اور اسی طرح ہر ایک رنگ کو دوسرے رنگ سے جدا کرنا عادۃً ممکن نہیں ہے۔ اور یہی حال ان دونوں کے ماسوا دوسری ان تمام قوتوں کا ہے جو حواس کے نام سے مشہور ہیں۔ اور نیز قوت خیالیہ کا جس کو اپنی کارگزاری میں حواس خمسہ کی احتیاج ہے۔ کیوں کہ تخیل فقط ان چیزوں کے ساتھ ہی متعلق ہو سکتا ہے جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں علی ہذا القیاس قوۃ حافظہ اگر خیال کی حاصل کی ہوئی اشیا کو روکے نہ رکھے تو خیال کے خزانہ میں کچھ بھی باقی نہ رہے اس حیثیت سے جیسا کہ وہ حواس خمسہ کا محتاج ہے۔ ایسے ہی قوۃ حافظہ سے بھی بے نیاز نہیں۔ پھر قوت حافظہ کو بہت سے ایسے مواقع پیش آتے جو اس کے اور خیال کے درمیان حائل ہو کر قوت حافظہ کی ضعف اور اس سے امور کثیرہ کے فوت ہونے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے ایک قوۃ مذکرہ کی حاجت ہوتی۔ قوت حافظہ کی مددگار بن کر اس کو وہ باتیں یاد دلا دیا کرے جن سے ذہول ہو گیا ہو۔

Marfat.com

ان سب کے بعد قوت مفکرہ خیال کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ قوۃ مصورہ کے توسط سے خیال کے حاصل کردہ امور کو اس طور پہ ترکیب دے کہ اس سے کسی دعویٰ کے متعلق ایسی دلیل پیدا ہو جاوے جس کی انتہا ان محسوسات اور بدیہات پر ہوتی ہو جو آدمی کی جبلت میں مرکوز ہیں اس طرح سے جب فکر دلیل کو ایک اچھی طرح صورت پر قائم کر دیتا ہے تو اب عقل انسانی اس بنی بنائی چیز کو لے کر دعوی پر منطبق کر دیتی ہے۔

لیکن وہاں سے یہاں تک پہنچنے میں جتنی قوتوں کو کچھ بھی دخل رہا ان میں سے کوئی ایسی نہیں جس کے کام میں بہت سے موانع اور بہت قسم کی غلطیوں کا مساغ نہ ہو اور جس کیلئے کسی ایسے معیار کی ضرورت نہ پڑے جو صحیح کو فاسد سے اور مغز کو پوست سے جدا کر سکے۔

پس تم غور کرو کہ عقل فی ذاتہ کس قدر جاہل کیسی بے بس اور دوسری قوتوں کی کتنی حاجتمند ہے اور ان قوتوں میں سے ہر ایک کو جو اغلاط پیش آتے ہیں اور جہاں تک کہ اس کے دائرہ عمل کی تحدید کی گئی وہ بھی سب پر روشن ہو چکی لیکن اس پر بھی جب اس کو کوئی بات اس مخدوش اور پر خطر طریق سے بہت سی ٹھوکریں کھا کر حاصل ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسری جانب خود خداوند رب العزۃ کوئی خبر دیتا ہے تو یہ کہہ کر وہ خدا کی بتلائی ہوئی بات کو ٹالدیتی ہے کہ میرا غور و فکر اس کو رد کر چکا ہے۔

اللہ اکبر یہ عقل خدا تعالیٰ کے مرتبہ سے کس قدر جاہل ہے کہ اس نے اپنے فکر ناقص کی تقلید میں خدا تعالیٰ پر حرج کرنے کو آسان سمجھا۔ حالانکہ تم پہلے

Marfat.com

سمجھ چکے ہو کہ عقل کے پاس بجائے خود کسی طرح کا اور کسی شے کا بھی علم موجود نہیں اس کا کام محض حواس خمسہ۔ قوۃ خیالیہ۔ قوۃ مصورہ اور علیٰ ہذا القیاس دوسری قوتوں کی عطا کئے ہوئے علوم کو قبول کرنا ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے نہایت ہی مناسب تھا کہ وہ بجائے قوت فکریہ وغیرہ اپنے خدام کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور ان کے عطایا قبول کرنے کے اپنے آقا رب العزۃ کے روبرو ہاتھ پھیلاتے اور اسی کی بخششوں کو لے کر سر اور آنکھوں پر رکھتے۔

اور جب کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا فکر خیال کا مقلد ہے اور خیال حواس خمسہ کا اور اس کے ساتھ ہی اس کو اپنی امداد کے لیے قوۃ حافظہ اور مذکرہ کی بھی حاجت ہے اور یہ بھی علم ہے کہ یہ تمام قوی اپنی اپنی سرحد فطرۃ اور دائرہ عمل سے باہر ایک قدم نہیں رکھ سکتے (مثلاً خوبصورت بدصورت کے ادراک میں کانوں سے کام نہیں چل سکتا اور آوازوں کے بُرے بھلے کو آنکھیں نہیں سمجھ سکتیں خوشبو اور بدبو کا امتیاز زبان کے حدود عمل سے خارج ہے اور تلخ و شیریں کی تفریق سے ناک کو کوئی سروکار نہیں اور علیٰ ہذا القیاس خود عقل کو اپنی ذات کے اعتبار سے ان چند ضروریات کی سوا جن کا علم فطرۃً ہوتا ہے اور کوئی چیز معلوم نہیں، تو بھلا تمام قوتوں کے اس طرح کی تنگ میدانی اور بیچارگی کے باوجود بھی کیا وجہ ہے کہ ہماری عقل اس شخص کے قول کو قبول نہیں کرتی جو انسان میں قوۃ مفکرہ کے سوا ایک اور ایسی قوت کا قائل ہے جس کے احکام قوۃ مفکرہ کے احکام سے بالاتر ہوں اور

Marfat.com

جس کو ان طریقوں کے استعمال کرنے سے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے لکھے ہیں بموہبت الٰہی اہل اللہ (ملائکہ) انبیاء اور اولیاء کاملین اپنے اندر پاتے ہیں اور کل کتب سماویہ جس کے وجود کی خبر دینے میں بآواز دہل ناطق ہیں۔

⊙ اس لئے تم کو چاہیئے کہ اخبار الٰہیہ کے ماننے میں اپنے عقول (ناقصہ سقیمہ) کی کچھ پرواہ نہ کرو اور مخلوق کے مقابلہ میں خالق کی تقلید کو بہتر سمجھو کیونکہ کثیر التعداد انبیاء و اولیاء نے انہیں چیزوں کو قبول کیا اور انھیں پر وہ ایمان لائے۔ اور انہیں کی تصدیق کی۔ اور ہمیشہ وہ اسی کو پسند کرتے رہے کہ اپنے رب کی معرفت میں خود اسی کی تقلید کرتا اپنے اوہام و افکار کی تقلید سے اولیٰ و انفع ہے۔ پھر اور عقلمند بن کر اخبار الٰہیہ سے انکار کرنے والے تجھ کو کیا ہوا کہ خدا کے بارے میں تو خود خدا کی اور اس کے برگزیدہ بندوں کی نہیں سنتا اور اپنے خیالات کے پیچھے پڑا پریشان ہو رہا ہے؟؟

دیکھو جب یا ایھا الذین آمنوا اتقوا کے سننے والوں کو یہ معلوم ہوا کہ علاوہ اس ایمان کے جو دلائل و افکار سے ہم کو حاصل ہو چکا کوئی دوسرا ایمان بھی مطلوب ہے تو انہوں نے معاً ریاضت خلوۃ اور مجاہدہ کا طریق اختیار کیا اور خدا کو فراموش کرانیوالے تعلقات کو یک لخت منقطع کر کے دنیا میں رہ کر ہی وہ دنیا سے الگ ہو بیٹھے۔ اور دل کو سب جھگڑوں سے خالی اور قلب کو شوائب افکار سے پاک کر کے خالص خدا کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ انبیاء و مرسلین سے یہ ہی راستہ ان کو معلوم ہوا تھا اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ بندہ جب سارے دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس پر اپنی

Marfat.com

مہربانی اور رحمت کا سایہ ڈالتا ہے اور اپنے دامن عطوفت میں لے لیتا ہے اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا کی طرف جانے والوں کے لئے فکر کے راستے سے یہ راستہ زیادہ نزدیک ہے کیونکہ خود خداوند رب العزت نے اپنے رسول کی زبان سے یہ منادی کرادی کہ جو کوئی ہماری طرف لپک کر آتا ہے ہم اس کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ اور یہ کہ نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ بلکہ فقط قلب مومن میں یہ وسعت ہے کہ وہ ہماری عظمت و جلال کا تحمل کر سکے۔

اس بناء پر یہ لوگ اپنے سارے دل سے خدا کی بارگاہ میں متوجہ ہوئے اور تمام قوی و افکار کے دھندوں کو چھوڑ دیا۔ اسوقت خدا تعالیٰ نے اپنے نور و علم صادق کی ایک روشنی ان کے دلوں پر ڈالدی۔ اور ان کو خالص اپنا ہی والا و شیدا بنا لیا۔ پھر کیا تھا۔ نظر و فکر کی وہ ساری کمزوریاں کافور ہو گئیں اور خالق اکبر کے ارشادات و قوانین کے سامنے انہوں نے اپنی عقلوں کے تیار کئے ہوئے قانون کو بھلا دیا۔ آہ

○ تم خود سوچو اور انصاف کرو کہ اگر ہر کس و ناکس اپنی عقل شخصی کے بنائے ہوئے قانون پر چلنے کا مجاز کر دیا جائے جیسا کہ آزاد خیالی کے مدعی آج کل چاہتے ہیں تو دنیا میں کیا کچھ خرابہ ہو اور ہزاروں لاکھوں تراشیدہ قوانین کی کشمکش میں (جو ہر گروہ اپنے پیمانۂ فکر اور اندازۂ فہم کے موافق تیار کر سکتا ہے) لوگوں کی زندگی کیا کچھ دشوار ہو جائے۔

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عقل و نقل میں مزاحمت واقع ہوا کرے اس وقت ہم کو یہ اختیار ملنا چاہیئے کہ ہم عقل کے احکام کو نقل صحیح

Marfat.com

کی تسلیم سے مقدم سمجھیں کیونکہ نقل کے ماننے کا اصل ذریعہ یہی عقل ہی ہے تو خدانخواستہ عقل کو بے اعتبار ٹھہرانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم عقل ونقل دونوں کی طرف سے بدگمان ہو گئے ہیں۔

لیکن اس شبہ کا جواب آپ کو ہماری تقریر سابق سے بوجہ احسن معلوم ہو چکا ہے کیونکہ ہم مدلل طور پہ بتلا چکے ہیں کہ عقل سلیم ونقل صحیح میں تعارض ہو ہی نہیں سکتا ہاں اگر عقل کی سلامتی یا نقل کی صحت مخدوش ہو جائے تو بیشک ایسا ہونا ممکن ہے مگر اس وقت ہمارا پہلا فرض یہ ہوگا کہ یا تو اپنی عقل کو مرض سے چھڑانے اور سلامتی پر لانے کی کوشش کریں اور یا نقل کے ثبوت کے واسطے کوئی قابل وثوق ذریعہ بہم پہنچائیں۔ ودونہ خرط القتاد۔

اس جواب کی پوری تفصیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی بیش بہا اور ضخیم کتاب[1] بیان موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول میں لکھی ہے جس کے جستہ جستہ اقتباسات بھی ہم باوجود قصد کے تطویل کے خیال سے قلم انداز کر کے آخر میں یہ گزارش کرتے ہیں کہ:

جو کچھ ہم نے اس مضمون میں یہاں تک بیان کیا ہے اس کا یہ منشا ہرگز نہیں کہ فکر واستدلال ایک محض عبث اور لغو چیز ہے یا اس سے تعرض کرنا کوئی شرعی گناہ ہے لیکن ہاں کسی فرد بشر کے واسطے ہم یہ جائز نہیں رکھتے کہ وہ اپنی عقل شخصی اور فکر ناقص کو اصل اصول ٹھہرا کر انبیاء علیہم السلام کے پاک و

[1] یہ کتاب اہل مصر نے منہاج السنۃ کے حاشیہ پر طبع کی ہے۔

صاف، صحیح وصادق اور بلند وبرتر تعلیمات کو زبردستی ان پر منطبق کرنے کی کوشش کرے جس پر اکثر اوقات اس کا ضمیر بھی خود اندر سے نفرین کر رہا ہو۔ اس کے برخلاف نہایت ضروری ہے کہ انسان خدا اور اس کے رسولوں کے ارشادات کو اصل قرار دے کر اپنی عقلی معلومات کو ان کے تابع بنا رکھے اور جو کچھ وہ فرمائیں اس کو اپنے امراض روحانی کے حق میں اکسیر شفا تصور کر کے سمعاً وطاعۃً کہتا ہوا بلا حجت وتکرار سر اور آنکھوں پر رکھے۔

والذین یحاجون فی اللہ، من بعد ما استجیب لہ حجتھم داحضۃ عند ربھم وعلیھم غضب ولھم عذابٌ شدید۔

اور جو لوگ اللہ کے بارہ میں نبی سے جھگڑا کرتے ہیں جبکہ آدمی اسکی بات قبول کر چکے تو ان کی حجت باطل ہے اور ان پر خدا تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کیلئے سخت عذاب ہے۔

تنبیہ:- جو کچھ ہم نے اس رسالہ میں اپنے نزدیک اختصار جامع اور متانت ومعقولیت کے ساتھ لکھا ہے اس کا زیادہ تر زور (جیسا کہ ناظرین محسوس فرمائیں گے) عقل کی صحت وسلامتی پر رہا ہے۔ لیکن نقل کی صحت وضعف کے قواعد وشرائط وغیرہ سے یہاں مطلقاً بحث نہیں کی گئی جس کے واسطے اول تو علم اصول حدیث کی کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا اور اگر وقت نے مساعدت اور قادر مطلق نے امداد فرمائی تو ہم ایک مستقل رسالہ اس موضوع کے متعلق بھی لکھ کر اہل ملک کے روبرو پیش کریں گے جس میں مولانا عبداللہ العمادی کے رسالہ علم الحدیث پر بھی مبسوط تبصرہ کیا جاوے گا۔

وما ذالك على الله بعزيز وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

الراقم
شبیر احمد عثمانی۔ عفا اللہ عنہ
دار العلوم دیوبند
۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

تمت بالخیر

یہ کتاب اور علمائے دیوبند کی دیگر تصانیف کے لئے

۱:- ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور
۲:- دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی ۱
۳:- ادارۃ المعارف ڈالخانہ دار العلوم کراچی ۱۴
۴:- مکتبہ دار العلوم ڈالخانہ دار العلوم کراچی ۱۴

Marfat.com

رسائل ثلاثہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے تین اہم رسائل کا مجموعہ

① ـــــ ھدیۃ سنیۃ

② ـــــ تحقیق الخطبۃ

③ ـــــ سجود الشمس

ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

Marfat.com

Marfat.com

فہرس

اس مجموعہ میں درج ذیل رسائل شامل ہیں

۱:- ہدیۂ سنیّہ

یعنی کیا مذاہب اربعہ مسائل میں اختلاف اور تضاد کے باوجود سب کے سب برحق ہیں؟ اور کیا مسائل اختلافیہ میں حق ایک ہے یا متعدّد ہے؟ جنت و دوزخ کو تمثیلی قرار دینا اور حقیقت قرار نہ دینا کیا صحیح ہے؟ اور جو شخص ایسا عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے، دو اہم سوالات کے مفصل جوابات۔ — از ص ۷ تا ص ۶۱

۲:- تحقیق الخطبہ

کیا جمعہ کا خطبہ اردو زبان میں پڑھنا جائز ہے؟ جمعہ اور خطبۂ جمعہ سے متعلق چند سوالات و اشکالات کے جواب — از ص ۶۳ تا ص ۸۵

۳:- سجود الشمس

کیا سورج سجدہ کرتا ہے؟ اور حدیث صحیح میں سورج کے جس سجدہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ — از ص ۸۷ تا ص ۱۱۲

Marfat.com

عرض ناشر

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تحریر فرمودہ تین کتابیں اعجاز القرآن، العقل والنقل اور اسلام کے بنیادی عقائد مع اسلام اور معجزات اس سے قبل ادارہ اسلامیات کی جانب سے طبع ہو چکی ہیں۔ جن کو دینی اور علمی حلقوں نے بہت سراہا ہے۔ اب ادارہ کی جانب سے حضرت علامہ کے مزید تین اہم رسالے زیر نظر مجموعہ میں یکجا صورت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہ رسالے اگرچہ صفحات کے اعتبار سے بہت مختصر ہیں۔ لیکن علمی مواد کے اعتبار سے بہت طویل اور جامع ہیں۔ ان رسالوں میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے بعض اہم اور نازک مسائل پر قلم اٹھایا ہے اور بڑی خوبصورتی اور دلآویز انداز سے ان مسائل میں علمائے حق کا صحیح موقف واضح کیا ہے۔ اُمید ہے کہ پڑھے لکھے حضرات حضرت مولانا کے ان رسائل سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

والسلام

دعائے خیر کے طلب گار

کارکنان ادارہ

Marfat.com

فہرست مضامین مجموعہ رسائل ثلثہ

فہرست مضامین ھدیہ سنیہ

مضمون	صفحہ
تمہید	۸
سوالات	۹
حقیقت اور بطلان اور مذاہب اربعہ	۹
جنت اور دوزخ کو تمثیلی اشیاء سمجھنا	۱۰
جوابات	۱۱
پہلے سوال کا جواب	۱۲
مذاہب اربعہ میں اختلاف کی حقیقت	۱۳
اختلافی مسائل میں حق ایک ہے یا متعدد ہے	۱۷
مثال سے اس کی تشریح	۲۰
شیخ تقی الدین کی رائے	۲۳
اختلافی مسائل میں عدم تشدد	۲۴
مذاہب اربعہ حق ہیں	۲۴
علماء و فقہا کی عبارت سے استدلال	۲۶

مضمون	صفحہ
علامہ ابن قیم کی عبارت	۲۷
حافظ ابن تیمیہؒ کی تحریر	۲۷
امام محی الدین نوویؒ کی عبارت	۳۰
حافظ ابن حجرؒ	۳۰
ابن العربیؒ کا قول	۳۱
شاہ ولی اللہؒ کا مسلک	۳۵
شیخ ابن ہمامؒ اور مسئلہ مذکورہ	۳۸
امام احمد بن حنبلؒ کی تحقیق	۴۰
دوسرا سوال اور اس کا جواب	۴۴
جنت اور دوزخ کو تمثیلی قرار دینا	۴۴
مثال سے اس کی تشریح	۵۳
مولانا رومی کی ایک ایک عجیب مثال	۵۹
خاتمہ	۶۰

Marfat.com

فہرست مضامین تحقیق الخطبہ

مضمون	صفحہ
تحقیق الخطبہ	۶۳
کیا جمعہ کا خطبہ اردو میں جائز ہے	۶۴
چند سوالات	۶۴
جواب	۶۶
خطبہ کا شرعی مفہوم	۶۶
فقہاء کی عبارات	۶۷
خطبہ کی حقیقت	۶۹
ایک شبہ اور اس کا جواب	۷۴
خطبہ عربی زبان میں	۷۸
زبان کا اثر اقوام پر	۷۸
عربی سے ناواقف لوگوں کی مثال	۸۳
جمعہ کی نماز میں کسی خاص سورت کی تعیین	۸۳
نماز میں قرأت میں کمی و زیادتی	۸۴
قرآن شریف بغیر معنی سمجھے پڑھنا	۸۴
خاتمہ	۸۵

فہرست مضامین سجود الشمس

مضمون	صفحہ
سجود الشمس	۸۷
مقدمہ از مولانا سید حسن صاحب	۸۸
حدیث سجود الشمس	۸۹
حدیث ۴ پر شبہات	۹۰
شبہ اوّل اور اس کا جواب	۹۱
دوسرا شبہ	۹۱
اس کا جواب	۹۲
تیسرا شبہ اور جواب	۹۳
چوتھا شبہ اور جواب	۹۵
مضمون علامہ شبیر صاحب عثمانی	۹۸
حدیث کا ترجمہ	۹۸
فرقہ امامیہ کی بعض بے سروپا روایات	۹۹
صاحب روح المعانی کی تحقیق	۱۰۵
حدیث کا مطلب اور اس کی توجیہ	۱۰۷
ایک اشکال	۱۱۰
تنبیہ	۱۱۱

Marfat.com

بدیہ سنیہ

یعنی

مذاہب اربعہ کے درمیان اختلاف کی حقیقت
اور جنت و دوزخ کی حقیقت سے متعلق
بعض اہم سوالات کے شافی جوابات

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

Marfat.com

ھدیہ سنیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

تمہید

"دار العلوم دیوبند کے ایک ذی استعداد فہیم فیضیافتہ نے حضرت مولانا مولوی شبیر احمد صاحب مدظلہ مدرس دار العلوم دیوبند کی خدمت میں دو شبہے تحقیق کی غرض سے پیش کئے تھے۔ حضرت مولانا ممدوح نے باوجود کثرت مشاغل محققانہ جواب تحریر فرمایا۔ چونکہ اس قسم کے شبہات علمی دنیا میں اکثر پیش آتے رہتے ہیں اور حضرت مولانا ممدوح نے جس تحقیق اور جدت سے جواب تحریر فرمایا ہے وہ مفید اور حقائق علمیہ سے معمور ہونے کے باوجود حسن بیان میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں ان سوالات و جوابات دونوں کو بطور ایک نادر تحفے کے پیش کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ اہل علم اسکو بہت پسند فرماویں گے۔ ہماری دعا ہے کہ قادرِ مطلق مولانا کے علمی فیوض کے اس سلسلہ کو تا قیام قیامت قائم رکھ کر تشنگانِ علم کو سیراب فرماتا رہے۔ آمین"

سوالات

مجمع الحسنات والکمالات مخدومنا المکرم حضرت استاذی صاحب قبلہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ طالب الخیر بعافیت ہے چونکہ خاکسار خدمت عالی میں کبھی ارسال عریضہ نہ کر سکنے کی وجہ سے سخت نادم ہے اس لئے اوّلاً نہایت متندمانہ لہجہ میں اپنی سابقہ غفلت و تساہل کی معافی کی درخواست ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ "قلم عفو بر گناہم کش" اور بعد ازیں حسب ذیل مسائل کی جانب آنجناب کی توجہ منعطف کرنا چاہتا ہے امید کہ بلحاظ شفقت استادانہ میرے خلجان و انتشار کو زائل کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

حقیقت اور بطلان اور مذاہب اربعہ

(۱) حقیقت اور بطلان واقعی اعتبار معتبر پر مبنی نہیں ہے۔ اور امور واقعیہ کے وجودات اور اعدام لحاظ لاحظا کے تابع نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیثیات اعتباریہ مبطل یا مغیر حقائق نفس الامری نہیں ہو سکتے۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے جب مذاہب ائمہ اربعہ کی حقیقت پر غور کرتا ہوں۔ جن کو ہر خاص و عام میں شہرت کا فخر حاصل ہے۔ تو عقل نارسا ادراک حقیقت سے قاصر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان مذاہب میں باہم بعض ایسے مسائل نظر آتے ہیں

Marfat.com

جن میں کم از کم نسبت تضاد کی پائی جاتی ہے۔ اور یہ مسلم الثبوت امر ہے کہ "الضدان لا یجتمعان" پس ان مذاہب کو حق تسلیم کرنے پر عالم واقع میں اجتماع اضداد حالت واحدہ میں لازم آتا ہے۔ جس کا بطلان البدہ البدیہات سے ہے اور یہ بھی ظاہر ہے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ حقائق واقعیہ پر حیثیات زائدہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا پس ان کے حق ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

جنت اور دوزخ کو تمثیلی اشیاء سمجھنا

(۲) ایک وہ شخص ہے جو دوزخ و جنت پر تو ایمان رکھتا ہے۔ مگر جو امور قرآن شریف و کتب احادیث میں جنت کے متعلق مذکور ہیں اُن کو صرف تمثیلات پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چونکہ دنیاوی نقطۂ نظر سے وہ انتہائی انعامات تھے اس لئے ان کو بیان کر کے اس امر کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ کہ اہل جنت کے لئے جنت میں تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ ورنہ جنت کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "لا عینٌ رأت و لا اذنٌ سمعت ولا خطر علی قلب بشر" الغرض اس سے ثابت ہو گیا کہ "رویت" سماعت، خطور بالبال" خلاصہ یہ کہ کسی ذریعہ سے جنت کی حقیقت کسی پر منکشف نہ ہو سکی۔

بعینہٖ یہی خیال اس شخص کا جہنم کے متعلق بھی ہے۔ پس یہ خیالات کہاں تک صحیح ہیں اور شرعاً اس شخص کا کیا حکم ہے۔

جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون آنکہ۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا، حق تعالیٰ شانہ، مجھ کو اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے جن مسائل کی بابت آپ نے دریافت فرمایا ہے مجھ کو حیرت ہے کہ باوجودیکہ وہاں ماشاء اللہ بہت سے اہل علم اور اہل علم کے فیض یافتہ موجود ہیں جو بفضلہ تعالیٰ مشکل سے مشکل مسائل کو مجھ سے زیادہ زور اور قوت کے ساتھ حل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ آپ ان سے مشافہۃً بہت جلد اور بسہولت اس قدر اطمینان حاصل کر سکتے تھے۔ جو شاید میرے متعدد خطوط سے بھی حاصل نہ ہو سکے۔ پھر آپ نے مجھ کو خط لکھنے کی زحمت کیوں اٹھائی، حالانکہ آپ دیوبند میں رہ چکے ہیں۔ میری حالت سے بھی بہرحال واقف ہیں کہ میری ہیچمدانی اور لاابالی پن حد سے زیادہ گذرا ہوا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی یہ خیال ہوا کہ آپ کا خط یہاں کسی عالم جید کا حوالہ کر دوں تاکہ وہ آپ کی تسکین کر دے۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ یہاں سے جانیکے بعد یہ آپکی پہلی عنایت ہے دل گوارا نہیں کرتا کہ کچھ بھی جواب نہ لکھا جائے۔ لہذا جس طرح ان مسائل کو میں اب تک سمجھے ہوئے ہوں مختصراً قلمبند کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ اگر شفا ہو جائے تو حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیجئے اور بصورت دیگر مناسب ہوگا کہ دوسرے علمائے متبحرین سے رجوع کیا جائے۔

Marfat.com

پہلا مسئلہ۔ یعنی مذاہب اربعہ کی حقیقت کے متعلق جو کچھ بندہ نے اہل السنۃ والجماعت کی کتابوں کا مطالعہ کرکے اب تک منقح کیا ہے۔ اُس کو پیش کروں گا فان یک صوابا فمن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وان یک خطا فمنی ومن الشیطان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم لا الٰہ غیرہ ولا خیر الا خیرہٗ

پہلے سوال کا جواب

سب سے پہلے یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سوال اوّل میں غور و تنقیح کے بعد دو جزو نکلتے ہیں۔

(۱) کسی چیز کا حق یا باطل ہونا اعتبار معتبر و لحاظ لاحظہ پر مبنی نہیں ہو سکتا اور حیثیات زائدہ اعتباریہ حقائق واقعیہ کے لئے مبطل یا مغیر نہیں ہو سکتی۔

(۲) مذاہب ائمہ اربعہ واقع میں سب حق ہیں حالانکہ ان مذاہب میں بہت سے ایسے مسائل ہیں جو باہم متضاد ہیں مثلاً سب سے بڑا تضاد یہ ہے کہ ایک چیز کو ایک امام واجب یا فرض قرار دیتے ہیں اور دوسرے اس کو مکروہ تحریمی یا حرام وعلی ہذا القیاس تو اضداد کا اجتماع ایک ہی چیز کے اندر اور ایک ہی وقت میں کیسے حق ہو سکتا ہے اور اگر ان میں باہم حیثیات کا فرق نکالا جائے تو وہ بحکم مقدمہ اولیٰ صحیح نہیں۔

آپ کے یہ دونوں دعوے تشریح طلب ہیں الفاظ ایسے مجمل اور ذوالوجوہ اختیار کئے گئے ہیں کہ جن سے کئی معنے کا احتمال ہوتا ہے پس جب تک ہر ایک لفظ کی کما حقہٗ تشریح اور محتملات عبارت میں سے بعض کی

تعیین نہ ہو جائے کچھ رکے زنی کرنا بے سود ہے۔

مذاہب اربعہ میں اختلاف کی حقیقت

دعوی اوّل میں اگر یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ کسی چیز کے ساتھ مختلف اعتبارات اور حیثیات لگ جانے سے اُس چیز کی حقیقت یعنی ماہیت نفس الامر بدل نہیں سکتی۔ مثلاً زید زمین پر چل رہا ہو یا ہوا میں اڑ رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو یا بھوکا مر رہا ہو تحصیل علم میں مشغول ہو یا لہو و لعب میں اپنی عمر تباہ کرتا ہو ہر حالت میں اور ہر ایک حیثیت کے لگ جانے کے وقت اُس کی حقیقت وہی حیوانِ ناطق رہتی ہے اور زید کو کسی طرح لحاظ کرو اس کی حقیقت میں ذرا فرق نہیں آسکتا تو بلاشبہ مشائین کے مذاق کے موافق یہ دعوی صحیح ہے اور ہم کو اس سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں مگر مذاہب اربعہ کی حقیقت کے مسئلہ سے یہ دعویٰ محض بے تعلق ہے کیونکہ ائمہ اربعہ مثلاً جس چیز کے وجوب و حرمت میں مختلف ہیں تو ہر مجتہد کی تصویب کرنے والے بھی یہ نہیں کہتے کہ اُس چیز پر مختلف اور متضاد احکام جاری ہونے سے (جو ان کے زعم میں بسبب اختلاف نسب و اعتبارات کے جاری ہوئے ہیں) خود اس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے مثلاً قے یا رُعاف کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناقض وضو کہتے ہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ناقض نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں قے اور رعاف کی حقیقت اسی طرح محفوظ رہتی ہے جس طرح کہ زید کی حقیقت حالتِ تحصیل علم اور لہو و لعب میں یا مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ اس فاتحہ کی

حقیقت کچھ اور ہے جس کو امام صاحب مقتدی کے حق میں مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اور جس کو امام شافعی ہر ایک مصلّی کے حق میں فرض فرماتے ہیں اس کی کوئی دوسری حقیقت ہے پس اگر مختلف اعتبارات و حیثیات کے طاری ہونے سے آپ کا یہ خیال ہے کہ اس شئے کی حقیقت واقعیہ نہیں بدلتی تو میں اور بہت عقلا آپ کے ہم آہنگ ہیں اور اسکا انکار آپ نے کسی سے نہ سنا ہوگا لیکن اگر یہ مقصد آپ کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ کسی شئے کے ساتھ حیثیات زائدہ اور اعتبارات کے لگ جانے سے اس پر نفس الامر میں مختلف احکام جاری نہیں ہو سکتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ آپ نے یہی نہیں کہ محض ایک بے سند دعویٰ کیا ہے بلکہ ایسا دعویٰ کرکے ان سینکڑوں دلائل اور شواہد کو جھٹلا دیا جو اس دعوے کی ببانگ دہل تکذیب کرتے ہیں۔ مثلاً زید کو دیکھیے کہ وہ ایک شخص ہے اور اس کی ایک غیر متبدل حقیقت ہے لیکن وہ اتفاق سے عمرو کا بیٹا اور خالد کا باپ اور ہندہ کی اولاد اور زینب کا شوہر ہے تو کیا ان سب نسبتوں اور اعتبارات اور حیثیات کے لگنے کے بعد جو کہ اس کے نفسِ حقیقت سے یقیناً خارج ہیں ایک ہی وقت اور ایک ہی آن میں اس پر ان مختلف اعتبارات و نسب میں سے ہر ایک کے مناسب احکام و حقوق جن میں بعض متضاد بھی ہیں باتفاق عقلائے دنیا عاید نہیں ہوتے کیا جس طرح اس کو ہم اس کے بیٹے خالد کے اعتبار سے مطاع اور واجب التعظیم کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کے باپ عمرو کے اعتبار سے بھی سمجھیں یا جس طور پر کہ اس کو اپنی زوجہ زینب پر تصرف کرنے کی اجازت دی جاتی

Marfat.com

ہے اس طور سے ہندہ کے مقابلہ میں بھی (جو اس کی ماں ہے) مطلق العنان چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ حاشا ثم حاشا حالانکہ ہر ایک حالت میں اس کی حقیقت اور ماہیت جوں کی توں باقی رہی البتہ ابوۃ نبوۃ اور زوجیت وغیرہ نسبتیں لگ جانے سے اُس کے حق میں مختلف احکام تجویز ہو گئے اس کی مثالیں ایک دو نہیں، دس بیس نہیں، پچاس سو نہیں، لاتعد ولاتحصی ہیں ضلع کا مجسٹریٹ باشندگان ضلع پر حاکم مگر گورنمنٹ آف انڈیا یا وایسرائے یا لیفٹننٹ گورنر کا محکوم ہے تو کیا جو احکام و معاملات اس کے لئے باعتبار رعایا کے تسلیم کئے جائیں گے وہی باعتبار حکام بالادست کے بھی ماننے پڑیں گے۔ ایک ہی مرغن غذا ایک تندرست آدمی کھا کر زیادہ قوی اور توانا ہوتا ہے۔ لیکن ایک ضعیف المعدہ مریض کو اُس کا استعمال ہلاکت سے قریب تر کر دیتا ہے ایک ہی نسخہ ایک طبیب کا تجویز کیا ہوا ایک ہی وقت میں ایک مریض کے حق میں اکسیر شفا ثابت ہوتا ہے مگر دوسرے مریض کے لئے جس کا مرض اس طرح کا نہ ہو سم قاتل سے کم نہیں رہتا ان سب صورت میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں ایک ہی شیشی میں عطار کی دوکان یا سرکاری ہسپتال میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کو ہم کسی طرح مفید بھی مضر بھی مبیح بھی اور مہلک بھی واجب الاستعمال بھی اور ممنوع الاستعمال بھی کہہ سکتے ہیں اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہوگا کہ یہ سب احکام و اوصاف واقعیہ اس دوا کے لئے مختلف استعمال کرنے والوں کی نسبت سے ثابت ہوئے ہیں جس کی واقعیت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ تو میں پوچھتا ہوں کہ اب آپکا وہ قاعدہ کہاں درست رہا، کہ

Marfat.com

مختلف حیثیات زائدہ کے لگنے سے کسی چیز کے واقعی احکام نہیں بدل سکتے کیونکہ یہاں ماہیت اور حقیقت تو اس دوا کی غیر متغیر ہے جو کچھ بھی اختلاف آیا ہے بہر حال باہر سے آیا ہے۔ بیش بریں نیست کہ آپ یہ کہیں گے، کہ مذاہب اربعہ پر اس مثال کے انطباق کی فرقہ مصوبہ (جو کل مجتہد مصیب کا قائل ہے) کے نزدیک کیا صورت ہو گی۔ اس کے متعلق بالاجمال یوں کہا جا سکتا ہے کہ شارع کی طرف سے کسی مجتہد کو اجتہاد کی اور غیر مجتہد کو تقلید کی اجازت ہونے اور اپنے اجتہاد یا امام کے مسلک کو واجب الاتباع ٹھہرانے کے یہ معنی ہیں کہ اُن کے مذاق کے موافق حق تعالیٰ شانہ کے علم ازلی میں جس فعل کا کرنا تمام بندوں کے حق میں مفید تھا اس نے تمام مجتہدین امت محمدیہ کو اُن کے جواز یا وجوب پر اتفاق کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور جس کا چھوڑنا اصلح تھا۔ اس کے واسطے ایسے راستے نکالے اور سامان مہیا فرمائے کہ تمام مجتہدین کا اجماع اس کی حرمت یا کراہت پر ہو گیا اور جس فعل کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے علم ازلی میں بعض بندوں کے حق میں نافع اور بعض کے حق میں مضر سمجھا اس میں ائمہ ہدیٰ کی رائیں مختلف کر دیں۔ اور ہر عام مومنین کے قلوب میں خالص اپنی رحمت سے جو مومنین پر مبذول ہوتی ہے، ایسے مختلف ودائعی اسباب پیدا فرما دیئے جو ان میں سے ہر ایک کو خواہی نخواہی ایک ایسے امام کی تقلید کی طرف لیجائیں کہ جس کا مسلک اس خاص شخص کے حق میں اصلح تھا۔ اب یہ شخص عملاً ان دواؤں کا استعمال کرے یا نہ کرے جو اس کے طبیب نے اس کو بتلائی ہیں لیکن حق تعالیٰ نے اپنی حجت اس پر قائم کر دی لیھلک

من هلك عن بينة ويحيى من حي عن بينة۔

یاد رکھیئے میرا اسوقت یہ دعویٰ نہیں کہ فرقہ مصوبہ کی یہ تقریر صحیح ہے یا غلط ہے محض اس قدر گذارش ہے کہ جس طرح ایک ہی دوا مختلف مریضوں اور مختلف مواسم اور مختلف احوال مریض کے اعتبار سے نافع بھی اور مضر بھی، مہلک بھی اور زندگی بخش بھی ہو سکتی ہے اسی طرح فرقہ مصوبہ کے خیال میں ایک چیز اور ایک ہی کام بعض کے واسطے جائز اور بعض کے حق میں حرام بلکہ ایک ہی شخص کے لئے مختلف زمانوں کے اعتبار سے نفس الامر میں ایسا ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر مقلد کو ہر وقت میں جو مسلک اس کے مناسب ہوتا ہے اسی کی طرف مائل ہونے کی اپنے فضل اور رحمت سے توفیق عطا فرماتا ہے۔ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں اس فرقہ کے ایک طائفہ کی رائے کا جو مختصر تذکرہ کیا ہے اس تفصیل یہ ہے کہ جو بندہ نے گذارش کی۔ من شاء فليطالع مع التدبر البالغ۔

الغرض مصوبہ کے زعم کو تسلیم کر کے اجتماع اضداد فی الامر کا خیال محض غلط ہے اور ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص یہ سنکر کہ کشتہ فولاد نہایت مقوی ہے اور یہ کہ نہایت مہلک بھی ہے اجتماع ضدین کا خیال باندھنے لگے۔

اختلافی مسائل میں حق ایک ہے یا متعدد؟

اب میں آپ کے سوال اوّل کے دوسرے جزو کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جو کہ اصل مقصود ہے یعنی یہ کہ مسائل مختلف فیہا میں حق عند اللہ متعدد ہوتا

Marfat.com

ہے یا واحد اور ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا کوئی ایک غیر معین مصیب ہے اور باقی مخطی ہیں۔

تفصیل اس کی جیسا کہ علمائے محققین نے بیان کی ہے یہ ہے کہ عقلیات یعنی جن مسائل کا ماننا سماع کا موقوف نہیں مثلاً عالم کا حدوث اور صانع عالم کا وجود اور اس کی تمامی صفات کمالیہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت ان میں اختلاف کے وقت بالاجماع مصیب کوئی ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کا اجتہاد واقع کے مطابق ہو اور اس نے کوشش کر کے حق کو پا لیا ہو۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ نفس الامر میں مثلاً عالم حادث بھی رہے اور قدیم بھی۔ یا خدائے تعالیٰ موجود بھی ہو اور معدوم بھی۔ تو لامحالہ فریقین میں سے صرف ایک ہی فریق حق پر ہو سکتا ہے۔ اور جو خطا پر ہے جب کہ اس کی خطا سے ملت اسلام کی یا اس کے بعض اجزاء ضروریہ کی نفی ہوتی ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ اور اگر خطا مسائل دینیہ میں سے کسی ایسے مسئلہ اعتقادیہ میں ہے کہ جس کے انکار سے ملت اسلام کے اصول اولیہ کی نفی نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے یا اس کا معتقد ہو کہ شرور اور قبائح حق تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر پیدا ہوتے ہیں تو ایسا شخص اپنی خطا سے اگرچہ مذہب مختار کے موافق صریح کافر نہ کہا جاوے لیکن مبتدع اور آثم ضرور ہے۔ یہ تو مسائل کلامیہ کا حال تھا رہے مسائل فقہیہ۔ تو ان میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کے زور سے بدیہات فقہ کا انکار کرنے لگے۔ مثلاً نماز روزہ حج یا زکوٰۃ کی فرضیت۔ یا زنا سرقہ اور شراب کی حرمت کا تو نہ فقط یہ کہ وہ بالاتفاق مخطی ہے بلکہ صریح کافر اور آثم ہے ہاں

Marfat.com

اگر وہ مسائل باوجود قطعی ہونے کے بدیہیات شرع میں سے نہیں ہیں جیسا کہ مثلاً اجماع اور خبر واحد اور قیاس شرعی کا حجت ہونا تو اس قسم کی باتوں کا نہ ماننے والا اگرچہ بلاشبہ مخطی اور مبتدع اور گنہگار ہوتا ہے مگر کفر کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جاسکتی۔

باقی ایسے مسائل فرعیہ جن میں اجتہاد کا مساغ ہو اور کوئی نص قاطع یا اجماع اس میں موجود نہ ہو تو فقط اس قسم میں نزاع ہے۔ معتزلہ اور بعض شاعرہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ ایسے مسائل میں اختلاف مجتہدین کیوقت تعدد حق کے قائل ہیں جن میں سے ایک جماعت کے خیالات کا خلاصہ جزو اول میں پیش کیا جاچکا ہے اور تفصیل ان کی اقوال و دلائل کی کتب اصول و کلام میں مذکور ہیں۔ حتی کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تعدد حق کا بیان کرتے ہوئے مسائل فرعیہ میں مجتہد فیہا کی قید بھی باقی نہیں چھوڑی جو خود قائلین تعدد حق کے نزدیک بھی ضروری تھی۔ بہرحال عامۂ معتزلہ اور چند اہل السنۃ والجماعۃ کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل سنت والجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں۔ مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی عنداللہ کوئی ایک حق ہے کہ جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں۔ پس جو مجتہد اپنی سعی بلیغ سے اس حکم مطلوب پر پہنچ گیا۔ وہ قد بالبداہت کامیاب ہوگیا اور جس کی نظر سے باوجود استفراغ وسع اور

Marfat.com

امکانی جد و جہد کے حکم مطلوب مستور رہا تو گو کہہ سکتے ہیں کہ اس کو باعتبار اصل مقصود کے کامیابی نہ ہوئی لیکن اس اعتبار سے اس کی کوشش بھی رائگاں نہیں گئی کہ حق تعالیٰ کمال فضل و احسان سے بسبب مسائل اجتہادیہ کے غایت درجہ دقیق الماخذ ہونے کے اس کو معذور قرار دیکر اس کی محنت اور جد و جہد کی قدر کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک غیر معتد بہ رائے کے موافق اپنی اس خطا کی وجہ سے وہ آثم ٹھہرتا الٹا اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ لما فی الصحیحین مرفوعاً

اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجر واحد۔

حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اسکے واسطے دوہرا ثواب ہے اور اگر اس میں خطا ہوئی تو اکہرا ثواب تب بھی ہے۔

مثال سے اسکی تشریح

اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً فلسفہ کے ایک اُستاد نے اپنے تین ذہین طالب علموں کی شوق و محنت و توجہ و فطانت کا امتحان کرنا چاہا اور اعلان کر دیا کہ تم میں سے جو شخص طبیات شفاء کے فلاں مقام کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ہمارے روبرو ٹھیک ٹھاک بیان کر دے گا۔ اُس کو ہم بیس روپیہ کی ایک گھڑی انعام میں دیں گے۔ اور فرض کیجئے کہ ان کو مطالعہ کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت دے گئی۔ اب ایک طالب علم نے تو ان میں سے محض اپنی ذکاوت پر اعتماد کر کے اور شفاء کی عبارت کو ایک آدھ مرتبہ سرسری نظر سے گذار کر کتاب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اور رات بھر خوب بے فکری اور آرام کی نیند سویا مگر صبح

کو جب اس نے استاد کے سامنے کتاب کھولی تو نہ عبارت کتاب کی صحیح پڑھی اور نہ مطلب صاف بیان کیا بلکہ جو کچھ تقریر تھی وہ محض غلط تھی تو ظاہر ہے کہ ایسے طالب علم کے حق میں اس کے سوا کیا ہونا ہے کہ بجائے انعام کے مناسب سزا تجویز کی جاوے اور تفزین اور ملامت کی ہر چہار طرف سے اس پر بوچھار ہو اور شفا کی جماعت سے اُسے خارج کر دیا جاوے۔ باقی جو دو طالب علم اس کے سوا تھے ان کو استاد نے دیکھا کہ وہ باوجود اوّل درجہ کی ذہانت و فطانت کی محض اس خوف سے کہ کہیں کتاب کا مطلب سمجھنے میں کوئی سہو اور غلطی نہ ہو جائے جس سے استاد ناراض ہو جائے اور ہم عصروں کو شماتت کا موقع ملے۔ رات بھر چراغ کے سامنے آنکھیں تاپتے رہے بار بار نیند کا تقاضا ہوتا تھا۔ مگر وہ دونوں ہمت کے ذہنی شفار اور اُس کے حواشی اور تعلیقات سامنے رکھے ہوئے اس مقام کی مختلف تقریروں کا موازنہ کرتے ہوئے اور شیخ رئیس کا صحیح صحیح منشار معلوم کرنے کی فکر میں رات بھر مستغرق رہے یہ سب نظارا استاد اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں ان کی محنت اور کاوش اور انتھک کوشش کی داد دے رہا تھا لیکن افسوس سو را اتفاق سے ایک طالب علم ان میں کا صبح کو جب اُستاد کے سامنے امتحان کے لیے حاضر ہوا تو نتیجہ خلافِ اُمید نکلا اور بافسوس معلوم ہوا کہ تمام شب کی دوا دوش میں بھی جس کا مشاہدہ خود استاد کر رہا تھا، کتاب کے عمیق اور نامحض مطلب تک رسائی نہ ہو سکی۔ ہاں اس کے دوسرے حریف نے کہ وہ بھی ذہانت اور محنت میں اس سے پیچھے نہ تھا۔ اس مقام کی جو تقریر کی تو وہ ایسی کی کہ گویا خود ابنِ سینا قبر میں سے اٹھ کر اپنی مراد ظاہر کرنے

Marfat.com

کے لئے آگیا اور اس نے کتاب کے ایک ایک لفظ کی گرہ کھول دی اس وقت اُستاد کو اس پر پیار آیا اور اس نے اس کی پیشانی چوم لی اور خوشنما گھڑی بیس روپیہ کی جیب سے نکال کر اس کے حوالہ کی۔ لیکن اس دوسری ذہین طالب علم کی محنت کو بھی جسے وہ رات بھر دیکھ کر رحم کھاتا رہا تھا۔ اس نے کالعدم نہیں سمجھا۔ نہایت شفقت سے اس کی تسکین کی اور شہسواروں کے میدانِ جنگ میں گرنے کی مثالیں پیش کرکے اس کو مطمئن کیا تاکہ وہ آئندہ اپنی فہم اور کوشش کی طرف سے بے پروا اور بدگمان نہ ہو جائے بلکہ دوسرے امتحانات میں اپنے معاصر سے سبقت لے جانے کی بیش از بیش سعی کرے اس کو بھی ایک گھڑی مگر دس روپیہ کی اس کی محنت کے صلہ کے طور پر دی جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ غازی عثمان پاشا شیر پلدنا جب دشمنوں کے ہاتھ میں پڑ گئے تو خود دشمن کے یہاں اُن کی جانبازانہ بسالتوں کا کیسا کچھ احترام ہوا اور سلطان المعظم نے اُن کا شاندار استقبال ایک فاتح جنرل کی حیثیت میں کیا۔ اور دنیا کے عقلمند چلا اُٹھے کہ عثمان کی شکست ایک ایسی شکست ہے جس پہ ہزاروں فتح قربان کی جا سکتی ہیں پس ٹھیک اسی طور پہ تم مجتہدین کی حالت کو سمجھو اگر بالفرض مجتہد کسی مسئلہ کا حکم صحیح دریافت کرتے ہیں اس پہلے طالب علم کی طرح بے پروائی برتے اور قوتِ اجتہاد کو پوری پوری ہمت اور محنت کے ساتھ کام میں نہ لائے تو حسبِ تصریح علمائے محققین یہی نہیں کہ وہ محض مخطی ہوگا بلکہ گنہگار اور آثم ٹھہرے گا۔ ہاں وہ دونوں مجتہد جنہوں نے منصب اجتہاد پر فائز ہو کر مساوی کوشش اور محنت استخراج احکام میں کی مگر تقدیر سے ایک

توحق تعالیٰ کے صحیح منشار کے معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا اور دوسرا نہ ہوا تو حق تعالیٰ اپنی غایت، رافت اور رحمت سے ان دونوں کو علی قدر مراتب اجر و ثواب مرحمت فرمانے میں تنگی نہ کریں گے اگرچہ بعض کو بعض پر فضیلت ہو جیسا کہ انبیائے مرسلین اور خلفائے راشدین میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔ وذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔

شیخ تقی الدین کی رائے

شیخ تقی الدین ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ مجتہدین کے واسطے ہر ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ کے دو حکم ہیں ایک یہ کہ اس واقعہ کے متعلق خدا کا جو کچھ حکم واقع میں ہے جس کی طرف رہنمائی کرنے والے لطیف اشارات و امارات بھی اس نے اپنے کلام میں نصب فرما دیئے ہیں اس کو معلوم کریں۔ دوسرا یہ کہ ہر مجتہد بعد اپنی پوری قوت اجتہاد اور انتہائی کوشش صرف کر لینے کے جس نتیجہ پر پہنچے وہی اس کے حق میں واجب الاتباع ہے۔ پس وہ مجتہد جو ایک مسئلہ اجتہادی میں پوری ہمت صرف کر لینے کے بعد بھی حق تعالیٰ شانہٗ کے صحیح منشار اور مطلوب پر مطلع نہ ہو سکا۔ اگرچہ اس حکم اول کے فوت ہونے کے اعتبار سے جس کا معلوم کرنا ہر مجتہد کے ذمہ لازم تھا، مخطی کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرے حکم کے لحاظ سے ہر ایک مجتہد کو مصیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اس نے اپنے علم اور اجتہاد سے معلوم کر لیا ہے۔ اس کے حق میں اب وہی واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے تو جن لوگوں نے "کل مجتہد مصیب" کی آواز بلند کی اگر اُن کی غرض یہی ہے۔ جواب ہم نے بیان کی تو بلاشبہ اس میں تمام

Marfat.com

اہل سنت والجماعت ان کے ساتھ متفق ہیں۔

اختلافی مسائل میں عدم تشدد

اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابیؓ دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن وتشنیع نہیں کرتا تھا اور تضلیل یا تبدیع تو کجا ایک کی طرف سے دوسرے کی تاثیم بھی نہ ہوتی تھی بلکہ ایسے اختلافات کو توسعہ اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے خود احناف کی کتابوں میں بجز ایسی صورتوں کے جس میں فساد صلوٰۃ کا مظنہ غالب ہو اقتدار حنفی کی شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے جائز رکھی گئی ہے اور بعض بعض مسائل ہیں جہاں فقہائے ثمانیہ کو شرعاً رخصت اور تیسیر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے دوسرے آئمہ کی آراء کو معمول بہا بنایا گیا ہے۔ کیونکہ کسی خاص امام کی تقلید کے لازمی معنی اگرچہ اس امام کے مذہب کو صواب اور راجح کہنا ہے لیکن پھر بھی احتمال خطا کا اعتراف اور دوسرے امام کے اجتہاد کے متعلق احتمال ثواب کی تصریح موجود ہے، اگر خاص خاص شرعی مصالح جن کا ادراک فقہا کر سکتے ہیں۔ اس طرف داعی ہوں کہ بعض مسائل میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فتویٰ دیا جائے تو آخر پھر اس احتمال خطا وثواب سے فائدہ اٹھانے کا اور کون سا موقعہ ہے؟

مذاہب اربعہ حق ہیں

اس لئے یہ خوب محفوظ رکھنا چاہیئے کہ باوجود یکہ حق عنداللہ کے اعتبار

Marfat.com

سے ہر ایک مسئلہ میں کوئی ایک ہی مجتہد و مصیب ہوتا ہے لیکن عملاً سب حق پر ہیں یعنی حق تعالیٰ شانہ نے یہ وسعت دی ہے کہ یہ مجتہد اپنے اجتہاد کے اوپر عمل کرے اگرچہ اس کا اجتہاد باوجود پوری کوشش کے ٹھیک نشانہ پر نہ بیٹھا ہو۔ تمثیلاً یوں سمجھو کہ کعبہ نفس الامر میں ایک معین مکان کا نام ہے اور اسی کا استقبال شریعت نے نماز میں ضروری قرار دیا ہے فول وجھك شطر المسجد الحرام لیکن جس وقت سمت کعبہ ٹھیک معلوم نہ ہو تو بعد تحری کے جو سمت معین ہو اسی کا استقبال قبول صلوٰۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہماری تحری جس طرف ہو ضروری نہیں کہ نفس الامر میں خانہ کعبہ بھی اسی طرف منتقل ہو جائے پس یہ خدا کی رحمت اور انعام ہے کہ اگرچہ واقع میں مستقبل قبلہ وہی شخص ہے جس کا رُخ ٹھیک کعبہ کی طرف ہو مگر تاہم دوسری طرف منہ کرنے والوں کو بھی توسعاً اور حکماً مستقبل کعبہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو باعتبار کعبہ نفس الامری اور حکم اولی کے تو فقط ایک ہی شخص مصیب ہے اور سب مخطی لیکن باعتبار قبول صلوٰۃ اور امتثال امر ثانی کے سب مصیب ہیں۔ یہی مطلب ہے، حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم کا اگر وہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے اور نیز حضرت الشیخ الاجل محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عبارت کا جو سبیل الرشاد صفحہ ۳۲ میں ہے۔

"پس ہر چند کہ عند اللہ محل اختلاف میں حق واحد ہوتا ہے مگر عمل میں سب حق ہوتے ہیں" اور یہی محمل ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس اشارہ "کل مجتہد مصیب والحق عند اللہ واحد" اور امام ابو یوسفؒ کے اس کلام کا "کل مجتہد مصیب

Marfat.com

وان کان الحق فی واحدٍ فمن اصابہ فقد اصاب الحق ومن اخطاہ فقد اخطاہ"
التقریر والتحبیر صفحہ ۳۰۸ ج ۳ مصری ؛

حضرت امام صاحبؒ و امام ابو یوسفؒ کی ان نصوص کو ہمیشہ یاد رکھیئے جن سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب اور دیگر ائمہ اہل سنّت سے جو بعض شاذ اقوال ہر مجتہد کے تصویب کی نسبت ان کے مشہور و معروف مذہب المجتہد یخطی و یصیب کے خلاف منقول ہیں۔ وہ فی الحقیقت ان کے اصل مذہب کے خلاف نہیں ہیں تعجب ہے کہ امام عبدالوہاب شعرانی نے بھی میزان کبریٰ میں بیشتر اسی قسم کے اقوال کی سطح سے مدد لی ہے۔

عُلَمَاء و فقہا کی عبارات سے استدلال

اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ چند نقول مستند کتابوں کی آپ کے سامنے پیش کر دوں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اصل مذہب جمہور اہل سنت و الجماعت اور ائمہ اربعہ کا یہی ہے کہ اجتہادیات میں حق عند اللہ واحد ہے اور اسی بناء پر ہر مجتہد مصیب بھی ہو سکتا ہے اور مخطی بھی چنانچہ تحریر الاصول اور اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :۔

والمختار ان حکم الواقعۃ المجتہد فیہا حکم معین اوجب طلبہ فمن اصابہ فہو المصیب ومن لا یصیبہ فہو المخطی ونقل ہذا عن الائمۃ	مذہب مختار یہ ہے کہ ہر واقعہ مجتہد فیہا میں ایک حکم معین ہوتا ہے جس کی تلاش خدا کی طرف سے لازم کیگئی ہے پس مجتہد نے اس حکم کو پا لیا وہ مصیب ہے، اور جو نہ پا سکا وہ مخطی ہے۔ چنانچہ یہی خیال چاروں اماموں

Marfat.com

الاربعة ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد وذكر السبكی ان هذا هو الصحیح عندهم بل نقل الكرخی عن اصحابنا جمیعا ولحد ذكر القرافی عن مالك غیره وذكر السبكی انه الذی حرره اصحاب الشافعی عنه وقال ابن السمعانی ومن قال عنه غیره فقد اخطأ (صفحہ ۳۰۶ جلد ۳)

(ابوحنیفہ۔ مالک۔ شافعی۔ احمد رضی اللہ عنہم) کا ہے اور سبکی نے لکھا ہے کہ یہی رائے ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بلکہ کرخی نے تو ہمارے تمام اصحاب (حنفیہ) سے یہی خیال نقل کیا ہے اور قرافی نے اس کے سوا امام مالک سے کوئی قول نقل نہیں کیا اور سبکی نے ذکر کیا ہے کہ یہی وہ قول ہے جسکو امام شافعی کے اصحاب نے امام شافعیؒ سے منقح کرکے لکھا ہے اور ابن السمعانیؒ نے فرمایا کہ جس کسی نے امام شافعی سے اس کے سوا دوسرا قول نقل کیا اس نے خطا کی۔

شیخ شمس الدین ابن القیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:۔

وقد صرح الائمة الاربعة بان الحق فی واحد من الاقوال المختلفة وليست كلها صوابا ۱۲ (صفحہ ۳۱۰ جلد ۳)

اور ائمہ اربعہ نے تصریح کی ہے کہ اقوال مختلفہ میں سے ایک ہی قول حق ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ سب کے سب قول درست ہوں۔

حافظ ابن تیمیہ فتاوی میں لکھتے ہیں:۔

(المقام الاول) هل لله فی كل حادثة تنزل حكم فی نفس الامر بمنزلة ما لله قبلة معينة هی الكعبة وهی مطلوب المجتهدين عند الاشتباه فالذی علیه السلف وجمهور الفقهاء اكثر المتكلمين او كثير منهم ان لله

پہلی بحث یہ ہے کہ کیا ہر ایک حادثہ میں جو پیش آئے خدا کی طرف سے کوئی ایک حکم معین ایسا ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو ایک معین قبلہ بنا دیا ہے جس کو اشتباہ کے وقت مجتہدین معلوم کرنا چاہتے ہیں تو سلف صالحین اور جمہور فقہاء اور اکثر متکلمین یا یوں کہو کہ بہت سے متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حادثہ

Marfat.com

فی کل حادثۃ حکما معینا قد سمیناہ عفوا لکن اکثر اصحاب ابی حنیفۃ و بعض المعتزلۃ یسمون ھذا الاشبہ ولا یسمونہ حکما وھم یقولون ما حکم اللہ بہ لکن لو حکم لما حکم الا بہ فھو عندھم فی نفس الامر حکم بالقوۃ وحدث بعد المائۃ الثالثۃ فرقۃ من اھل الکلام زعموا ان لیس عند اللہ حق معین ھو مطلوب المستدلین الا فیما فیہ دلیل قطعی یتمکن المجتہد فی معرفتہ واما ما فیہ دلیل قطعی لا یتمکن من معرفتہ او لیس فیہ الا ادلۃ ظنیۃ فحکم اللہ علی کل مجتہد ما ظنہ وترتب الحکم علی الظن لترتب اللذۃ علی الشھوۃ فکما ان کل عبد یلتذ بدرک ما یشتھیہ وتختلف اللذات باختلاف الشھوات کذلک کل مجتہد حکمہ ما ظنہ وتختلف الاحکام ظاھرا و باطنا باختلاف

ہیں خدا کا حکم معین ہے جس کا نام ہم نے عفو رکھا ہے اور اکثر حنفیہ اور بعض معتزلہ اس کو اشبہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس کو وہ حکم نہیں کہتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ گو خدا تعالیٰ نے اُس حادثہ میں صاف حکم نہیں فرمایا لیکن اگر وہ حکم دیتے تو اس کے سوا حکم نہ دیتے تو ان لوگوں کے نزدیک نفس الامر میں حکم معین ہے مگر بالقوۃ پھر تیسری صدی کے بعد ایک جماعت متکلمین کی ایسی پیدا ہوئی جس کا یہ خیال ہے کہ بجز ان مسائل کے جن کے واسطے کوئی ایسی دلیل قطعی پہلے سے موجود ہو جس کی معرفت پر مجتہد پوری طرح قادر ہے باقی تمام مسائل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حکم معین نہیں۔ تو جن مسائل میں کوئی دلیل قطعی پہلے سے موجود تھے مگر مجتہد اس کی معرفت پر قادر نہ تھا یا سرے سے بجز ادلۃ ظنیہ کے کوئی دلیل قطعی موجود ہی نہیں تھی تو ایسی صورت میں مجتہد نے جو رائے اپنے اجتہاد سے قائم کی بس خدا کے نزدیک بھی مسئلہ کا حکم وہی ہے اور اس تقدیر پر مجتہد کی رائے پر حکم کا ترتب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ لذۃ کا ترتب شہوۃ پر ہوتا ہے تو جیسا کہ ہر آدمی

Marfat.com

الظنون وزعموا ان لیس علی الظنون ادلۃ کادلۃ العلوم وانما تختلف اختلاف احوال الناس وعاداتہم وطباعہم وھذا قول خبیث یکاد فسادہ یعلم بالاضطرار غفلا و شرعا وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تنزلہم علی حکم اللہ فانک لا تدری ما حکم اللہ فیہم وقولہ لسعد لقد حکمت فیہم بحکم اللہ من فوق سبعۃ ارقعۃ وقول سلیمان اللھم انی اسئلک حکما یوافق حکمک کل ھذا یدل علی فساد ھذا القول مع کثرۃ الادلۃ السمعیۃ والعقلیۃ علی فسادہ (ص ۱۷۷ ج ۳)

کی جو خواہش ہو اُسی کے حاصل ہونے سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کی خواہشات کے اختلاف سے لذات بھی مختلف ہوتی ہیں اسی طرح ان لوگوں کے نزدیک کسی مجتہد نے جو خیال کسی مسئلہ میں قائم کر لیا خدا کا حکم بھی اس کے لئے وہی ہے۔ اور مجتہدین کے خیالات کے اختلاف سے احکام خداوندی بھی ظاہراً و باطناً مختلف ہوں گے اور ان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ مسائل ظنیہ میں دلائل کا حال وہ نہیں جو مسائل یقینیہ میں ہوتا ہے اور ظنیات لوگوں کے حالات و عادات اور طبائع کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں (حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں) کہ اس جماعت کا خیال ایک گندہ خیال ہے جس کا فساد اور بطلان از روئے عقل بھی اور از راہِ شریعت بھی قریب قریب بے ساختہ طور پر معلوم ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اُن کو اللہ کے حکم پر مت اتارو کیونکہ تمکو کیا معلوم ہے کہ اللہ کا حکم ان کے بارہ میں کیا ہے اور نیز آپ کا وہ ارشاد جو حضرت سعدؓ کو فرمایا کہ بلاشبہ تو نے اُن کے بارہ میں وہ فیصلہ کیا جو حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ سوال کہ اے اللہ میں تیرے سے ایسے حکم کا خواستگار ہوں جو تیرے حکم کے موافق ہو۔ یہ سب باتیں بہت سی ادلہ عقلیہ اور سمعیہ کی معیت میں اس خیال کے بطلان کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

Marfat.com

شیخ محی الدین نووی لکھتے ہیں :-

وقد اختلف العلماء فی ان کل مجتہد مصیب ام المصیب واحد وھو من وافق الحکم الذی عند اللہ تعالیٰ والآخر مخطئ لا اثم علیہ لعذرہ والاصح عند الشافعی واصحابہ ان المصیب واحد (صفحہ ۱۶۹ ج ۴)

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا میں) ہر ایک مجتہد مصیب ہے، یا فقط ایک اور وہ وہی جس کی رائے اس حکم کے موافق پڑ جائے جو اللہ کے نزدیک پہلے سے متعین ہے۔ اس صورت میں دوسرا مخطی ہوگا۔ لیکن گناہگار نہ ہوگا کیونکہ وہ معذور تھا تو امام شافعی اور ان کے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ انما انا بشر وانہ یاتینی الخصم فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض الحدیث کے تحت میں لکھتے ہیں۔

وفیہ ان المجتہد قد یخطی فیرد بہ علی من زعم ان کل مجتہد مصیب وفیہ ان المجتہد اذا اخطاء لا یلحقہ اثم بل یوجر کما سیاتی۔

(فتح الباری صفحہ ۱۳۲ ج ۱۳)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مجتہد سے کبھی کبھی خطا بھی ہوتی ہے تو یہ حدیث صحیح ان لوگوں کے رد میں پیش کی جائے گی جو کہتے ہیں کہ ہر ایک مجتہد مصیب ہی ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجتہد اگر خطا بھی کرتا رہے تب بھی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ ماجور ہوتا ہے جیسا کہ اسکا بیان آگے آتا ہے۔

اور باب ماید کر من ذم الرائے میں تحریر فرماتے ہیں :-

والی ھذا یومی قول الشافعی فیما اخرجہ البیہقی بسند صحیح الی احمد

اور اسی کی طرف اس قول میں اشارہ موجود ہے جو بیہقی نے بسند صحیح بحوالہ امام احمد بن حنبل نقل کیا

Marfat.com

بن حنبل سمعت الشافعی یقول القیاس عند الضرورۃ ومعرذلك فلیس لعامل برائہ علی ثقۃ من اللہ وقع علی المراد من الحکم فی نفس الامر وانما علیہ بذل الواسع فی الاجتہاد لیوجر ولو اخطأ وباللہ التوفیق (فتح الباری صفحہ ۲۴۵ جلد ۱۳)

ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام شافعی کو یہ کہتے سنا کہ قیاس ضرورت کے وقت جائز ہے مگر ساتھ ہی قیاس اور اسی پر عمل کرنے والے کو یہ وثوق نہیں ہوسکتا کہ اس کی رائے ٹھیک اس حکم پر جا پہنچی ہو جس کا فی الواقع حق تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے بس اس کا کام تو اتنا ہے کہ اجتہاد میں اپنی پوری طاقت صرف کرکے ثواب حاصل کرے خواہ اس اجتہاد میں وہ مخطی کیوں نہ ہو۔

پھر باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ میں "اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ فلہ اجر" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای ظن ان الحق فی جہۃ فصادف ان الذی فی نفس الامر بخلاف ذلك فالاول لہ اجران اجر الاجتہاد واجر الاصابۃ والاخر لہ اجر الاجتہاد فقط وقد تقدمت الاشارۃ الی وجہ الخطأ فی الاجتہاد فی حدیث ام سلمۃ انکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض ۱۲۔

(فتح الباری ص ۳۶۸ جلد ۱۳)

یعنی مجتہد نے خیال کیا کہ حق اس طرف ہے اور اتفاق ایسا ہوا کہ نفس الامر میں حق اس کے جانب مخالف میں تھا تو پہلے مجتہد کے (جس پر حق واضح ہو گیا) دو اجر ہیں۔ ایک اجتہاد (کوشش) کا اور ایک اصابۃ (یعنی حق کو پا لینے کا) اور دوسرے مجتہد کو فقط اجتہاد کا ثواب ملے گا۔ باقی یہ کہ اجتہاد میں خطا بھی واقع ہوتی ہے۔ اس کی طرف ام سلمہ کی حدیث انکم تختصمون الی الخ کی تحت میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پھر ابوبکر ابن العربی کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔

تعلق بهذا الحديث من قال ان الحق
فی جهة واحدة للمصوب بخطئة
واحد لا بعينه۔ ۱۲ (فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۱۳)

اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں لا علی التعیین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے

اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول علامہ مازری کا نقل کیا ہے جس کو میں ذیل میں درج کروں گا۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو لوگ حق عند اللہ واحد مانتے ہیں اور المجتہد یخطی ویصیب کے قائل ہیں۔ وہ جیسا کہ اس مسئلہ معینہ کے اعتبار سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص مسئلہ میں حق عند اللہ ایک جانب ہے۔ اسی طرح مجموعہ مسائل اجتہادیہ کے لحاظ سے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حق عند اللہ فریقین کے اندر منحصر ہے یعنی دونوں سے باہر نہیں اگر بعض مسائل میں ایک مجتہد مصیب اور دوسرا مخطی ہے تو دوسرے بعض مسائل میں اس کا عکس ہوگا۔ اس اعتبار سے حق جانبین میں رہے گا۔ بلکہ خاص ایک معین مسئلہ کے اعتبار سے بھی اگر الحق فی الطرفین کا اطلاق کر دیں تو اس معنی سے صادق ہو سکتا ہے کہ حق ان دونوں سے خارج نہیں بلکہ انہیں دونوں میں منحصر اور دائر ہے اگرچہ تعین مخطی اور مصیب کا بشخصہ نہ کیا جا سکے۔ پس علامہ مازری کے سیاق عبارات میں تامل کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مذہب کو انہوں نے الحق فی الطرفین کے عنوان سے نقل کیا ہے وہ یہی مذہب ہے جو مجتہد کو مخطی اور مصیب دونوں تسلیم کرتا ہے کیونکہ جیسا کہ آپ عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے مقابل میں وہ دوسری جماعت قائم کر رہے ہیں جس کا مسلک کل مجتہد مصیب ہے اور اسی ترتیب

Marfat.com

سے پھر دلائل بیان کئے ہیں چنانچہ حافظ لکھتے ہیں کہ :

قال المازری تمسک بہ (ای بالحدیث اذا حکم الحاکم فاجتہد الخ) کل من الطائفتین من قال ان الحق فی الطرفین ——— ومن قال ان کل مجتہد مصیب اما الاولی فلانہ لو کان کل مصیباً لم یطلق علی احدھما الخطأ لاستحالۃ النقیضین فی حالۃ واحدۃ واما المصوبۃ فاجیبوا بانہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل لہ اجرا فلو کان لم یصب لم یوجر واجابوا عن اطلاق الخطأ فی الخبر علی من ذھل عن النص واجتھد فیما لا یسوغ الاجتھاد فیہ من القطعیات فیما خالف الاجماع فان مثل ھذا ان اتفق لہ الخطاء فیہ نسخ حکمہ و فتواہ ولو اجتھد بالاجماع وھو الذی صح علیہ اطلاق الخطأ واما من اجتھد فی قضیۃ لیس فیھا نص

علامہ مازری نے فرمایا کہ اس حدیث (اذا حکم الحاکم فاجتہد الخ) سے دونوں فریق استدلال کرتے ہیں وہ بھی جو یہ کہتا ہے کہ حق دونوں طرف دائر ہے (کسی مسئلہ میں اس طرف ہوتا ہے کسی میں اس طرف) اور وہ بھی جس کے نزدیک ہر مجتہد مصیب ہے (یعنی حق ہر ایک مسئلہ میں اس طرف بھی ہے اور اس طرف بھی) پہلا فریق کہتا ہے کہ اگر ہر مجتہد مصیب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پر خطا کا اطلاق کیوں فرماتے حالانکہ دو نقیضین (خطا اور ثواب) ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسرا فریق جو ہر ایک مجتہد کی تصویب کرتا ہے اس کا ماخذ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کیواسطے بھی ایک ثواب مقرر فرمایا ہے اور اگر وہ مصیب نہ ہوتا ثواب بھی نہ ملتا۔ باقی حدیث میں جو لفظ خطأ کا اطلاق واقع ہوا ہے۔ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ ان صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جن میں کوئی نص موجود تھی اور مجتہد کو اس سے ذہول ہوا یا اس نے کسی ایسے مسئلہ میں اجتہاد کیا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ تھی۔ مثلاً وہ قطعیات جنکے

Marfat.com

والاجماع فلا يطلق عليه الخطاء و
اطال المازری فی تقریر ذلك فی الانتصار
له وختم كلامه بان قال ان من قال ان
الحق فی الطرفين هو قول اكثر اهل
التحقيق من الفقهاء والمتكلمين و
هو مروی عن الائمة الاربعة وان حكی
عن كل منهم اختلاف فيه - اھ

(فتح الباری ص ۲۶۹ ج ۱۳)

انکار سے اجماع کی مخالفت ہوتی ہے۔ پس اگر اس قسم
کی غلطی مجتہد سے اتفاقاً ہو جائے تو اس کا حکم اور
فتویٰ بالاجماع ناقابل عمل ہے اگرچہ اس نے پوری ہمت
سے اجتہاد کیا ہو۔ اور اسی قسم کی غلطی پر خطاء کا اطلاق
کرنا صحیح ہے۔ باقی جس مجتہد نے کسی ایسے معاملہ میں
قیاس کیا جو نہ منصوص ہے اور نہ مجمع علیہ ہے اُس
پر خطاء کا اطلاق صحیح نہیں اس کے بعد مازری نے
اس مسلک کی تقریر اور حمایت میں طویل کلام کرنے کے
بعد ان الفاظ پر اپنے بیان کو ختم کیا ہے کہ فقہا اور متکلمین میں سے اکثر اہل تحقیق کا یہی قول ہے
کہ حق طرفین میں دائر ہے اور یہی مذہب ائمہ اربعہ سے منقول ہے اگرچہ اُن سے اس بارہ میں کچھ اختلاف
بھی نقل کیا گیا ہے۔

پس اس عبارت میں الحق فی الطرفین کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ نہ پیدا ہونا چاہیئے
کہ علامہ مازری سب مصنفین کے خلاف جمہور فقہاء و متکلمین اور ائمہ اربعہ سے تعدد
حق کا قول نقل کر رہے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے گذارش کیا۔ وحدۃ حق کے ماننے
والوں سے بھی اپنے مذہب کے بیان کرنے میں اس عنوان (الحق فی الطرفین) کا اختیار
کر لینا چنداں مستبعد نہیں ہے خصوصاً جبکہ سیاق و سباق سے اس کی کافی تشریح
ہو سکتی ہو۔ اور بالفرض اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کو شبہ گذرتا ہے تو یہ نقل
تمام مصنفین کی نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ الغرض ہمارے اُوپر کے بیان سے جمہور
اہل سنۃ کا مسلک آپ کو معلوم ہو گیا کہ باعتبار حکم نفس الامری اور حق عند اللہ کے

Marfat.com

مجتہد مخطی بھی ہوتا ہے اور مصیب بھی بالخصوص جبکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ مسائل منصوصہ میں حق عنداللہ واحد ہوتا ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ ان الحکم الا اللہ کے اقتضا کے موافق قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں جو کہ عندالتامل شارع ہی کی طرف منسوب ہیں وحدۃ حق کا انکار کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ عقد الجید میں جس کے ابتدائی صفحات ہمارے معروضات کے خلاف شبہات پیدا کر سکتے ہیں۔ صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں۔

واذا تحقق عندك ما بيناه علمت ان كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب الى صاحب الشرع عليه الصلوٰة والسلام اما الى لفظه او الى علة ما مأخوذة من لفظه وان كان الامر على ذلك ففى كل اجتهاد مقامان احدهما ان صاحب الشرع هل اراد بكلامه هذا المعنى او غيره وهل نصب هذه العلة مدارا فى نفس الامر حين ما تكلم بالحكم المنصوص عليه او لا فان كان التصويب بالنظر الى هذا المقام فاخذ المجتهدين لا بعينه مصيب دون الآخر۔ وثانيهما ان من جملة

اور جبکہ وہ باتیں جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں تمہارے نزدیک محقق ہو گئیں تو تم نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ ہر ایک ایسا حکم جس پر مجتہد اپنے اجتہاد کی قوت سے کلام کرتا ہے وہ منسوب شارع علیہ السلام ہی کی طرف ہوگا یا تو شارع کی صریح الفاظ کی طرف اس کی نسبت ہوگی اور یا کسی ایسی علت کی طرف جو شارع کے الفاظ سے نکالی گئی ہو۔ اور جب فیصلوں ہے (کہ مجتہد کے بتائے ہوئے کل احکام شارع علیہ السلام کیطرف منسوب ہیں۔ یعنی یہ دعوے کیا گیا ہے کہ خود شارع نے تفصیلاً یا تعلیلاً یہ احکام دیئے ہیں) تو اب یہاں دو درجہ ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آیا فی الحقیقت شارع نے اپنے کلام سے اسی معنے کا ارادہ کیا تھا جو مجتہد نے سمجھے ہیں یا اس کے سوا کوئی اور معنے مراد

Marfat.com

احکام الشرع انه صلی اللہ علیہ وسلم
عهد الی امة صریحًا او دلالةً انه
متی اختلف علیهم نصوصه او اختلف
علیهم معانی نص من نصوصه فهم
مامورون بالاجتهاد و استفراغ
الطاقة فی المعرفة ما هو الحق من
ذلك فاذا تعین عند مجتهد شیء من
ذلك وجب علیه اتباعه کما عهد
الیهم انه متی اشتبه علیهم القبلة
فی اللیلة الظلماء یجب ان
یتحروا او یصلوا الی جهة وقع
تحریهم علیها فهذا حکم الشرع
بوجود التحری کما علق وجوب
الصلوٰة بالوقت وکما علق تکلیف
الصبی ببلوغه فان کان البحث
بالنظر الی هذا المقام نظر فان
کانت المسئلة مما ینقض فیه
اجتهاد المجتهد فاجتهاده باطل
قطعا وان کان فیها حدیث

تھے اور آیا حکم منصوص کا جب شارع نے تکلم فرمایا
تو اپنے دل میں اسی ملّت کو اس نے حکم کا مدار
ٹھہرایا تھا۔ جس کو مجتہد نے قرار دیا ہے یا اور کچھ تو
اس درجہ میں کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہو سکتا ہے
(یعنی جس کا اجتہاد شارع کی مراد اور مقصود کیموافق
رہا ہو) دوسرا درجہ یہ ہے کہ منجملہ احکام شریعت کے
ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحةً یا
دلالةً اپنی اُمّت کو یہ وصیّت فرمائی ہے کہ جب ان
کو اپنے نبی کے نصوص مختلف معلوم ہوں یا ایک ہی
نص کے معانی میں اختلاف پیش آئے تو وُہ مامور
ہیں کہ حق کے دریافت کرنے میں اجتہاد سے کام لیں
اور اپنی پوری پوری طاقت اس میں صرف کریں
اس کے بعد جب ایک مجتہد کے نزدیک کوئی ایک
بات متعین ہو جائے تو اُس پر اُسی کا اتباع واجب
ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت
کو یہ وصیت فرمائی کہ جب اندھیری رات میں
(مثلاً) قبلہ مشتبہ ہو جائے تو اوّل خوب تحری
کریں پھر جس طرف تحری سے قبلہ متعین ہو اسی
کی طرف کو نماز پڑھ لیں تو یہ ایک ایسا حکم ہے

Marfat.com

صحیح وقد حکم بخلافہ فاجتہادہ باطل ظنا وان کان المجتہدان جمیعاً قد سدکا ما ینبغی لہما ان یسلکاہ ولم یخالفا حدیثاً صحیحاً ولا امرا ینقض اجتہاد القاضی والمفتی فی خلافہ فہما جمیعاً علی الحق وای بالنظر الی المقام الثانی لما صرح فیما تقدم ان المصیب واحد لا بعینہ بالنظر الی المقام الاول)

جس کو شریعت نے تحری پر معلق رکھا ہے جس طرح نماز کی فرضیت وقت کے آنے پر معلق ہے اور کسی لڑکے کا مکلف ہونا اس کے بالغ ہونے پر معلق ہے۔ پس (اگر مجتہد کے مخطی اور مصیب ہونے کی بحث) اس درجہ میں آکر ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ مسئلہ اُن مسائل میں سے تو نہیں جن میں مجتہد کا اجتہاد ٹوٹ جاتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کا اجتہاد قطعاً باطل ہوگا اور اگر اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح اور مجتہد کا حکم اس کے خلاف ہوا تو ظن غالب یہ ہے کہ اس کا اجتہاد باطل ہے اور اگر دونوں مجتہد اس مسلک پر چلے۔ جس پہ انکو چلنا چاہیئے تھا اور کسی حدیث صحیح کی اُنہوں نے مخالفت بھی نہیں کی اور نہ کسی ایسی امر کا خلاف کیا جس کے خلاف میں قاضی اور مفتی کا اجتہاد قائم نہیں رہ سکتا۔ تو اس صورت میں دونوں مجتہد حق پر ہوں گے (یعنی باعتبار درجہ ثانیہ کے کیونکہ درجہ اولیٰ کے اعتبار سے تو کسی ایک مجتہد کے مصیب ہونے کی تصریح پہلے ہو چکی ہے)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبر ان الحاکم المجتہد المخطی لہ اجر والمصیب لہ اجران

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد جب مخطی ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں۔

ولو كان كل منهما اصاب حكم الله باطناً و ظاهراً لكان سواء ولم ينقض حكم الحاكم والمفتي اذا تبيّن ان النص بخلاف وان كان لم يبلغاه من غير تقصير ولا تقصير ولما قال النبي صلّى الله عليه وسلم فانك لا تدري ما حكم الله فيهم ولما قال لسعد لقد حكمت فيهم بحكم الملك ان كان كل مجتهد يحكم بحكم الله وارتفاع اللوم بحديث المختلفين في صلوٰة العصر في بني قريظة وحديث الحاكم۔

(صفحہ ۱۷۹ جلد ۳)

اور اگر دونوں مجتہدوں میں سے ہر ایک کی رسائی ظاہراً و باطناً ٹھیک ٹھیک اللہ تعالیٰ کے حکم تک ہو جاتی تو پھر دونوں کا اجر بھی مساوی ہوتا اور حاکم اور مفتی کا قول اس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا جب کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نص صریح اُس کے مخالف ہے مگر مجتہد کو وہ نہیں پہنچے باوجودیکہ اس کی طرف سے کسی قصور اور کوتاہی کا اظہار نہیں ہوا اور اگر ہر مجتہد کا حکم اللہ کا ہی حکم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ ارشاد نہ فرماتے کہ تو نہیں جانتا کہ اللہ کا حکم ان کے بارہ میں کیا ہے اور حضرت سعد سے یوں خطاب نہ فرماتے کہ تو نے ان کے متعلق وہ فیصلہ کیا جو بادشاہ کا فیصلہ تھا (باقی جب کہ دو مجتہدوں میں سے کوئی ایک خطا پر ہوا تو مخطی پر کچھ ملامت کیوں نہیں ہو سکتی) اس کا جواب اس حدیث میں ہے جس کے اندر عصر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھنے نہ پڑھنے کی بابت صحابہ کرام کا اختلاف بیان ہوا ہے۔

اور شیخ ابن ہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

بل الدليل اطلاق الصحابة الخطأ
في الاجتهاد شائعاً مشكوراً بلا
نكير كعلي وزيد بن ثابت وغير
هما من مخطئة ابن عباس في
ترك العول وهواى ابن عباس
خطأهم في القول به وقول ابي
بكر في الكلالة اقول برائي فان
يكن صواباً فمن الله وان يكن
خطأ فمني ومن الشيطان و
عن ابن مسعود مثل قول ابي بكر
ففي سنن ابي داؤد عنه فان
يك صواباً فمن الله وان يك
خطاء فمني ومن الشيطان و
الله ورسوله بريئان وقول عمر
في المجهضة ان كنا قد اجتهدنا
فقد اخطأ عثمان وعبد الرحمٰن
بن عوف اه مع حذف وزيادة

بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطئ ہونے کی یہ ہے
کہ صحابہ صراحۃً خطأ فی الاجتہاد کا اطلاق کرتے
تھے اور باوجود یکہ یہ بات اُن میں عام تھی۔
لیکن کسی صحابی کا اس پر انکار کرنا مسموع نہیں
ہوا۔ دیکھو ترک عول کے مسئلہ میں حضرت علی اور
زید بن ثابت وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس
کو خطا پر بتلایا اور ابن عباس عول کے قائل
ہونے پر ان حضرات کا تخطیہ کرتے تھے اور
کلالہ کے مسئلہ میں حضرت صدیق اکبر نے فرمایا
کہ یہ مسئلہ میں اپنی رائے سے بیان کرتا ہوں
اگر وہ درست ہو تو اللہ کی طرف سے ہے
اور درست نہ ہو تو میری طرف سے اور شیطان
کے دخل سے ہے اور اسی طرح کا قول ابن مسعود
کا سنن ابی داؤد میں موجود ہے کہ اگر یہ مسئلہ
صحیح ہے تو حق تعالیٰ کی ہدایت سے ہے،
ورنہ اس کو میری طرف سے اور شیطان کی طرف
سے سمجھو۔ کیونکہ اللہ اور اس کا رسول ایک غلط
بات سے بری ہے، اور فاروق اعظم نے مجہضہ
کے مسئلہ میں فرمایا کہ اگر عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف نے اجتہاد کیا ہے تو ان سے اس اجتہاد

(ص ۳۰۹ ج ۳)

Marfat.com

میں غلطی ہوئی۔

آخر میں یہ بتلا دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ باوجودیکہ چاروں امام وحدت حق کے قائل ہیں اور المجتہد یخطی ویصیب کے مدلول کو صحیح جانتے ہیں لیکن تاہم کسی مجتہد کا جھٹ پٹ مخطی کا لفظ استعمال کرنے کو نازیبا اور خلاف احتیاط سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں جو تفصیل و تفتیش حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ہے اس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

قال الامام احمد من روایۃ محمد بن الحکم وقد سألہ عن الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلفت فاخذ الرجل باحد الحدیثین فقال اذا اخذ الرجل بحدیث صحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واخذ اخر بحدیث صحیح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الحق عند اللہ واحد وعلی الرجل ان یجتہد ویاخذ احد الحدیثین ولا یقول لمن خالفہ

محمد بن الحکم نے امام احمد سے استفسار کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات مختلف ہوں اور کوئی آدمی ایک حدیث کو پکڑ لے تو اس صورت میں آپ کی کیا رائے ہے امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ایک مجتہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے استدلال کرتا ہے تو اگرچہ حق عند اللہ کسی ایک جانب میں ہے۔ لیکن آدمی کا کام یہ ہے کہ پورے اجتہاد کے بعد ایک حدیث کو لے لے اور اپنے مخالف کی نسبت یہ نہ کہے کہ اس نے خطا کی اور حق یہی ہے کہ جو میں کہتا ہوں۔ اور باقی سب باطل ہے۔ کیونکہ اس کا مخالف بھی آخر کار رسول اللہ

Marfat.com

انه مخطی اذا اخذ عن رسول
الله صلی الله علیه وسلم وان
الحق فیما اخذت به انا و
هذا باطل ولکن اذا کانت
الروایة عن رسول الله ،
صلی الله علیه وسلم صحیحة
فاخذ بها رجل واخذ اخر
عن رسول الله صلی الله ،
علیه وسلم واحتج بالشئ الضعیف
کان الحق فیما اخذ به الذی
احتج بالحدیث الصحیح وقد
اخطأ الاخر فی التاویل مثل
لا یقتل مومن بکافر واحتج
بحدیث السلمانی قال فهذا
عندی مخطی والحق مع من
ذهب الی حدیث رسول الله
صلی الله علیه وسلم لا یقتل
مومن بکافر واذا روی عن
رسول الله صلی الله علیه وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے
ہے اخذ کر رہا ہے ۔ ہاں اگر ایک
حدیث صحیح ہو اور دوسری ضعیف
تو بے کھٹکے کہا جائے گا کہ حق اُس
کی طرف ہے جو حدیث صحیح سے
استدلال کرتا ہے اور حدیث ضعیف
سے استدلال کرنے والا مخطی ہے
مثلاً لا یقتل مومن بکافر حدیث
صحیح ہے ۔ تو جو اس کے مقابلہ میں
سلمان کی حدیث سے استدلال کرے
گا وہ مخطی ہوگا ۔ اور اگر ایک مجتہد
یا حاکم تو حدیث رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے استدلال کر
رہا ہے اور دوسرا کسی صحابی کا
قول پیش کرتا ہے تو اس دوسرے
نے خطا کی اور اگر کسی حاکم نے
اس دوسرے کیموافق
فیصلہ کر دیا پھر اُس کا مرافعہ کسی
دوسرے حاکم کی عدالت میں کیا گیا

حدیث واحتج رجل وحاکم عن
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کان قد اخطاء ،
التاویل وان حکم بہ حاکم
ثم رفع الی حاکم اخر رد الی
حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم واذا اختلف اصحاب
محمد صلی اللہ علیہ وسلم و
اخذ اخر عن رجل اخر من
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فالحق عند اللہ
واحد وعلی الرجل ان یجتہد
وھو لا یدری اصاب الحق ام
اخطأ وھکذا قال عمر واللہ
ما یدری عمر اخطأ ام اصاب
ولکن انما کان رایا منہ قال
واذا اختلف اصحاب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و
اخذ رجل بقول اصحاب سول

ہے۔ تو یہ دوسرا حاکم پہلے کے
فیصلے کو توڑ کر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی طرف
لوٹاوے گا اور اگر ایک شخص
ایک صحابی کے قول کی سند پکڑتا
ہے اور دوسرا دوسرے صحابی
کے قول سے۔ تو خدا کے نزدیک
حق پر کوئی ایک ہے۔ لیکن
انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے
اجتہاد کو کام میں لائے ، اور
اس وقت اس کو یہ معلوم نہیں
ہوگا کہ وہ خطا پر ہے یا صواب
پر ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے
ایسا ہی فرمایا کہ عمر نہیں جانتا کہ
وہ خطا پر ہے یا صواب پر۔ البتہ
ایک رائے اس کی تھی (جو بیان
کر دی گئی) امام احمدؒ فرماتے ہیں
کہ اگر ایک شخص تو صحابہ کے
اقوال سے استدلال کرتا ہے اور

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم واٰخذ
اٰخر بقول التابعین کان
الحق فی قول اصحاب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ومن قال بقول التابعین کان
تاویلہ خطاء والحق عند
اللہ واحد۔

دوسرا اس کے جواب میں تابعین
کے اقوال سے تو حق صحابہؓ کے
اقوال کی طرف ہوگا۔ اور اُس
وقت تابعین کے اقوال سے
احتجاج کرنا غلطی ہوگی۔ اور
بہرحال حق اللہ کے نزدیک کسی
ایک طرف ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ صفحہ ۱۷۴ جلد ۳)

امام احمدؒ کے اس کلام سے اندازہ کرو کہ ایسے بڑے بڑے جلیل القدر اور رفیع المنزلۃ ائمہ یہ یقین رکھنے کے باوجود کہ ہر مسئلہ میں حق صرف ایک ہوسکتا ہے پھر بھی اپنے مخالف کے تخطیہ میں کس قدر محتاط تھے چنانچہ جو کچھ بھی حسن ظن ائمہ کرام کی نسبت آج باقی ہے۔ وہ ان ہی پاک نفس بزرگواروں کی احتیاط اور بے تعصبی اور فراخدلی اور حسن تادب کا نتیجہ ہے۔ بَرَّد اللہ مضاجعھم ونور اللہ قبورھم واقاد علینا شآبیب برکاتھم اٰمین ؛ وقد بقی خبایا فی الزوایا ترکنا ابرازھا طخافۃ التطویل واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ؛ فقط۔

دوسرا سوال
اور اس کا جواب

دُوسرا سوال آپ کا دوزخ و جنت کے متعلق ہے۔ جس کے سمجھنے سے بندہ بالکل قاصر رہا۔ جو عقیدہ جنت و دوزخ کی نسبت سوال میں مذکور ہے۔ اس میں چند اُمور کا التزام صراحتاً کیا گیا ہے۔

(۱) جنت و دوزخ کے وجود کو سائل تسلیم کرتا ہے۔

(۲) جن چیزوں کا ہونا جنت و دوزخ میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے بتلایا ہے اس کے نزدیک وہ سب تمثیل پر محمول ہے۔

(۳) یہ بھی اقرار ہے کہ جنت میں تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیّا کی گئی ہیں۔

(۴) جنت کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔

جنت و دوزخ کو تمثیل قرار دینا

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب سائل کو یہ اعتراف ہے کہ بہشت میں اہل بہشت کے لئے تمام آرام و آسائش کی چیزیں مہیّا

Marfat.com

فرما دی گئی ہیں تو کیا کوئی انسان سطح ارض پہ ایسا بھی پایا جاتا ہے
کہ جس کو سرسبز باغیچہ اور شاداب چمن یا شوخی اور قرینہ سے بہتے
ہوئے نہریں جن کی آب رسانی کا انتظام یورپ کے واٹر ورکس سے
بھی زیادہ موزوں ہوں یا درخشاں موتیوں کی جگمگاتی ہوئی عمارتیں یا
خالص سونے اور چاندی کے ظروف کے استعمال سے تکلیف پہنچتی ہو
یا حسن و جمال کے پاک و صاف نورانی پیکر جن پر نظر پڑتے ہی اللہ
جمیل و یحب الجمال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائے۔ اس کو برے
معلوم ہوتے ہوں۔ یا کابل و کشمیر کے اعلیٰ قسم کے سیب اور انگور
اور طرح طرح کے میوے اور پھل نہایت بیش قیمت کشتیوں میں قرینہ
سے رکھے ہوئے دیکھ کر استفراغ ہو جاتا ہو۔ پس ان ساری عیش و
نشاط کے سامانوں کی موجودگی اگر بنی نوع انسان کے حق میں فطرۃً
کوئی تکلیف دہ چیز نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر سائل جو کہ جنت
میں تمام آرام و آسائش کی چیزوں کا مہیا ہونا تسلیم کرتا ہے۔ کیوں
تمثیل کا بہانہ رکھ کر ان نعمتوں کے اقرار سے گریز کرتا ہے۔ ممکن ہے
کہ دنیا میں کسی جزیرہ میں کوئی ایسا وحشی بن مانس بھی پایا جاتا ہو
جس کی زندگی ان تمام نعمائے الٰہیہ کے دیکھنے سے منغض ہو جاتی ہو
لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اتنی وسیع جنت جس کو ارضہا السمٰوٰت والارض
فرمایا گیا ہے۔ فقط انہیں چند حبشی بن مانسوں کا مسکن بنا دیا جاوے
تو اس کی تسلیم کے واسطے شائد سائل بھی تیار نہیں ہوگا۔ پھر میں حیران

Marfat.com

ہوں کہ جن چیزوں کے وجود کی تمام انبیائے سابقین خبر دیتے چلے آئے، قرآن اور حدیث نے اس کی تصدیق پر مہر کی قرن صحابہ سے لے کر تیرھویں صدی کے ملحدوں کے زمانہ تک تمام اہل اسلام اسکی تصدیق کو جزو ایمان سمجھتے رہے۔ تمثیل کے ایک عیارانہ حیلہ سے کس طرح اُن کی نفی کی جاسکتی ہے۔

سوال میں جس شخص کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس ابلیس کی وحی کو پوری طرح ضبط نہ کر سکا۔ جس نے یہ لکھا تھا کہ ان نعمائے جنت کے بیان سے تمثیلاً ایک اعلیٰ قسم کی راحت کی طرف اشارہ کرنا ہے جس کو کوئی عبارت نہیں سمجھا سکتی اس نے یہ لفظ نہیں لکھے کہ جنت میں تمام آرام و آرائش کی چیزیں مہیا کی گئی ہیں۔ وہ گرگ باراں دیدہ تھا جانتا تھا کہ ایسا لکھنے سے تمام ظواہر نصوص پر ایمان رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ سوال میں جس شخص کی نسبت استفسار کیا گیا ہے وہ مسکین" ایک قسم کی راحت اور تمام آرام و آسائش کی چیزیں" ان دونوں عبارتوں میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھ سکا۔ حالانکہ اب اس کی عبارت خود اس کو ملزم کرتی ہے۔ اور اس کے کلام کی تہافت پر صاف شہادت دیتی ہے۔ پس میں ایسی نوآموز اور خام مرید سے کیا خطاب کروں۔ جو اپنے اعتقاد کو خود بھی واضح طور پر سمجھا ہوا نہیں ہے یا بیان نہیں کر سکتا اسکے عقیدہ کا ماخذ اس وقت میرے سامنے ہے۔ کبھی دل چاہتا ہے کہ حرفاً حرفاً جواب لکھ کر

Marfat.com

آپ کے پاس بھیجدوں لیکن بندہ کے پاس وقت زیادہ نہیں۔ محض آپ کی خاطر عزیز جان کر یہ چند سطور لکھی ہیں۔ اور چند اور لکھتا ہوں۔

وہ شخص جس کی کتاب اس وقت میرے سامنے رکھی ہے۔ اگر جاہل تھا تو کیا آپ کے علم کو بھی اُس کے جہل کی ظلمت نے اپنے اندر چھپا لیا۔ آپ نے لکھا ہے کہ جنت کی حقیقت نہ کسی کو معلوم ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مخبر صادق نے فرمایا ہے۔ لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر آپ مجھ کو بتلائیے کہ اس حدیث صحیح کے سُن لینے کے بعد آپ نے خود جنت کے وجود سے ہی کیوں انکار نہ کر دیا۔ جب خطر علیٰ قلب بشر کو اس قدر عام تسلیم کرتے ہیں۔ تو بہرحال یہ عقیدہ کہ جنت ہے اور اس میں اعلیٰ قسم کی راحت موجود ہے۔ اس قدر ایمان رکھنے کے واسطے بھی تو یہ ضرور ہے کہ جنت اور اس کی اعلیٰ قسم کی راحت کا کسی نہ کسی طرح تصور آئے اور جب کسی طرح سے بھی اُن کا تصور آیا تو خطور علیٰ قلب بشر صادق ہو جائے گا۔ کیونکہ خطور بالبال عام ہے۔ اجمالی ہو یا تفصیلی بالکنہہ و بکنہہ ہو یا بالوجہ اور بوجہ۔ اب اگر آپ خطور کے معنے میں کوئی تخصیص کریں گے۔ تو آپ کے حریف کو بھی اجازت ہو گی، کہ وہ اپنے مذاق کے موافق اس کی تخصیص کر لے۔ اس کے علاوہ، آپ عنب و رمان اور حور و قصور کی آیتوں کو جب تمثیل پر محمول فرماتے ہیں تو ظاہر ہے کہ لفظی تمثیل سے مراد آپ کی تشبیہ ہے

Marfat.com

اور تشبیہ کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہی میں کوئی وصف جامع ہو حتی کہ اگر اُس وصف جامع کا ادراک مخاطب کو نہ ہو تو وہ تشبیہ اس کے حق میں اس سے زیادہ کار آمد نہیں ہو سکتی ہے جتنا کہ ایک اندھے کے حق میں کھیر کی تشبیہ بگلے کے ساتھ کار آمد ہوئی تھی۔

پس اس وصف جامع کے ادراک سے جو کہ مشبہ اور مشبہ بہ یا مثال اور ممثل لہ میں ضرور ہوتا ہے یہ لازم ہوگا کہ جنت کی نعمتوں کا تصوّر اس وصف جامع سے ہو جائے حالانکہ خطور بالبال کی مشکل پھر اس وقت ناقابلِ حل رہ جائے گی۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ولاخطر علیٰ قلب بشر سے یہ مراد ہے کہ نعمائے جنت کی کنہ اور ماہیت کسی کے دل پر نہیں گذری تو اس سے یہ کیوں لازم آیا کہ آپ ان کے وجود جسمانی کا انکار کر دیں۔ کیا جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ مثلاً خود حق تعالےٰ شانہٗ تو اس کے وجود کی بھی نفی کر دینی چاہیئے پھر تو سب سے اول خدا ہی کی نفی کی جاوے تاکہ نہ قرآن کو ماننا پڑے اور نہ رسول کو اور نہ جنت و دوزخ کا مصنوعی اقرار کر کے خدا پہ احسان رکھا جاوے۔ میں جانتا ہوں کہ شاید ہزاروں چیزیں محسوسات میں ایسی ہوں گی کہ اُن کی حقیقت آپ کو اور مجھ کو بلکہ تمام حکمائے متفلسفین کو معلوم نہ ہوگی اور میں تو یہاں تک بدگمان ہوں کہ جن چیزوں کی حقیقت معلوم

ہو جانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ وہ بھی محک امتحان پر شاید ہی کھرا ثابت ہو سکے۔

بہر کیف جن چیزوں کی حقیقت جاننے سے حکماء کی زبانیں بھی عجز کا اعتراف کرنے لگی ہیں کیا ان کے وجود سے آپ انکار کر سکتے ہیں۔ تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ جنت کی جسمانی نعمتیں کیوں آپکو ایسی بری معلوم ہوتی ہیں کہ ان کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان کی ہستی ہی اڑائے دیتے ہیں۔ یہاں اگر کسی چیز کے وجود کی خبر حواس نے دی ہے تو اُن کی خبر حواس سے زیادہ سچی مخبر کے پاس سے قطعی طور پر پہنچ چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جنت کی جسمانی نعمتوں کا انکار کرتے وقت اس کے دل میں بھی گدگدیاں ضرور اٹھی ہوں گی اور خواہ آپ کتنا ہی اس ہوس کو بیہودہ سمجھیں لیکن اس تمنّا سے دل آپ کا بھی خالی نہ ہوگا کہ کاش ایسا ہی ہو جاتا جیسا کہ یہ مولوی کہتے ہیں۔ پر آپ کا دل یورپ کے ملحدوں سے ڈرا ہُوا ہے اور اس شخص کے تمسخر نے آپ کو اور زیادہ کھسیانا کر رکھا ہے۔ اس لیے آپ اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ جس کی تمنا دل میں لئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ان ملاحدہ سے آپ کہاں تک ڈریں گے۔ خدا کی ہستی کا وہ مذاق اُڑاتے ہیں نبوت اور وحی کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ فرشتوں اور شیاطین کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ مرکر زندہ کیے جانے کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ عذاب

Marfat.com

قبر کا وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کی نماز آپ کے حج و عمرہ کا آپ کے نکاح و طلاق کا آپ کی ہر ہر بات کا ان کے یہاں تمسخر کیا جاتا ہے تو پھر آپ کے پاس ان کی ساری بیہودگیوں کا جواب اس کے سوا کیا ہے۔ ان الذین اجرموا کانوا من الذین امنوا یضحکون الایۃ وہ کہتے ہیں کہ ان تخیلات و اوہام کا ماننا بیوقوفوں کا کام ہے۔ ہمارا ایمان سفہا کا سا ایمان نہیں ہے۔ آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ آپ کا جواب ہمارا خدا پہلے ہی دے چکا ہے۔ جہاں ان سے یہ فرمایا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی ویسا ہی ایمان لے آویں جیسا کہ بے وقوف ایمان لائے ہیں یاد رکھو کہ خود یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن ان کو خبر نہیں۔

آپ ان زنادقہ کی کتابیں پڑھیں۔ جنت و دوزخ کے انکار کے موقعہ پر لکھا ہے کہ "علمائے اسلام رحمہ اللہ علیہم اجمعین نے بسبب اپنی رقت قلبی اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا کے غلبہ کے جو آدمی کے دل پر زیادہ اثر کرنے سے ایسے درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ کہ اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی۔ یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اسی

Marfat.com

کو تسلیم کر لیں۔ اور اُس کی حقیقت اور اُس کے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں۔ اس واسطے وہ بزرگ تمام ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں مان سکتا۔ اور وہ باتیں جیسا کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں۔ ایسے ہی مذہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں۔"

اس گستاخانہ اور احمقانہ تحریر کو بار بار پڑھو۔ یہ تحریر بتلاتی ہے کہ جن لوگوں کے دلوں پر رقت اور توجہ الی اللہ اور خوف و رجا، غالب ہو جاتا ہے (جیسا کہ تمام علمائے اسلام کے دلوں پر تھا) تو ان کو اصل حقیقت کے بیان کرنے کی جرأت نہیں رہتی بلکہ وہ ایسی باتوں کو ماننے لگتے ہیں جو عقل کے بھی خلاف اور بانی مذہب کے مقصد کے بھی اور مذہب کی سچائی اور تقدس کے بھی" اس کے بعد آپ احادیث میں خدا کے اس رسول کی سیرت کو پڑھیں (فداہ ابی امی) جو اپنی نسبت فرماتے ہیں فواللہ انی اخشاکم اللہ واتقاکم تو آپ یقین کریں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر نہ کسی کے دل میں خدا کا خوف ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس قدر انابت الی اللہ کسی کو میسر آسکتی ہے جو آپ کو حاصل تھی۔ تو اس اصول کا نتیجہ جس کو اس زندیق نے اختیار کیا ہے۔ بجز اس کے کیا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (العیاذ باللہ) یہ کہا جاتا ہے کہ آپ حقیقت کے بیان کرنے میں سب سے کم

Marfat.com

جرأت کر سکتے ہوں گے اور جو کچھ فرماتے ہوں گے وہ علمائے اسلام سے بھی زیادہ لوگوں کی عقل کے خلاف اور مقصود خداوندی کے منافی ہوگا۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا (الایۃ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا (الایۃ)

بلاشبہ ان لوگوں کی تحریرات کا منشا یہ ہے کہ جس شخص کا دل خوف سے خالی ہو قسوۃ اور غفلت عن اللہ اس پر چھا گئی ہو شیطان کے تسلّط نے اس کو پورا بیباک اور شوخ بنا دیا ہو تو شاید وہ اصل حقیقت اور صداقت کا اظہار نہایت جرأت کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اور صرف اس سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ خداوند رب العزت کی صحیح صحیح مراد کو سمجھ کر تمام مخلوق کو خدا کے دین کی طرف متوجّہ کر سکے اور اُن کے دلوں میں اس کا سچا منشا اتار سکے۔ بے شک ایسا ہی ہوتا اگر تاریکی روشنی کو پیدا کر سکتی اور بول و براز سے عطر کشید کیا جا سکتا۔ اور جب ایسا نہیں تو کہہ دو کہ ما یستوی الاعمٰی والبصیر ولا الظلمات ولا النّور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات الایۃ۔

اس موقعہ پر میرے واسطے سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی ایسی گستاخانہ اور جاہلانہ تحریروں سے بعض فہمیدہ اہل علم کو کیوں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک کور چشم بے بصیرت نے اتنا

لکھ دیا کہ لاخطر علے قلب بشر سے نعمائے جسمانی کی نفی ہوتی ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیسیوں احادیث تمثیل پر محمول ہیں تو اہل علم کو اس سے پوچھنا تھا کہ لاخطر علے قلب بشر سے کیا مراد ہے۔ اگر بالکل عام ہے تب تو یہ غلط ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اور اگر کسی خاص قسم کے خطور کی نفی کی گئی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنت میں سے خواہی نخواہی جسمانی لذائذ کو خارج کیا جاوے۔

تماشا ہے کہ نعمائے جسمانی کے منکر اس کو تو جائز رکھتے ہیں کہ سینکڑوں آیات اور روایات کو ان کے حقیقی معانی سے پھیر کر تمثیل پر حمل کر لیں۔ مگر ایک ولا خطر علیٰ قلب بشر ایسا جملہ ہے کہ اس میں کسی طرح ادنیٰ تصرف بھی جائز نہ رکھا جاوے حالانکہ محاورات کے موافق اس میں کچھ بھی اشکال نہیں۔

مثال سے اس کی تشریح

اگر سلطان المعظم کسی معمولی عالم کی دعوت کر دیں تو اُس کو پورا یقین ہوگا کہ وہاں ضرور پر تکلف کھانے تیار ملیں گے۔ اور اپنی معلومات کے اندازہ کے موافق اس نے کچھ فہرست بھی کھانوں کی ضرور اپنے ذہن میں سوچ رکھی ہوگی۔ بلکہ یہی

Marfat.com

فرش کر لو کہ کھانوں کی فہرست لکھی ہوئی پہلے ہی سے اُس کے پاس مطبخ سلطانی سے پہنچ گئی تھی۔ مگر جب دسترخوان پر پہنچا تو بعض کھانے اس نے ایسے پائے جو اس نے پہلے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے تھے۔ اور بعض ایسے پائے کہ جن کا تجربہ ہوا تھا مگر وہاں اُن کی ترکیب ہی کچھ اور تھی۔ اور لذت اور مزہ ہی دوسرا تھا۔ پھر ایوان سلطانی میں عجب عجب طرح کے تکلفات اس کو نظر پڑے جنہوں نے اس کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور سلطان المعظم نے اس کا اس قدر تپاک سے خیر مقدم اور احترام کیا کہ وہ بالکل مبہوت ہو گیا۔ اب وہ شخص وہاں سے واپس آکر اگر اپنے ہمنشینوں سے یہ کہے کہ ایوانِ سلطانی میں اس طرح کے تکلفات اور الوانِ طعام اور لذیذ غذائیں مہیّا تھیں۔ اور سلطان نے میری اس قدر تحریم اور عزت افزائی کی جس کا میرے دل میں خطرہ اور وہم و خیال بھی نہ گذرا تھا تو اس کے معنے اس کے سوا کیا ہیں۔ کہ اعزاز و اکرام اور مدارات کا وہ انتہائی درجہ جو اس نے ایک ایسے بڑے باجاہ و جلال بادشاہ کے دربار میں دیکھا وہ اس کے حوصلہ اُمید سے باہر تھا اور اس کی توقعات کی پرواز وہاں تک کبھی نہ پہنچی تھی اگرچہ نفس اعزاز اور مدارت کا اس کو پہلے سے یقین تھا، تاہم یہ کیفیت اور ایسا شاندار سماں اپنے اعزاز و احترام کا اس کے خیال میں نہ تھا۔ اسی طرح یاد رکھیے

کہ جن میووں اور پھلوں وغیرہ کے نام نعمائے جنت کی فہرست
میں لئے گئے ہیں اگرچہ آدمی کتنی ہی پرواز اُن کی اعلیٰ کیفیات
کے سمجھنے کے لئے کرے لیکن چونکہ اس کی پرواز اس کی محسوسات
کے دائرہ تک محدود ہے اس وجہ سے اس کے خیال و خطرہ میں بھی
جنت کے پھلوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ کیفیت نہیں آسکتی فرض کرو
کہ ایک شخص نے مسقطی حلوا کبھی نہ کھایا اور نہ کبھی دیکھا ہو
اب اگر اس کے سامنے حلوائے مسقطی کی تعریف کرے تو اگرچہ
وہ اتنا یقین کرے گا کہ وہ کوئی قسم حلوے کی ہے اور کھانے
کی چیز ہے لیکن اس کی صورت اور رنگ اور مزے کی جو کچھ اجمالی
وساوس و خطرات آئیں گے تو اپنی ماکولات کے اندازہ کے
موافق آئیں گے۔ خواہ وہ کتنا ہی اپنے خیال کو آگے بڑھانا
چاہے اب اگر اُس کو کبھی اتفاق سے حلوائے مسقطی کھانے کی
نوبت آجاوے اور اس وقت وہ مزہ لے کر بول اُٹھے کہ یہ مزہ
اور لذت تو خیال اور گمان میں بھی نہ تھا تو ظاہر ہے کہ اس کا
مطلب یہ ہے کہ اس اعلیٰ لذّت تک خیال کی رسائی نہیں ہوسکی
تھی نہ یہ کہ اس کے نفس مزہ اور لذت کا تصور بوجہ ما بہی نہ تھا۔
فرض کرو کہ اخبار ٹائمز کا ایک نامہ نگار جس کی نظر دُنیا کے
تمام عظیم الشان لڑائیوں کی تاریخ پر تھی یہ لکھ کر بھیجے، کہ
آج جو حملہ جرمنی نے ورڈن پر کیا جس کی اطلاع ہمارے

Marfat.com

جاسوسوں نے پہلے سے دی تھی کہ حملہ ہونے والا ہے اور اسیطرح جو مقاومت فرانس نے اس حملہ کی کی اور جس شدّت کی جنگ ہوئی اور جس زور کا رن پڑا نہ آنکھوں نے کبھی دیکھا تھا اور نہ کانوں نے سنا تھا اور نہ دل میں اس طرح کا کبھی خیال اور خطرہ گذرا تھا تو غالباً لاخطر علیٰ قلب بشر سے نعمائے جنت کا انکار کرنے والے یہاں بھی شاید یہ کہنے لگیں کہ اس جملہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ورڈن پر جنگ ہی نہیں ہوئی کوئی ایسا مجہول الکنہ اور نامعلوم الحقیقت واقعہ یورپ میں پیش آیا ہوگا۔ جس کے ہولناک ہونے کو لندن ٹائمز کے نامہ نگار نے اس تمثیل میں بیان کیا ہے کیونکہ جب ورڈن پر دشمن کے حملہ آور ہونے کے ارادہ پر پہلے سے یقینی اطلاع ہو چکی تھی تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ اس حملہ کا خیال اور وہم بھی نہ تھا دل میں تو یہ حملہ خطور کر چکا تھا اگرچہ کتنی ہی کم حیثیت میں کیوں نہ ہو۔

اب آپ ہی انصاف سے فرماویں کہ ان سب مثالوں میں پہلے سے دل میں خطرہ نہ ہونے کے کیا معنی ہیں اگر وہی معنے ولاخطر علیٰ قلب بشر میں لئے جاویں تو کیا مضائقہ ہے۔ اس کے بعد میں وہ بات کہتا ہوں کہ جس سے بحث کا خاتمہ ہو جائے اور مصنف فہیم کے لئے انشاء اللہ العزیز قیل وقال کی گنجائش ہے نہ رہے۔ جس حدیث سے منکرین احتجاج کر رہے ہیں اس

Marfat.com

کے الفاظ یہ ہیں اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر۔ جس کا ترجمہ صرف اس قدر ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے واسطے ایسی چیز تیار کی ہے۔ جس کو نہ آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا خطور ہوا۔ "بیش ازیں نیست" کہ اس سے جنت میں ایسی چیز کا موجود ہونا ثابت ہوا کہ جن کی یہ حالت ہے لیکن یہ کس لفظ سے نکلتا ہے کہ ایسی چیز کے سوا جس کے یہ اوصاف ہیں اور کوئی چیز جنت میں نہیں جس کو فرض کیجئے۔ آنکھ نے دیکھا ہو یا کان نے سنا ہو یا دل میں اس کا خیال گذرا ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ کو کوئی مدعو کرے۔ اور یہ کہے کہ آج ہم نے تمہارے لئے ایسی چیز تیار کی ہے جو تم نے کبھی نہ کھائی ہو گی۔ اس کا کسی کے نزدیک یہ مطلب نہیں، کہ بس اس چیز کے سوا دسترخوان پر کوئی ایسی چیز نہ آئے گی۔ جو آپ نے کبھی کھائی ہو۔ ایک سوداگر یہ کہے کہ میری دُکان پر آج کل اس قسم کے کپڑے آئے ہوئے ہیں جو آج تک آپ نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ دکان میں اُن کے سوا ایسے تھان نہ ہوں گے۔ جن کو ہم نے کبھی دیکھا ہو۔

اسی طرح اگر یہاں سمجھا جاوے تو کیا حرج ہے، کہ جنت

ہیں ایسی نعمتیں بھی ہیں کہ جن کا من وجہ خطور پہلے ہُوا ہو اور ایسی بھی جو کبھی مدت العمر خیال میں نہ آئی ہوں باقی جنت کی نعمائے جسمانیہ کا تمسخر کرکے ایک غیر مہذّب بھانڈ کا فرض انجام دیا گیا ہے تو اس کا جواب ہمارے پاس کچھ نہیں، بجز اس کے کہ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ۔ و یحل علیہ عذاب مقیم۔

یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ زبان سے خدا کے وجود اور اس کے غیر محدود قدرت دیکھنے اور کتاب اللہ کو ماننے کے باوجود کس طرح جسارت کرکے اس کی لامحدود قدرت و حکمت کو اپنی عقل کی کلہیا میں بند کر دیتے ہیں۔ نہ معلوم جنت میں، کون سی چیز ایسی ہے جس کا پیدا کرنا اس قادر قیوم کے لئے آسمانوں اور زمین اور چاند سورج اور سمندر اور پہاڑوں سے بھی زیادہ دشوار ہے یا آگ پانی کا ایک کرہ یا آگ کا ایک کرہ اور ایک طبقہ پیدا کرنا سراسر اس کی حکمت اور دانائی کو ظاہر کرتا ہے اور پھر ان کے تھوڑے تھوڑے اجزاء کو محفوظ کرکے آدم کا خمیر بنانا اس حکمت کے اظہار میں اور چار چاند لگانا ہے تو اسی طرح اگر اس دنیا میں اُس نے راحت و تکلیف کو مخلوط پیدا فرمایا اور ان دونوں کے واسطے ایک ایک کرہ اور مخزن علیحدہ علیحدہ بنا دیا کہ جو جسمانی اور روحانی خوشی

Marfat.com

اور راحت اور عیش کا خزانہ ہے اس میں کسی تکلیف کا نام اور نشان نہ آنے پائے اور جو رنج اور تکلیف اور مصیبت کا خزانہ ہے اس میں راحت کا اور خوشی کا شائبہ نہ پایا جا سکے۔ تو کیوں حکمت کا خلاف ٹھہرے گا۔

مولانا رومیؒ کی ایک مثال

مولانا جلال الدین رومی نے سچ فرمایا ہے کہ یہی جنت اور اس کی نعمتوں کا انکار کرنے والے جب رحم مادر میں تھے اُس وقت اُن سے اگر کوئی جا کر کہتا کہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی سے تم باہر نکلو اور یہ حیض کا ناپاک خون کھانا چھوڑ دو۔ تم کو باہر ایک ایسا وسیع زمین و آسمان نظر پڑے گا کہ جس کی وسعت سے تمہاری اس حجرے کی نسبت ایک اور کروڑ کی بھی نہ ہو گی، اور جب تم یہ ناپاک غذا (دم طمث) چھوڑ دو گے۔ تو تم کو نہایت خوش رنگ اور خوش ذائقہ لطیف غذا دی جائے گی۔ جس کے بعد تم اس غذا کو کبھی نہ یاد کرو گے تو یہ منکرین ہی انصاف سے تبلا دیں کہ کیا وہ رحم مادر میں ان باتوں کو باور کر سکتے تھے۔ وہ نیچے اوپر اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے اور رحم کی جھلی کے سوا کچھ نہ دیکھتے جن غذاؤں کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ یہ ہی کہتے جو جنت کے کھانوں کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ سب تمہارے

خیالات واوہام ہیں نہ اس مکان سے وسیع کوئی مکان ہے، اور نہ اس غذا کے سوا کوئی غذا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی قدرت بالغہ سے ان کو بطن مادر سے باہر نکالا اور انہوں نے وہ سب چیزیں دیکھ لیں جن کی اُن کو خبر دیجاتی تھی اور اب کوئی تردّد اس میں باقی نہ رہا۔ پس ٹھیک ٹھیک یہی مثال ہمارے نزدیک ان تنگ نظروں اور کور باطنوں اور دنیا کے بدمستوں کی ہے۔ یہ ہرگز ان چیزوں کو تسلیم نہ کریں گے۔ جب تک کہ اُن کو دیکھ نہ لیں گے۔ اسی خیالی کے شخص کی تاریخ کا مصرعہ ہمارے استاد دام فیضہ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ع

مانتے جس کو نہیں تھے لیجئے پہنچے وہاں

اب میں اس جواب کو ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ بندہ کو فرصت زیادہ نہیں ہے۔ اخیر میں اتنا اور گذارش کرتا ہوں کہ آپ نے جو ایسے شخص کا شرعاً حکم دریافت کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو اس کا استفتا حضرت مفتی صاحب سے کریں۔ بندہ تو فقط ایک عبارت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی لکھے دیتا ہے جو حجت اللہ البالغہ میں ہے عالم مثال کے ذکر میں جو احادیث لائے ہیں اُن کے ماننے والوں کے انہوں نے تین درجہ کئے ہیں جن میں تیسرا یہ ہے۔

او یجعلها تمثیلاً لتفهم معان اخری ولست اری المقتضی علی الثالث

یا ان احادیث کو تمثیل پر محمول کیا جائے۔ جس سے دوسرے معانی کی تفہیم مقصود ہے۔

Marfat.com

من اهل الحق وقد صور الامام الغزالی فی عذاب القبر تلك المقامات الثلث حیث قال و امثال هذه الاخبار لها ظواهر صحیحة واسرار خفیة ولکنها عند ارباب البصیرة واضحة فمن لم ینکشف له حقائقها فلا ینبغی ان ینکر ظواهرها بل اقل درجات الایمان التسلیم و التصدیق ۱۲ (حجة الله البالغه ص۱۳۱)

اور میں ایسے شخص کو جو اس تیسرے درجہ پر محدود رہے اہل حق میں شمار نہیں کرتا اور امام غزالی نے بھی عذاب قبر کے بیان میں یہ تینوں درجے بیان کئے ہیں جہاں یہ فرمایا ہے کہ اس قسم کے اخبار کے ایک تو ظاہر معنی ہیں جو صاف ہیں اور ایک ان کے دقیق اسرار ہیں جو اہل بصیرۃ کے نزدیک واضح ہیں۔ تو جس شخص پر وہ حقائق منکشف نہ ہوں اس کو یہ مناسب نہیں کہ وہ ظواہر کا بھی انکار کر بیٹھے۔ بلکہ کم از کم ایمان یہ ہے کہ ان کو تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔

میرے اس سارے خط کو آپ مہربانی فرما کر ہمارے خانصاحب محترم اور محبی مولوی محمد عرفان صاحب کو ضرور سنا دیں اگر کچھ اصلاح فرمادیں تو مطلع کردیں۔ والسلام اور ان دونوں صاحبوں سے بہت بہت سلام بندہ کا عرض کردیں۔ اور بعض الفاظ جو آپ کو خطاب کرکے تیز لکھے گئے ہیں ان سے فی الحقیقت آپ مراد نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کا یہ عقیدہ ہو فقط۔

الراقم
شبیر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ از دارالعلوم دیوبند
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ ہجری

Marfat.com

Marfat.com

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (القرآن)

تحقیق الخطبہ

کیا خطبہ اردو زبان میں جائز ہے؟ خطبہ جمعہ
اور جمعہ سے متعلق بعض اہم سوالات کے جواب

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

۴۰۷

Marfat.com

تحقیق مسئلہ خطبۂ جمعہ

بزبان اردو فارسی وغیرہ

کیا جمعہ کا خطبہ اردو میں جائز ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

(۱) زید کہتا ہے کہ خطبۃ الجمعۃ والعیدین بزبان عربی مسنون ہے۔ زبان، اردو یا دیگر غیر عربی زبانوں میں خطبہ پڑھنا سنت رسول اللہ اور صحابہ تابعین تبع تابعین، مجتہدین، محدثین، فقہاء امت کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ عمر کا دعویٰ ہے کہ خطبہ مذکور سامعین کی زبان ہونا چاہیئے۔ خواہ زبان اردو ہو یا فارسی، عربی ہو یا ترکی، جاپانی ہو یا انگریزی۔ اور خطبہ کو سامعین کی زبان میں پڑھنا ہی عین ادائے سنت ہے۔ کیونکہ خطبہ کی غرض وعظ و تذکیر اور احکام کا سنانا ہے اور یہ غرض زبان مروجہ ہی میں خطبہ پڑھنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

عمرو یہ سوال بھی پیش کرتا ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد جو خطبہ بزبان عربی پڑھا جاتا ہے۔ اس کے پڑھتے وقت خطیب کے مخاطب آیا وہ انسان ہوتے ہیں جن کی طرف وہ منہ کر کے کھڑا ہوتا ہے یا اور کوئی مخلوق؟ اور

Marfat.com

یہ کہ عیدین کے متعلق جو مسائل و احکام بیان کرتا ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو مسائل و احکام سے آگاہی ہو یا اس کے سوا کچھ اور۔

عمرو اپنے دعویٰ پر حسب ذیل کتب لغت۔ احادیث۔ فتاویٰ، سے استدلال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مصباح المنیر میں ہے فیقال فی المواعظۃ تخطب القوم غیاث اللغات میں ہے خطبہ آنچہ بحمد و نعت خطاب و نصیحت و وعظ خلق اللہ باشد۔ کتاب ترغیب و ترہیب میں ابن ماجہ سے بسند حسن منقول ہے۔ کہ عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ یوم الجمعۃ تبارک وھو قائم یذکر بایام اللہ فتاویٰ عالمگیری میں خطبہ کی سنتوں میں وعظ کرنا اور سمجھانا تحریر کیا ہے وقال صاحب الفتاویٰ الھندیۃ واما سننھا یعنی الخطبۃ فخمسۃ عشر ثم قال بعد ذالک وعاشرھا العظۃ والتذکیر۔ درمختار۔ باب العیدین میں ہے انما جعل الخطبۃ للتعلیم کفایہ میں ہے ولو خطب قاعدا او علی غیر طھارۃ اجزاہ لحصول المقصود وھو الوعظ والتذکیر اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویکرہ للخطیب ان یتکلم فی حال الخطبۃ الا ان یکون امر بمعروف ہدایہ میں ہے فان اقتصر علی ذکر اللہ جائز عند ابی حنیفۃؒ وقال لابد من ذکر طویل یسمی خطبۃ لان الخطبۃ ھی الواجبۃ والتسبیحۃ والتحمید لایسمی خطبۃ ہدایہ میں ہے ویخطب بعد الصلوٰۃ خطبتین یعلم الناس فیھا صدقۃ الفطر واحکامھا لانھا شرعت لاجلہ پس استدعا رہے کہ بدلائل شرعیہ و براہین عقلیہ تبلایا جاوے کہ خطبہ کے معنیٰ اور اس سے مقصود کیا ہے اور آیا وہ زبان عربی میں پڑھنے سے پورا ہو سکتا ہے یا نہیں اور زبان غیر عربی

Marfat.com

میں خلاف سنت ہے یا نہیں ؟

(۱) مسلمان نمازی جو عربی سے ناواقف ہیں اور سورۂ قرآنی کے معنے کو نہیں سمجھتے وہ احکام شرعیہ کے مکلف ہیں یا نہیں ؟ ان کی نماز ادا ہوتی اور اس پر ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟

(۲) جمعہ و عیدین میں کس حد تک سورۂ قرآنیہ تلاوت کرنا داخل سنت ہے اور کہاں تک مجاز ہے ؟

(۳) جمعہ و عیدین میں سبح اسم ربك الاعلیٰ اور ھل اتٰك حدیث الغاشیة پڑھنا اتباع سنت میں شامل ہے یا نہیں ؟

(۴) طول قرائۃ لعذر ہے یا تخفیف قرآۃ۔

(۵) قرأت و تلاوۃ قرآن پر حصول ثواب فہم معانی و مطالب پر موقوف و منحصر ہے یا نہیں ؟

(۶) جو شخص قرآن کے معنی نہ سمجھے اُسے قرآنِ پاک پڑھنے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟ بینوا بالدلائل وتوجروا

الجواب

خطبہ کا شرعی مفہوم

(۱) اوّلاً چند عبارتیں کتب فقہ سے ایسی نقل کی جاتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ فقہاء کرام نے کسی جگہ تو خطبہ کو محض ذکر قرار دیا ہے۔ اور کہیں صرف

موعظۃ وتذکیر۔ اس کے بعد کوئی عبارت ایسی درج کی جائے گی۔ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ ان میں سے خطبہ کا اصلی موضوع لہٗ جس کے بغیر اس کا تقوم ہی نہ ہوسکے لغۃً اور شرعًا کیا ہے۔ اور جن امور زائدہ پر خطبہ کا اطلاق کیا گیا ہے وہ خطبہ کے مفہوم میں کس حد تک داخل ہوسکتے ہیں۔

فقہا کی عبارات

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں۔

ولنا ان الخطبة ذکروا لمحدث والجنب لا یمنعان من ذکر اللہ ماخلا قرأۃ القرآن فی حق الجنب انتہی (کتاب المبسوط للسرخسی جلد ثانی ص۲۶ مصری)

ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور محدث یعنی جو بغیر وضو ہو اور جنبی جس پر غسل جنابت واجب ہو اللہ کے ذکر سے منع نہیں کئے جاتے۔ البتہ قرأۃ جنبی کو منع ہے۔

ولا ینبغی للامام ان یتکلم فی خطبۃ بشیء من حدیث الناس لانہ ذکر منظوم والتکلم فی خلالہ یذھب بھائہ الخ (کتاب مبسوط جلد ۲ ص۲۷ مصری)

امام کو لائق نہیں ہے کہ خطبہ میں کوئی ایسی کلام کرے جو لوگوں کی باہمی گفتگو کے مشابہ ہو۔ کیونکہ خطبہ ذکر منظوم کا نام ہے اور اس کے درمیان میں کلام کرنا خطبہ کی خوبی ورونق کو زائل کر دیتا ہے۔

اور یہی شمس الائمہ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

والخطبۃ کلھا وعظ وامر معروف (مبسوط ج ۲ ص۲۸)

اور خطبہ سب کا سب نصیحت اور امر بالمعروف ہے۔

Marfat.com

ولانہ فی الخطبۃ یخاطبھم بالوعظ فاذا اشتغلوا بالکلام لم یفد وعظہ ایاھم شیئاً (مبسوط ج ۲ ص ۲۸ مصری)

اور اس لئے کہ امام خطبہ میں لوگوں کو نصیحت کیساتھ خطاب کرتا ہے اور جب لوگ باہم کلام میں مشغول ہونگے تو اس کا نصیحت کرنا اُن کو کچھ مفید نہ ہوگا۔

وھکذا نقل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ انما کان یفعلہ لان الخطیب یعظھم (مبسوط ج ۲ ص ۳۰ مصری)

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایسا کرتے تھے اس لئے کہ خطیب ان کو نصیحت کرتا ہے۔

ذیل کی عبارات سے ثابت ہوگا کہ اگرچہ صاحبین رضی اللہ عنہما فقط ایک تسبیح یا تحمید وغیرہ کو خطبہ کے لئے کافی نہیں سمجھتے لیکن وہ بھی خطبہ کو مجرد ذکر ہی قرار دیتے ہیں۔ ہاں یہ شرائط لگاتے ہیں کہ وہ ذکر طویل ہو۔ اتنا قصیر نہ ہو کہ خطبہ کا اطلاق ہے اس پر نہ ہو سکے۔ ہدایہ میں ہے۔

فان اقتصر علی ذکر اللہ جاز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ وقالا لابد من ذکر طویل یسمی خطبۃ

اگر امام نے فقط ذکر اللہ پر اکتفا کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے صاحبین کہتے ہیں کہ ذکر طویل ہونا ضروری ہے جس کو خطبہ کہہ سکیں۔

فتح القدیر میں ذکر طویل کی شرح میں لکھا ہے۔

قیل اقلہ عندھما قدر التشھد۔

کہا گیا ہے کہ ذکر طویل کا کمتر درجہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ تشہد کی قدر ہو۔

اور علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں اسی قول کے تحت میں لکھا ہے۔

فی العنایۃ وھو مقدار ثلث ایات عند الکرخی وقیل مقدار التشھد۔

عنایہ میں ہے کہ ذکر طویل کی مقدار کرخی کے نزدیک تین آیتوں کی قدر ہے۔ بعض نے کہا کہ تشہد کی قدر۔

Marfat.com

اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی احیاء العلوم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔

وعن ابی حنیفة یصح اقتصار فی الخطبة علی ذکر خالص لله تعالیٰ نحو تسبیحه او تهلیلة او تکبیرة مع الکراهة وهی التی یعتد بها و یجزی هذا الذکر عن خطبتین ولا یحتاج الی تسبیحتین و عن مالك روایتان کالمذهبین وقال ابو یوسف ومحمد لابد من ذکر طویل یسمی خطبة قیل و اقله قدر التشهد الی قوله عبده ورسوله حمد وصلوٰة ودعاً للمسلمین الخ شرح احیاء العلوم مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۲۲۶

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خطبہ میں خالص ذکر پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ مثل ایک دفعہ تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے یا تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کہنے اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے کے مگر کراہت کیساتھ اور یہی مقدار وہ ہے جس کا خطبہ میں اعتبار ہے۔ اور اس قدر ذکر دونوں خطبوں کا قائم مقام ہو سکتا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ دو خطبوں کے لئے دو دفعہ تسبیح کرے۔ امام مالک سے دونوں مذہبوں کے موافق دو روایتیں ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ ذکر طویل ہونا چاہیئے جو خطبہ کہا جا سکے بعض نے کہا کہ ذکر طویل کی مقدار تشہد کی مقدار ہے عبدہ و رسولہ تک کہ اسمیں حمد و صلوٰۃ بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے دعا بھی۔

خطبہ کی حقیقت

اس طرح کی سینکڑوں عبارتیں کتب فقہ میں موجود ہیں جن کا استقصاء بے فائدہ ہے لیکن اب بعض ایسے اقوال نقل کرتا ہوں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ خطبہ کی اصل حقیقت شرعاً و لغۃً مطلق ذکر سے زیادہ نہیں ہے بلکہ لغۃً تو ذکر اللہ کی بھی تخصیص نہیں مطلق کلام کو خطبہ کہتے ہیں۔ اگرچہ عرف عام میں

Marfat.com

بعض دوسرے امور بھی جو کہ سنت کے درجہ میں ہیں اس کی ماہیت میں شامل کر لئے گئے ہوں۔ مجمع البحار میں ہے۔

خطب خطبة بالكسر والاسم ايضا بالكسر قال بعضهم فمن القول والكلام انتهى۔

خطب خطبۃً بکسر الخاء یعنی مصدر خطب کا خاء کی کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کا اسم بھی خطبہ کی خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور خطبہ کو خاء کے ضمہ کیساتھ پڑھیں تو اس کے معنی گفتگو اور کلام کے ہونگے۔

ذرا اور آگے چل کر لکھتے ہیں۔

وفيه انا خطيبهم اذا انصتوا۔ اى انا المتكلم من الناس حين سكتوا عن الاعتذار فاعتذر بهم ولم يؤذن لغيرى فى التكلم انتهى۔

اور میں ان کا خطیب ہوں جب کہ وہ سکوت اختیار کریں یعنی تمام لوگوں میں کلام کرنے والا میں ہی ہوں گا۔ جبکہ وہ اپنا عذر پیش کرنے سے ساکت ہوں گے میں ان کے رب کے سامنے عذر پیش کروں گا سوائے میرے کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔

شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں۔

ولان المنصوص عليه الذكر قال الله تعالى فاسعوا الى ذكر الله وقد بيّنا ان الذكر بها اى بالخطبة ثبت بالنص والذكر يحصل بقوله الحمد لله فما زاد عليه شرط الكمال لا شرط الجواز وهو نظير ما قال ابو حنيفة ان فرض القراءة يتادى باية

اس لئے کہ نص سے ذکر ہی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خطبہ کے ساتھ ذکر نص سے ثابت ہے اور ذکر الحمد للہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس سے زائد کمال کی شرط ہے نہ کہ جواز کی۔ اور یہ نظیر ہے امام ابو حنیفہ کے اس قول کہ فرض قراءۃ یعنی نماز میں ایک آیت سے ادا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

واحدۃ انتہیٰ۔ (مبسوط جلد ۲ ص۳۱ مصری)

اور علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی صاحب تاج العروس فی شرح القاموس تحریر فرماتے ہیں۔

ودلیل ابی حنیفة قوله تعالٰی، فاسعوا الی الذکر اللہ فلم یفصل بین کونه ذکرا طویلا اولا فکان الشرط الذکر العام بالدلیل القاطع غیر ان الماثور عنه صلی اللہ علیه وسلم اختیار احد الفردین اعنی الذکر المسمٰی بالخطبة والمواظبة علیه فکان ذلك واجبًا او سنة لا انه الشرط الذی لا یجزی غیرہ اذ لا یکون بیانا لان الدلیل وهو لفظ الذکر المامور بالسعی الیه لیس مجملًا لیقع فعله صلی اللہ علیه وسلم بیانا للمجمل فلم یکن فرضا تنزیلا للمشروعات علی حسب ادلتها ویؤیده ما رواہ قاسم بن ثابت السرقسطی فی غریب الحدیث عن

امام ابوحنیفہ کی دلیل ارشاد خداوندی فاسعوا الی ذکر اللہ ہے اس میں اس کی تفصیل نہیں کہ ذکر طویل ہو یا نہ ہو تو اب شرط جواز ذکر عام ہوگا۔ اس قطعی دلیل سے مگر ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ ہے کہ آپ ذکر کی دو فردوں طویل اور قصیر میں سے ایک فرد کو اختیار فرماتے یعنی ذکر طویل کو جس کو خطبہ اور موعظہ کہتے ہیں اور اسی پر مداومت بھی ثابت ہے تو یہ ذکر طویل واجب ہوگا یا سنۃ۔ یہ نہ ہوگا کہ کہ سوائے ذکر طویل کے اور کوئی کافی نہ ہو۔ اور یہ آپ کا دائمی عمل بیان نہ ہوگا۔ کیونکہ دلیل یعنی لفظ ذکر جس کا خطبہ میں حکم ہے مجمل نہیں کہ آپ کا فعل اس کے لئے بیان ٹھہرے۔ پس ذکر طویل نہ ہوگا۔ یہ فرق ہم نے اس لئے کیا ہے کہ تمام احکام کو ادلہ کے موافق اپنے اپنے درجہ میں رکھا جاوے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو قاسم بن ثابت سرقسطی نے غریب الحدیث میں حضرت

Marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ انہ سعد المنبر فقال الحمد للہ فارتج علیہ فقال ان اوّل کل مرکب صعب وانا ابابکر و عمر کانا یعدان لھذا المقام مقالا وانتم الی امام فعال اجوبہ وان اعش تاتکم الخطبۃ علی وجھھا انشاء اللہ تعالیٰ واستغفر اللہ لی ولکم ونزل وصلی ولم ینکر علیہ احد منھم فکان اجماعاً منھم علی عدم اشتراطھا وعلیٰ ان الحمد للہ یسمی خطبۃ لغۃ وان لم یسم بہ عرفا واللہ اعلم انتہی۔

عثمان سے روایت کی ہے کہ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور الحمد للہ کہنے پائے تھے کہ آگے نہ چل سکے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اوّل ہر سواری سخت ہوتی ہے ابوبکر و عمر اس موقع کے لئے کلام تیار کر کے لاتے تھے اور تم یہ نسبت گویا اور لسّان خطیب کے ایسے امام کے زیادہ محتاج ہو جو کام کرنے والا ہو اور اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ، تم خطبے بھی اسی طریقے سے سنو گے۔ میں خدا تعالےٰ سے تمہارے لئے اور اپنے لئے استغفار کرتا ہوں۔ یہ فرما کر منبر سے نیچے اُتر آئے اور نماز پڑھائی صحابہ میں سے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ (شرح الاحیاء مصری جلد ثالث ص۲۲۶)

اب یہ اجماع ہو گیا اس پر کہ ذکر طویل خطبہ کے لئے شرط نہیں ہے اور اس بات پر کہ الحمد للہ بھی لغۃ کے اعتبار سے خطبہ ہے۔ اگرچہ عرف میں اس کو خطبہ نہ کہتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب ابن ہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

فکان اجماعاً منھم اما علی عدم اشتراطھا واما علی کون الحمد للہ ونحوھا تسمی خطبۃ لغۃ و

پس یہ اجماع ہو گیا صحابہ کا یا تو اس بات پر کہ ذکر طویل شرط نہیں ہے، یا اس بات پر کہ الحمد للہ اور اس کے مثل لغۃ کے اعتبار سے خطبہ ہیں۔ اگرچہ عرف

Marfat.com

ان لم تسم به عرفا

کے اعتبار سے اس کا نام خطبہ نہ ہو۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

والخطاب القرانی انما تعلقه باعتبار المفهوم اللغوی لان الخطاب مع اهل تلك اللغة بلغتهم يقتضی ذلك ولان هذا العرف انما يعتبر فی محاورات الناس بعضهم ببعض للدلالة علی غرضهم فاما فی امر بين العبد وربه تعالیٰ فيعتبر فيه حقيقة اللفظ لغة

اور خطاب قرآنی کا تعلق مفہوم لغوی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس لئے کہ کسی قوم کی زبان میں خطاب کرنا اسی امر کو مقتضی ہے اور اسلئے کہ عرف کا اعتبار لوگوں کے باہمی محاورات میں ہوتا ہے جو ان کی غرض پہ دلالت کرے لیکن جو امر کہ بندے اور خدا تعالےٰ کے درمیان ہو اس میں حقیقت لفظ کا باعتبار لغت کے اعتبار ہوتا ہے۔

پس جبکہ ان تمام اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اصل خطبہ مطلق ذکر ہے۔ اور خطبہ سے مقصود حقیقی اور بالذات ذکر کے سوا اور کچھ نہیں تو عمرو کا یہ دعویٰ "کہ خطبہ کی غرض وعظ و تذکیر اور احکام کا سنانا ہے اور یہ غرض زبان مروجہ میں ہی خطبہ پڑھنے سے حاصل ہو سکتی ہے" بالکل صحیح نہیں ہے اور جو شواہد اس نے کتب فقہ و لغت سے پیش کئے ہیں وہ عبارات مذکورہ بالا سننے کے بعد کسی فہیم کے نزدیک مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ ہم ہر طرح سے تبلا چکے ہیں کہ خطبہ اصل لغت و شرع میں محض ذکر کا نام ہے۔ لیکن عرف عام اور رواج متعارف کی وجہ سے گاہ بگاہ اس کا اطلاق تجوزاً محض موعظۃ و تذکیر پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ہمارے محاورات کے موافق اگر کوئی شخص قرآن شریف کی ایک دو آیتوں کا ترجمہ چند سامعین کے

روبرو کردے یا وہ ایک دو مسئلہ فقہی بیان کرکے چلا جائے تو کوئی اس کو یہ نہیں کہتا کہ اس نے وعظ کہا کیونکہ عرف عام میں اب وعظ کے لئے چند خصوصیات ایسے ٹھیر گئے ہیں کہ ان کے بغیر عوام ہر ایک پند و نصیحت کو وعظ نہیں سمجھتے۔

پس جب خطبہ اصل میں محض ذکر کا نام ہوا تو اس کی ضرورت نہیں رہی کہ خطیب بعض سامعین کی رعایت سے قرآن اور رسول اور اہل جنت کی زبان چھوڑ کر انگریزی اور جاپانی میں خطبہ پڑھے۔

ایک شبہ اور اسکا جواب

اور اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ خطبہ سے اصل مقصود وعظ و تذکیر ہے تو جب کہ قرآن شریف جو کہ اُمّیین اور اخرین منھم لما یلحقوا بہم۔ کے لئے اتارا گیا ہے اور جس کے اتارنے والے نے اُس کے حق میں صاف کہدیا لیکون للعٰلمین نذیراً۔ اور جس سے مقصود سوائے تبلیغ عام اور احکام عامہ سنانے کے اور کچھ نہیں ہے وہ اس لئے عربی زبان میں اُترا کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ "اور تمام عجمیوں کے ذمہ یہ فرض ہوا کہ وہ جس طرح ممکن ہو اُس کو پڑھیں اور سیکھیں تو اگر فقہاء کرام خطبہ کی نسبت بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بلکہ تمام سلف و خلف کے عمر بھر کے تعامل کو دیکھ کر یہ حکم لگا دیں کہ وہ مسلمانوں کی سرکاری ہی زبان میں ہونا چاہیئے تو کیا بعید ہے۔ مسلمانوں کا فرض منصبی ہوگا، کہ اگر وہ اس

Marfat.com

وعظ و پند سے متمتع ہونا چاہتے ہیں تو اس سرکاری زبان (عربی) کو سیکھیں یا جاننے والوں سے دریافت کر لیں تاکم از کم خطبہ کا ترجمہ ہی یاد رکھیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فارس میں تشریف لاکر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے موطاء کی شرح میں تحریر فرمایا ہے اور شاید اس لئے امام رافعیؒ نے جو کہ اعیان شوافع میں سے ہیں کہا ہے کہ وھل یشترط کون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان الصحیح اشتراطہ فان لم یکن فیھم من یحسن العربیۃ خطب لغیرھا و یجب علیھم التعلم والاعصوا ولاجمعۃ لھم۔ منقول عن شرح الاحیار للسید مرتضی الزبیدی جلد ثالث صہ ۲۲۶ اور یہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما قادر علی العربیۃ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے تو صحیح نہیں۔

امام صاحبؒ اگرچہ صحیح کہتے ہیں لیکن پسندیدہ ان کے نزدیک بھی یہ ہے کہ عربی میں پڑھا جاوے۔ در مختار میں شروع فی الصلوٰۃ کے متعلق یہی خلاف نقل کر کے لکھا ہے۔ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ وجمیع الاذکار الصلوٰۃ۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب کوئی مضمون کسی عبارت میں ادا کیا جاوے تو مضمون کے ساتھ الفاظ اور اُن کی ترکیب بھی شریعت اور عقل و عرف کے اعتبار سے ایک بڑی حد تک قابلِ رعایت ہوتے ہیں قرآن شریف تو کلام الٰہی ہے۔ اس لئے مضامین کی محافظت کے ساتھ اس کے کسی ایک لفظ اور ایک شوشہ کو کوئی بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی

Marfat.com

تبدیل نہیں کرسکتا اور اگر اس کی تھوڑی سی بھی اجازت ہوتی تو یقیناً اس ترمیم و تغیر کا سلسلہ نالائقوں کے ہاتھوں سے اس حد پر جاکر منتہی ہوجاتا جہاں آج کتب عہد عتیق اپنے مترجمین اور ترجموں پر قناعت کرنیوالے پیروؤں مسلسل مساعی کی بدولت نظر آرہی ہیں۔

اس لئے ائمہ اسلام نے تو قرآن شریف سے بھی گذر کر رسول اکرم (فداہ ابی و امی) کے کلام میں بھی اس درجہ احتیاط کو کام فرمایا ہے کہ وہ تا امکان حدیث کی روایت باللفظ ہی کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جہاں کہیں ایسا نہ کرسکیں تو بسا اوقات او کما قال کہہ کر فارغ الذمہ ہوجاتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ یہ روایت کی کہ بنی الاسلام علی خمسۃ ان یوحد اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان والحج" مجلس میں ایک شخص نے اس کو یوں ادا کیا" والحج وصیام رمضان" تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں وصیام رمضان والحج ھکذا سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک دعاء تلقین فرمائی اس میں "ونبیك الذی ارسلت" یہ الفاظ بھی تھے، اُس نے اُس کے بجائے "ورسولك الذی ارسلت" پڑھا تو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے آپ نے اس پر انکار فرمایا اور "ونبیك الذی

Marfat.com

ام سلمت" کو پھر دوہرایا۔ ایک خطیب نے آپ کے عہد مبارک میں" ومن یعصہما فقد غوی" بجائے "من یعص اللہ ورسولہ" کے کہا تو آپ کی جناب سے اس کو "بئس الخطیب" کا خطاب ملا۔ ان چند نظائر سے جو نمونہ کے طور پر پیش کی گئی ہیں یہ خوب واضح ہوتا ہے کہ شریعت بیضہ نے مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ و عبارات کی بھی انتہا درجہ تک نگہداشت کی ہے اور ان کو محض لغو اور بیکار چیز تصوّر نہیں کیا۔

اس لئے بغایت ضرورت ہے کہ ہماری نمازوں اور ہمارے خطبوں وغیرہ میں بھی الفاظ و عبارات منقولہ کی علے حسب تفاوۃ الدرجات کامل نگرانی کی جائے خصوصًا خطبۃ الجمعۃ میں جسکو محققین نے بعض حیثیات سے دو رکعت ظہر کا قائم مقام قرار دیدیا ہے چنانچہ قدماء مشائخ حنفیہ میں سے بھی بعض حضرات کا یہ قول ہے مبسوط سرخسی میں منقول ہے " قال بعض مشائخنا الخطبۃ تقوم رکعتین ولھذا لا تجوز الا بعد دخول الوقت ۔

اگرچہ خود امام سرخسیؒ کے نزدیک یہ قول اس وجہ سے زیادہ صحیح نہیں کہ خطبہ میں استقبال نہیں ہوتا اور نہ اثنار خطبہ میں کلام کرنا اس کے لئے قاطع ہے اور نہ اس کے لئے وضو شرط ہے۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر نائب و منیب میں ایسی بجمیع الوجوہ مشاکلت شرط ہو تو شاید تیمم بھی وضوء اور غسل کا خلیفہ نہ بن سکے اور نہ جنازہ کی چار تکبیریں چار رکعتوں کے قائم مقام ہو سکیں۔ حالانکہ خود امام ممدوح نے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔

بہر حال محققین نے اُسی کو اپنے موقع میں مرجح سمجھا ہے کہ خطبۃ الجمعۃ دو رکعت ظہر کے قائم مقام ہے۔ اسی اعتبار سے اس میں عربی زبان کی رعایت اور بھی اہم ہوئی جاتی ہے۔

خطبہ عربی زبان میں عقلی طور پر

ادھر عقلی حیثیت سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ جو کہ بہت بڑا شعار اسلام ہے۔ عربی ہی میں پڑھا جاوے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اقوام عالم میں سے کسی قوم کو جب خدا تعالیٰ دنیا میں ترقی عنایت فرماتا ہے، تو اُس کے تمدّن کے سامنے تمام دوسری اقوام کی گردنیں طوعاً و کرہاً جھک جاتی ہیں اور اُس کے آثار قاہرہ کا تسلط خود بخود بنی نوع انسان کی حالتوں پر قائم ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قوم چلی جاتی ہے لیکن اس کے آثار نہیں جاتے اور وہ مٹ جاتی ہے مگر اس کی یادگاریں نہیں ٹلتیں۔

زبان کا اثر اقوام پر

پس جبکہ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے عرب سے نکل کر چار دانگ عالم میں اپنے مذہب کی منادی کرنے کے لئے بڑھے تو اُن کا علم عظیم الشان تمدن بھی اُن کے ساتھ ساتھ چلا اور جہاں جہاں اُن کے مبارک قدم پہنچتے گئے تو ان کی حکومت کے ساتھ ان کا مذہب اور اُن کا تمدّن بھی اپنے قدم جماتا گیا۔ اکثر بڑی بڑی اقلیموں کے تمدّنوں کو مٹا

Marfat.com

کر اسلامی تمدّن نے اُن کی جگہ لے لی۔ زبان چونکہ سیاستِ مُدن کے ماہرین کے نزدیک انسانی تمدّن کا ایک جزوِ اعظم ہے اس کی وسعت اثر کو کسی قوم کی ترقی و تنزل کے جانچنے میں بہت زیادہ دخل ہے اور مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی میں (جس کو ہم اس وجہ سے کہ اُن کا مذہب ہی اُن کی قومیت ہے اُن کی قومیت ہے اُن کی قومی زبان بھی کہہ سکتے ہیں) قدرتی طور پر کچھ قبولیت عامہ حاصل کرنے کی استعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ جب عربوں کا گذر کسی ملک پہ ہُوا تو یہ بہت حیرت سے دیکھا جاتا ہے، کہ اُن کی قومی اور مذہبی زبان عربی وہاں ایسی مقیم ہوئی کہ اُن کے رخصت ہونے کے بعد بھی اُس نے اپنی حکومت وہاں سے نہیں اٹھائی۔

ڈاکٹر گستاولی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عربی کی نسبت کہا ہے۔ یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے۔ عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کے قدیم زبانوں، یعنی سریانی، یونانی، قبطی، بربری۔ وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوئی تھیں۔ ایران کے کل علوم مذہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ ایشیائے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسط میں زبان

Marfat.com

لاطینی کی حالت یورپ تھی۔ ترکوں نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کئے انہیں کی طرز تحریر اختیار کر لی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔

یورپ کے لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہے جہاں عربی زبان نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لی لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بیّن آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کر لی ہے۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی نہایت درست لکھتے ہیں کہ "ادورن اور موژبین کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہو گئے ہیں اور اُن کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔ فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنہوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ "جنوبی فرانس میں عربوں کے قیام کا کوئی اثر نہ محاورہ پر رہا ہے نہ زبان پر۔ جو فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے اس سے معلوم ہو گا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں۔ انتہی۔ خیال کرو کہ اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہوتے کہ خطبہ جس زبان میں چاہو پڑھو اور نماز جس لغت میں مناسب سمجھو ادا کرو اور قرآن و حدیث وغیرہ کے پُر مغز اور متبرک الفاظ سے قطع نظر کر کے محض اس کے مضامین و احکام سے سروکار رکھو تو کیا واقعی مسلمانوں

کے عروج وفروغ کی یہ عبرت انگیز کہانی جس کے بیان میں ایک نصرانی مورخ اتنا رطب اللسان ہے۔ دنیا میں آج تک باقی رہتی اور اسلام کی نہیں بلکہ اس کی اصلی ہیئت کی اُس آن بان کو جو اس وقت بھی ویران کنڈروں میں اپنی پرانی شان دکھا رہی ہے کسی مسلم یا کافر کی آنکھیں دیکھ سکتیں۔ سچ یہ ہے کہ ہم نے قرآن شریف یا حدیث یا خطبہ وغیرہ عربی زبان میں پڑھ لینے کو آج تک کلمۃ الاسلام کے اتحاد میں کچھ بھی موثر نہیں سمجھا حالانکہ ذرا سی بات کی قدر وقیمت فرانس کے اس عیسائی مورخ سے پوچھو جو اپنے سہما دینے والے لہجہ میں کہتا ہے کہ ان مختلف اقوام عالم میں جو اسلامی قانون کے پابند ہیں دو چیزوں سے باہم اتفاق پیدا کر رکھا ہے۔ اولاً زبان عربی اور ثانیاً حج بیت اللہ جہاں عالم کے مسلمانوں کو یکجا ہونا پڑتا ہے۔ ہر ایک مسلمان کو گو وہ کسی فرقہ کا کیوں نہ ہو ضرور ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ سکے اور اسی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ زبان عربی تمام عالم میں مروج ہے اگرچہ پیروانِ اسلام اس وقت بہت ہی مختلف اقوام اور راجیال کے اشخاص ہیں لیکن ان سب میں ایک قسم کا اندرونی تعلق ہے جس نے ان کو دینی اخوت کا رشتہ میں بالکل جکڑ بند کر رکھا ہے اشاعتِ قرآن اور دینِ اسلام کی حیرت انگیز سرعت نے مؤرخین مخالف کو نہایت تعجب میں ڈالا ہے۔ ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو اُن کے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی اور اقوام نے بھی مثل بربریوں اور ترکوں کے

ملک گیری کی ہے لیکن انہوں نے کوئی تمدّن قائم نہیں کیا اور اُن کی ساری ہمت اس میں مصروف رہی کہ جہاں تک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اٹھالیں۔ برخلاف اس کے عربوں نے ایک قلیل زمانہ میں جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور انہوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدّن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان سیکھنے پر آمادہ کر دیا عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کی سی قدیم اقوام نے اُن کا دین ان کا لباس ان کی معیشت بلکہ اُن کا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا عربوں کے بعد بہت سی اقوام نے انہیں خطوں پر حکومت کی مگر پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اس وقت تک ان ملکوں میں باقی ہے۔ کل ممالک افریقہ اور ایشیا میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اثر ان ملکوں پر ہمیشہ کیلئے قائم ہو گیا ہے۔ بہت نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ ان سے عربوں کے مذہب اور عربوں کی زبان کو ہرگز ہرگز نہیں مٹا سکے۔

الغرض ایک محقق اور عقلمند آدمی ہمارے تمام سابق بیانات سے اس کو خوب سمجھ سکتا ہے کہ شرعی اور تمدّنی دونوں حیثیتوں سے زید کی رائے صحیح اور عمرو کا خیال غلط ہے اور یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہر ایک زبان میں خطبہ اور قرآن پڑھنے کی رائے دیکر مسلمانوں میں تفرق و تشتت کا ایک کر یہ منظر رونما کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

Marfat.com

عربی زبان سے ناواقف لوگوں کی مثال

۲ : ایسے مسلمان جو عربی زبان سے ناواقف ہوں اور قرآن پاک کے معانی کو نہ سمجھتے ہوں وہ برابر احکام شرعیہ کے اسی طرح مکلف ہیں جس طرح انگریزی قانون کو نہ پڑھ سکنے اور نہ سمجھ سکنے والوں پر بھی اسکا اتباع حکومت کی طرف سے ضرور ہے۔ کیونکہ جب قانون عام بن گیا تو ہر ایک فرد رعایا کا یہ فرض ہے کہ وہ اس کو جس طریق سے ممکن ہو معلوم کرے۔ تبارك الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیراً ایسے لوگوں کی نماز وغیرہ نہ معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں واللہ اعلم۔

جمعہ کی نماز میں کسی خاص سورت کی تعیین

۳ و ۴ : عام قاعدہ تو جماعت کے متعلق وہی ہے جس کو آپ نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے کہ "من امّ منکم فلیخفف فان فیہم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ" اور بالخصوص جمعہ اور عیدین میں آپ سے "سبح اسم ربك الاعلیٰ" اور "ھل اتٰك حدیث الغاشیۃ" پڑھنا ثابت ہے اور جمعہ میں سورۂ "منافقون" بھی پڑھنا ثابت ہے باقی ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کسی سورت کی توقیت مناسب نہیں۔ اس کی مفید تشریح حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مصفیٰ شرح موطا میں اس طرح کی ہے کہ "در پیش مالکیہ و شافعیہ مستحب ست قرأۃ سورۂ جمعہ و منافقون

وہمچنیں قرأۃ بسبح اسم وغاشیہ وحنفیہ توقیت بعض قرآن را ببعض صلوٰۃ مکروہ داشتند وتفسیر کلام ایشان چنانچہ محققان نوشتہ اند آن ست کہ ایں کراہت درصورتے ست کہ بغیر آن نماز را جائز ندارند یا قرأۃ بغیر آں مکروہ شمار دواگر بجہت آسانی یا تبرگا بقرأۃ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم التزام کند ہیچ باک نیست لیکن می باید کہ گاہ گاہ غیر آں نیز خواندہ باشد تا جاہلان از ارکان صلوٰۃ نشمارند" واللہ اعلم۔

نماز میں قرأت کی کمی وزیادتی

۵: اسباب عوارض عمومیہ کی وجہ سے جن سے کم کوئی جماعت خالی ہو سکتی ہے تخفیف قرأت اصل ہے اور طول لعذر لیکن اصل حقیقت صلوٰۃ کے اعتبار سے جو کہ محققین نے بیان کی ہے۔ طول اصلی ہے اور تخفیف لعذر" وتفصیلہ یطلب من کتب المحققین کالشیخ العلامۃ مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس سرہٗ۔

قرآن شریف بغیر معنی سمجھے پڑھنا

۶: جو شخص قرآن پاک کے معانی نہ سمجھے اس کو بھی قرآن شریف ضرور پڑھنا چاہیئے اور بیشک اس کو ثواب ملتا ہے جامع ترمذی میں ہے من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الٓمٓ حرف بل الف حرف ولام حرف وحرف میم حرف اس کے سوا

Marfat.com

اور بھی روایات ہیں جن کے سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نفس الفاظ وحروف کا تلفظ کرنے پر بھی ثواب ملتا ہے تطویل کے خیال سے اُن کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ خادم دار العلوم دیوبند سنہ ۱۳۴۳ھ

الجواب صحیح۔ بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

للہ در الفاضل المجیب ما احسن۔ اجاب۔
(حضرت مولانا الاستاذ العلامہ) محمود حسن عفی عنہ
(زید مجدہم السامی صدر مدرس دار العلوم دیوبند)

للہ در العلامۃ المجیب المصیب زحزح عن الحق حتی قد بین الصبح لذی عینین۔
(حضرت مولانا) محمد انور شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مدرس دار العلوم دیوبند۔

Marfat.com

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ط

اور شمس جاری رکھتا ہے اپنے نور کو اپنے مستقر کیلئے اپنی مدت مقررہ میں یہی عزیز و علیم کا نقشہ انتظام ہے

سجود الشمس

حدیث سجود الشمس پر ایک بصیرت افروز مقالہ

از

شیخ التفسیر حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

مع مقدمہ

مولانا سید حسن صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسّر ولا تعسر و تمّم بالخیر

حدیث سجود الشمس

الحمد للہ ربّ الشمس والقمر وربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا شمس العالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ نجوم الھدایۃ والیقین۔

امّا بعد .... اس عالم دنیا میں جو کائنات کا وجود ہے دراصل وہ وجود ظلی ہے اور درحقیقت کل کائنات پر نیست و فناطاری ہے۔

صاحب روح المعانی نے کل شیٔ ھالک الّا وجھہ کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ ممکنات بتمامہا ہر آن میں ھالک بالذات ہیں کیونکہ غیر اللہ کا وجود بالذات نہیں بلکہ وہ واجب تعالیٰ کے ارادہ کی جانب منسوب ہے اس لیے ہر آن میں وہ قابل عدم ہے اس لئے وجود ممکنات مثل معدوم کے ہے اسی طرح اگر ہم اس عالم دنیا کی سب سے زیادہ تاباں اور منور مخلوق جن کو کواکب کہتے ہیں ان کی جانب نظر کرتے ہیں تو ان کا طلوع و غروب کا نظام بھی اس کا شاہد عدل ہے کہ ان کا وجود رب کائنات کی قدرت سے وابستہ ہے جب وہ چاہتے ہیں تو ستاروں کو منور فرما کر عالم کو نور بخشتے ہیں اور جب چاہتے ہیں حجاب غروب میں مستور اور محجوب بنا دیتے ہیں۔ کواکب کے تابع فرمان ہونے کی ایک دلیل

Marfat.com

یہ بھی ہے کہ شمس جس کو منیرا عظم کا لقب دیا جاتا ہے اس کے غروب کے بعد کا حال صحیح بخاری کی روایت میں اس طرح منقول ہے۔

حدیث ابوذر بروایت البخاری :۔

عن ابی ذرؓ قال کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد عند غروب الشمس۔

فقال یا اباذر اتدری ؟ این تغرب الشمس قلت اللہ ورسولہ اعلم۔ قال فانہا تذہب حتیٰ تسجد تحت العرش فذلک قولہ تعالیٰ والشمس تجری لمستقر لہا۔

اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد تحت عرش الٰہی سربسجود ہو کر مزید طلوع اور گردش کی اجازت طلب کرتا ہے۔

ربِ اکبر کی اجازت دینے کے بعد پھر دوبارہ کائنات پر ضیا باری اور نور افشانی میں مصروف ہو جاتا ہے اور روزانہ غروب کے بعد بدستور سابق سجدہ کر کے اجازت طلوع طلب کرتا ہے۔ قرب قیامت میں سورج کی رجعت قہقری کا امر ہوگا۔ لہذا بجائے مشرق سے طلوع کرنے کے مغرب سے طلوع کرے گا

اس مقدس کلام نبوی کو مع متن و ترجمہ کے علامہ عثمانیؒ نے اپنے مضمون میں ذکر فرمایا ہے۔ مگر وہ طبقہ جس کو عقل کی غلامی پر فخر حاصل ہے اور صاحب شریعت کے کلام کو معیار عقل سے وزن کرنے کے بعد اس کی تصدیق کی زحمت گوارہ کرتے ہیں وہ ایسی صحیح اور معتبر خبر کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے

ہیں اور عقل نارسا ان کو چند اوہام وشبہات میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) سورج تو دائماً متحرک ہے اس کا غروب حقیقتاً کبھی نہیں ہوتا، تو جب غروب ہونا محقق نہ رہا تو یہ کہنا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد سجدہ کرتا ہے۔ کیسے درست ہوگا؟۔

(۲) سورج میں عقل وادراک کہاں ہے کہ وہ سجدہ کرنے کی حقیقت سے آگاہ ہو اور اجازت طلب کرنے کی حقیقت اور اس کے فوائد کا ادراک کر سکے۔

(۳) جب سارے آسمان عرش الٰہی کے تحت واقع ہیں جیسا کہ عقیدۂ اہل اسلام ہے تو پھر عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

(۴) جب سورج سجدہ میں مصروف رہے گا تو نظام عالم کا تعطل ہونا ضروری ہے کیونکہ سجدہ کی حقیقت وقوف وسکون کو چاہتی ہے تو اس حدیث شریف سے لازم آتا ہے کہ کچھ ساعت تک روزانہ حرکت شمسی منقطع ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حقیقت علمأ ہیئت کے اصول کے مطابق درست نہیں۔ یہ وہ شبہات ہیں جن کی وجہ سے غلامان عقل ودانش فجر صادق کے سچے کلام میں کاذب اور بے معنی وساوس اور شبہات پیش کرتے ہیں۔

ہم بعونہ تعالیٰ وتوفیقہ ان شبہات کے ازالہ کے لئے ایسے جواب تحریر کرتے ہیں جو کہ بشرط فہم سلیم موجب سکون قلبی اور تصدیق ہوں۔ ہر شبہ کا جواب ترتیب وار پیش کیا جاتا ہے اور جواب کے ساتھ پہلے شبہ لکھا گیا ہے تاکہ ناظرین کو

Marfat.com

مطالعہ کرنے میں سہولت ہو۔

شبہ اول

سورج جب ہمیشہ متحرک ہے اور اس کا غروب حقیقتاً کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ایک ملک اور ایک جگہ پر سورج غروب ہوتا ہے تو دوسرے ملک اور دوسری جگہ میں طلوع ہوتا ہے تو جب آفتاب کے لئے غروب ہی ثابت نہیں تو پھر حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں یہ فرمانا کہ:۔ حتیٰ اذا غربت .... کیسے صحیح ہوگا۔

جواب

ممکن ہے فرمان نبوی میں معظم العمورہ کا غروب مراد ہو۔ یعنی ایسا زمانہ جب اکثر حصۂ آبادی سے آفتاب چھپ جاتا ہے اسی کو غروب سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے سامنے آپؐ جب یہ ارشاد فرما رہے ہیں تو ان کے لحاظ سے غروب کے وہی معنی لئے جا سکتے ہیں جو فہم سامع کے قریب تر ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خاص مدینہ منورہ کا بھی غروب مراد ہو جس کا قرینہ یہ ہے کہ حدیث ابوذرؓ میں یہ کلمات مذکور ہیں۔ کنت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد یعنے ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ موجود تھا۔ بہر حال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ غروب استعمال فرمایا ہے وہ فن ہیئت کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہے کہ غروب حقیقی مراد لیا جائے جس پر شبہ کی بنیاد قایم کی گئی ہے۔

شبہ دوم

سورج میں عقل و ادراک نہیں پھر سجدہ کرنا کیا معنی؟ اور اسی طرح اجازت طلب کرنا تو عقل و شعور کو

چاہتا ہے سورج اور اسی طرح تمام سیارے عقل و دانش سے محروم ہیں تو پھر شارع علیہ السّلام نے سورج کے لیئے سجدہ کرنے اور اجازت طلب کرنے کا حکم کس طرح بیان فرمایا ہے۔

جواب یہ تصوّر غلط ہے کہ سورج اور سیارات میں بالکل شعور و ادراک نہیں بلکہ متعدد آیات قرانیہ و روایات نبویؐ سے یہ بات ثابت ہے کہ سورج و سیّارات میں شعور و ادراک ہے گو انسان جیسا شعور و ادراک نہیں جس سے وہ مکلّف ہو۔ لہذا وہ قوت ادراکی کے اعتبار سے حق تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہو اور ممکن ہے کہ اس سجدہ کے معنی سجدۂ حسی وضع الجبھۃ علی الارض نہ ہو بلکہ سجدہ روحانی جس کی حقیقت خشوع خضوع ہے مراد ہو۔

سجدہ سے مراد سجدۂ روحانی ہونے پر بعض الفاظ روایت دلالت کرتے ہیں جس کو محدّث ابن رزاق کے حوالہ سے ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں حَتّیٰ اِذَا غَرَبَتْ سَلَّمَتْ وَسَجَدَتْ وَاِسْتَاذَنَتْ فَیُؤْذَنُ لَھَا۔ (یعنی) یہاں تک کہ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو سلام کرتا ہے سجدہ کرتا ہے اور اجازت چاہتا ہے۔ تب اس کو دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت ملتی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام اور سجدہ اور اجازت طلب کرنے سے اس کا مقصد اپنے ظاہری اور باطنی حال سے انقیاد ربّانی اور تابع فرمان ہونے کو ظاہر کرنا ہے تو جیسا کہ سورج کے گرہن کے وقت سارے عالم کے سامنے سورج کی عاجزی اور کمال نورانیت میں ربّ اکبر کا محتاج ہونا

Marfat.com

کھلی آنکھوں سامنے آجاتا ہے اسی طرح روزانہ سورج غروب ہونے کے بعد سورج پر تذلل وانقیاد کی ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے جس کو حدیث میں سجدہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم ۱۲۔

یہ لطیف توجیہہ جو ہم نے پیش کی ہے حضرت مرشدی ومولائی حکیم الامت نے بیان القرآن میں ان الفاظ سے ذکر فرمائی ہے۔ "چونکہ ظاہری آیات و روایات سے ان مخلوقات میں بھی من وجہ شعور ہونا ثابت ہے تو اسی قوت شعوری کے اعتبار سے حق تعالیٰ کے حضور میں خشوع وخضوع عرض ومعروض کرتا ہو پس سجدہ سے یہ مراد ہو اور سہل یہی ہے کہ اس کی روح کو ساجد کہا جائے تو بہت سے شبہات کا استیصال ہو جائے گا" (سورۂ یٰسین تفسیر بیان القرآن)۔

شبہ سوم

جب سارے آسمان عرش الٰہی کے تحت واقع ہیں جیسا کہ عقیدۂ اہل اسلام یہی ہے پھر غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے پہنچنا اور سجدہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟۔

جواب

یہ صحیح ہے کہ سارے آسمان عرش الٰہی کے تحت واقع ہیں، سورج ہمیشہ عرش الٰہی کے تحت رہتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں عرش الٰہی کا کوئی خاص مقام قرب خداوند تعالیٰ مراد ہو جس کے لیے قرینہ یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر نے بروایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے جس کے کلمات یہ ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فانہا تذھب حتیٰ تسجد بین یدی ربہا عزوجل فتستأذن للرجوع فیوذن لہا (ترجمہ) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج غروب ہونے کے بعد چلا جاتا ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ

Marfat.com

کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ پھر اجازت طلب کرتا ہے واپسی کی (پھر) اس کو دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت دیدی جاتی ہے۔

اس روایت نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ تحت عرش کا کوئی مخصوص مقام مراد ہے جس کو حدیث میں تحت العرش کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور فلسفی اصطلاح کے اعتبار سے اگر یوں کہا جائے کہ تحت عرش جو حدیث میں آیا ہے اس سے مراد وہ نقطۂ تحت ہے جس کو فلاسفہ تحت حقیقی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، تو پھر اس عقلی شبہ کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جتنے سماوات عرش کے تحت واقع ہیں ان کو تحت العرش کہہ سکتے ہیں مگر تحت اضافی کیونکہ فلاسفہ کی اصطلاح کے اعتبار سے تحت حقیقی فقط ایک نقطہ ہی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

اور حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تحت العرش کی قید جو حدیث میں آئی ہے وہ مخصوص بالذکر نہیں ہے بلکہ اصل مقصد سورج کے سجدہ کرنے کو بیان کرنا ہے۔ حضرت والا دامت برکاتہم کی عبارت بعینہ یہ ہے۔

عبارت:۔ تخصیص مقصود ہونا ضروری نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ قید واقع ہی ہوا اور اصلی مقصود اخبار عن السجدہ ہو اور اس تعبیر سے یہ فائدہ ہو کہ اس سے تحت امر الٰہی ہونے کی تصریح ہو گئی کیونکہ استویٰ علی العرش کا کنایہ ہونا نفاذ احکام و تصرفات سے آیات عدیدہ میں مذکور ہے۔ (بیان القرآن تفسیر سورہ یٰسین)۔

Marfat.com

شبہ چہارم

جب سورج سجدہ کرے گا۔ جتنی دیر تک سجدہ میں مصروف رہے گا تو حرکت شمسی باقی نہ رہے کی کیونکہ سکون طاری ہوگا۔ حالانکہ دلائل رصدیہ سے حرکت شمسی کا منقطع نہ ہونا ثابت ہے۔

جواب

یہ ہے کہ جب سجدہ کی حقیقت سجدہ روحانی ہے جیسے شبہ سویم کے جواب میں مفصل گذرا تو ظاہر ہے کہ اس سجدہ کے لیے وقوف وسکون ضروری نہیں ہے اور قرینہ اس معنی کے لیے یہ ہے کہ روایت میں یہ کلمے موجود ہیں:۔ حتیٰ تسجد فتستاذن فی الرجوع فیوذن لھا جس کا حاصل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جب وہ سجدہ کرتا ہے تو اجازتِ رجوع میں اور سجدہ میں کوئی خاص زمانہ فاصل نہیں ہوتا ورنہ حتیٰ تسجد کے بعد بجائے فتستاذن کے ثم تستاذن ہوتا جیسے کہ اہل عربیت پر یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ثم تراخی کیلئے اور فا تعقیب کے لیے آتی ہے اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حکیم الامت مرشدی نور اللہ مرقدہ نے اس شبہ کے جواب میں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ سکون آنی ہو اور حرکت زمانی ہو اس لیے حساب رصدی مختل نہ ہوتا ہو اور نہ وہ منضبط اور مدرک ہوتا ہو۔ انتہیٰ۔ (تفسیر بیان القرآن سورۂ یٰسین)

اس معنی کے لیے قرینہ یہ ہے کہ جس شب کے بعد سورج مغرب سے طلوع کرے گا اس سلسلہ میں جو روایت آئی ہے اس روایت کے کلمات یہ ہیں۔

فتحبس ماشاء اللہ ان تحبس ثم یقال لھا اطلعی من حیث غربت۔

(تفسیر ابن کثیر سورہ یٰسین)

ترجمہ:۔ پھر اللہ تعالیٰ جس زمانے تک سورج کو روکنا چاہیں گے روک لیں گے۔

Marfat.com

پھر سورج سے کہا جائے گا کہ جہاں سے تو نے غروب کیا ہے وہیں سے طلوع کر۔
اس روایت کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اس وقت میں سورج سجدہ میں جو مشغول ہوگا اور اجازت طلب کرے گا تو اس کے لیے ایک زمانہ وقوف کا ہوگا۔ اس کے بعد اسکو طلوع کی اجازت دی جائے گی چنانچہ فتحبس ماشاء اللہ ثم یقال لما اطلعی اس پر قرینہ ہیں۔

ان شبہات کے جواب کے بعد یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ حدیث نہایت درجہ صحیح ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے کتاب التفسیر میں والشمس تجری لمستقر لہا کے تحت اس کو نقل فرمایا ہے۔ تو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سند صحیح سے پہنچ جائے تو وہ واجب التسلیم ہے۔ اگر چہ اس میں انسانی فہم ودانش سمجھنے میں کوتاہی کرے۔ کیونکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ "ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ"

بحمداللہ اس تفصیل کے بعد عقل سلیم کو اس حدیث شریف کے ماننے میں ذرہ برابر مجال انکار نہ ہوگا۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی اقوال مذکور ہیں جن کو حافظ ابن کثیرؒ نے ذکر فرمایا ہے لیکن تفسیر مذکور چونکہ صحیح بخاری میں منقول ہے لہذا نہایت معتبر اور قابل اعتماد ہے چنانچہ صاحب لمعات فرماتے ہیں:۔

قد ذکر لہ فی التفاسیر وجوہ غیر ما فی ھذا الحدیث ولا شک ان ما وقع فی الحدیث المتفق علیہ۔ ھو المعتبر والمعتمد۔

ترجمہ:۔ اس آیت کی بہت سی تفسیریں علاوہ اس تفسیر کے جو اس حدیث میں مذکور ہے نقل کی گئی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو حدیث متفق علیہ میں

Marfat.com

مذکور ہے وہ معتبر اور نہایت معتمد ہے انتہی۔

لہذا ناظرین سے گزارش ہے کہ اس حدیث کو جس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے آیت کریمہ کی تفسیر راجح سمجھیں۔ اور جو شبہات اس پر پیش آئیں ان کے جوابات پر غور کر کے اطمینان قلبی حاصل کریں۔ رہا کائنات کے اسرار اور شمس کے حقایق کونیہ اور اس کے انقلابات اور اس کے سجدہ کرنے کی کیفیت وغیرہ اگر ہمارے ناقص عقل وفہم میں بھی نہ آئے تو شارع علیہ السلام کے خبر دینے کے بعد اس کا یقین کر لینا ہی سعادت دارین ہے۔

جیسے سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن عادت از کار تو

اب ہم اس مضمون کو عارف شیرازی کی اس عارفانہ نصیحت پر ختم کرتے ہیں۔

حدیث مطرب ومی گو وراز دہر کم ترجو
کہ کس نہ کشود ونکشاید بحکمت ایں معمرا

سبحانك لاعلم لنا الا ما علمتنا انك انت العلیم الحکیم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وبارك وسلم تسلیما کثیراً کثیراً۔

حررہٗ سید حسن عین الحوادث والفتن ... رضی عنہ ذوالمنن
ابن مولانا حبیب حسن۔ المدرس دارالعلوم الدیوبندیہ۔

Marfat.com

مضمون

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

منجملہ ان پیچیدہ اور معرکۃ الآرا مباحث کے جن میں فلسفۂ طبعی نے ہمیشہ حکمتِ الٰہیہ سے مزاحمت کی ایک مسئلہ آفتاب کے زیرِ عرش سجدہ کرنے کا ہے۔ جس کا تعلق صحیح روایاتِ حدیثیہ کے موافق اس آیت سے ہے جو مضمون ہذا کے عنوان میں لکھی گئی ہے

اس کا مفصل واقعہ وہ ہے جو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-

کنت مع النبی صلی اللہ علیہ و	میں غروب آفتاب کے وقت رسول اللہ
سلم فی المسجد عند غروب الشمس	صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھا، آپ نے
فقال یا اباذر اتدری این تذھب	فرمایا کہ ابوذر جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے، میں
ھذا الشمس قلت اللہ ورسولہ	نے (ازراہ ادب) عرض کیا کہ خدا اور خدا کا رسول زیادہ
اعلم قال تذھب لتسجد فتستاذن	جانتے ہیں، فرمایا کہ یہ جاتا ہے اور چلتا رہتا ہے یہاں
فیوذن لھا فی الرجوع کما جاء	تک کہ زیرِ عرش اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ پس سجدہ
کما فی الروایۃ الترمذی و احمد)	میں گرتا ہے اور خدا سے اس کی اجازت حاصل کرتا ہے
ویوشک ان تسجد فلا یقبل منھا	کہ جیسے آیا ہے اسی طرح چلا جائے چنانچہ اس کو اجازت
وتستاذن فلا یوذن لھا فیقال	دی جاتی ہے اور قریب ہے کہ قیامت کے نزدیک،

Marfat.com

لها ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربها فذلک قولہ عزوجل والشمس تجری لمستقر لها۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

وہ سجدہ کرے گا لیکن قبول نہ ہوگا اور اجازت چاہے گا مگر نہیں ملے گی اور کہا جائے گا کہ جدھر سے آیا ہے ادھر ہی پھر لوٹ جا چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہو گا۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ کے اس قول میں والشمس تجری لمستقر لہا۔

یہ روایت جس کو ہم نے فقط صحاح کی کتابوں سے نقل کیا ہے اپنے ثبوت میں نہایت محکم اور مضبوط اسناد رکھتی ہے۔ اور ہر ایسے شخص کے حق میں برہان قاطع ہے جو روایات کے رد و قبول میں کسی معقول ضابطہ کا پابند ہو۔ خصوصاً آجکل جب کہ ملک میں متواتر تجربوں کے باوجود ریوٹر کی تار برقیوں سے متاثر ہونے والوں کی تعداد خوش قسمتی سے بہت زیادہ پھیل چکی ہے۔

مفسرین اور ارباب حدیث نے اس بارہ میں اگرچہ اور بھی روایات بکثرت فراہم کی ہیں جن کا استیعاب غالباً شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب الہیئۃ السنیہ سے زیادہ کسی دوسری جگہ نہ ہوگا۔

لیکن افسوس ہے کہ عامہ محدثین بلکہ مفسرین تک کو بھی اس کی صحت پر چنداں اطمینان نہیں۔ اور بالفرض اگر ایسی نقول کا اعتبار ہو فرقہ امامیہ کی بے سر و پا مگر عجیب و غریب روایات پر وثوق کیا جائے انہوں نے اپنی نام نہاد احادیث میں سورج کے سجدہ کرنے اور روزانہ طلوع کی اجازت چاہنے کا جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا سننا فنِ ہیئت کے ایک طالبعلم

Marfat.com

کے واسطے نہایت دلچسپ ہوگا۔

ان روایات میں بتلایا گیا ہے کہ سورج کے اندر ستر ہزار کلالیب (آنکڑے) لگے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو ستر ہزار فرشتے تھامے رہتے ہیں اور اس طرح سے یہ لاکھوں فرشتوں کا لشکر جرار آفتاب کو کھینچ کر مشرق سے مغرب کو لے جاتا ہے، پھر وہاں پہنچ کر اسی میں سے یہ فرشتے نور کھینچ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ سورج کالاتوا سا ہو کر سجدہ میں گر پڑتا ہے تب فرشتے اپنے پروردگار سے اس کو دوبارہ خلعت نورانی پہنانے کی بابت دریافت کرتے ہیں اور یہ بھی پوچھتے ہیں کہ آیا اس کو پورب کی طرف سے نکالا جائے یا پچھم سے اور آج کے دن کے واسطے روشنی کی کتنی مقدار اس میں ودیعت کی جائے۔ ان سب سوالات کا خدا تعالیٰ اپنی مرضی کے موافق جیسا چاہتا ہے جواب مرحمت فرماتا ہے اور وہ ملائکہ اس حکم کو نہایت مستعدی کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ اور طلوع و غروب کی یہ عجیب داستان بارہ مہینے اسی طرح دہرائی جاتی ہے۔

مگر میرے خیال میں اس قسم کی مذہبی حکایات جو سر تا پا حکمت ریاضی کو شرمندہ کرنیوالی ہیں شاید اتنی زیادہ عجیب نہ سمجھی جائیں جتنا کہ رئیس طائفہ امامیہ کا یہ حیرت انگیز دعویٰ کہ یہ تحقیق جو سورج کی نسبت اوپر بیان ہوئی اہل ہیئت کے اقوال سے سرمو بھی مخالفت نہیں رکھتی۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ ہیئت کے مسائل دیکھنے والے کو اس قسم کے ادعاء پر زیادہ ہنسنے کا استحقاق ہے یا خود ہیئت والوں کے قہقہہ

Marfat.com

لگانے پر۔

ہاں یہ بہت ممکن ہے کہ اہل ہیئت سے اس رئیس الطائفہ کی مراد نہایت ہی قدیم زمانہ کے وہ لوگ ہوں جن کا خیال سر رابرٹ بال کے الفاظ میں یہ تھا کہ "یہ ہماری زمین ایک بڑا ہموار اور مسطح میدان ہے جو ہر طرف بے حد پھیلا ہوا ہے" اس لیے وہ بڑے حیران و پریشان ہوتے تھے کہ سورج دن کو نکلتا اور آسمان پر گردش کرتا ہے مگر رات کو کہاں چلا جاتا ہے۔ ان کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اترتے اترتے کہیں دور سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا تو سورج کی گرمی پانی میں ساری بجھ جاتی اور اس کی تپش ہی جاتی رہتی۔ قدیم زمانہ کے بعض لوگ یہاں تک کہا کرتے تھے کہ جب آفتاب شام کے وقت سمندر میں جاکر ڈوب جاتا ہے تو ہمکو اس کی بڑی خوفناک سنسناہٹ کی آواز تک سنائی دیتی ہے۔ جیسے کہ جب تپا ہوا لوہا پانی میں بجھایا جاتا ہے۔ مگر اس خیال میں ایک بڑی خرابی یہ پیش آتی تھی کہ اگر سورج ہر روز شام کے وقت مغرب میں سیکڑوں کوس کے فاصلے پر سمندر میں جا کر ڈوب جاتا اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو کسی طرح دوسرے روز صبح کو سیکڑوں کوس پرے مشرق میں بالکل ویسے ہی زور کی تپش کے ساتھ نکل کر چمکنے لگتا ہے۔ اس معمہ کو کوئی حل نہ کر سکتا تھا۔ بعض یہ کہتے تھے کہ نہیں صاحب سورج جو آج صبح کو یورپ میں چمکتا ہوا نکلا ہے وہی سورج نہیں ہے جو کل شام کے وقت مغرب میں ڈوب گیا تھا بلکہ ایک اور نیا سورج ہے۔ دیوتا لوگ ہر روز صبح کو بڑی دور مشرق میں ایک نیا آفتاب چلا

Marfat.com

دیتے ہیں۔ پھر وہ دن بھر اپنا دورہ پورا کر کے شام کے وقت مغرب میں جا کر مر جاتا ہے پھر رات بھر دیوتا لوگ اسی کام میں مشغول رہا کرتے ہیں تاکہ، دوسری صبح کے لیے ایک نیا سورج بنا کر تیار کریں مگر اس قیاس کی نسبت اور لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اس طرح تو ایک بڑا سورج ہر روز ضائع ہوتا ہے اس لئے اوروں نے ایک اور قیاس باندھا جس میں کفایت رہے اور بے فائدہ کچھ نقصان نہ اٹھایا جائے اور وہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ کے لوگوں کو اپنے علم کے موافق یہ یقین تھا کہ بڑے بڑے خشکی کے قطعات جو براعظم کہلاتے ہیں ان کے چاروں طرف ایسے بڑے سمندر پھیلے ہوئے ہیں جن کی حد کہیں ختم نہیں ہوتی ان کا خیال تھا کہ زمین کے شمال میں بڑے بڑے پہاڑ اور یخ اور برف ہے اس وجہ سے شائستہ ملکوں کے لوگوں کی اس سمندر تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

ایک دیوتا جس کا نام دلکن ہے وہ اس سنسان سمندر پر جہاز رانی کا مالک ہے۔ یہ بڑا ذمہ داری کا کام اسی کے سپرد ہے کہ آفتاب کو حفاظت کے ساتھ اس سمندر سے پار لے جائے اور صبح کو سلامت منزل مقصود پر پہنچا دے اور ہلاکت سے بچا لے۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے دلکن کے پاس ایک بڑا جہاز تیار رہتا تھا جب وہ دیکھتا تھا کہ اب غروب آفتاب کے وقت سورج سمندر میں ڈوبنے کو ہے تو وہ آنکر اس کو جھٹ سنبھال لیتا تھا اور اپنے جہاز میں سوار کر کے راتوں رات سمندر میں جہاز رانی کرتا ہوا شمال کی راہ سے اپنی عظیم الشان سواری کو لے جایا کرتا تھا۔ جب سورج کی سواری

اسی طرح شمال کی راہ سے گزرا کرتی تھی تو اس کی چمک بعض وقت گرمیوں میں شمالی پہاڑوں پر سے دکھائی دیجایا کرتی تھی۔ غرض متقدمین کا خیال تھا کہ عین گرمیوں میں بجورات کو شفق کی روشنی بہت عرصہ تک رہا کرتی ہے اس کی وجہ یہی ہے اس طرح دل کن رات بھر جہاز چلاتا ہوا آخر کار صبح ہوتے ہوتے ٹھیک وقت پر سورج کو مشرق میں پہنچا دیا کرتا تھا اور وہاں اس کو ایسے زور کے ساتھ اوپر کی طرف دھکیل دیتا تھا کہ وہ اسی روز میں بھرا ہوا دن بھر اپنا دورہ کئے جاتا تھا۔ پھر وہ بڑا محنتی دیوتا یعنی دل کن آفتاب کو مشرق میں روانہ کر کے الٹے پیروں اپنی ساری قوت خرچ کر کے اسی سمندر کی راہ واپس آ جاتا تھا کہ شام کو آفتاب کی سواری کے لیے پھر مغرب میں تیار رہے۔ یہ دھندا بیچارے دل کن کو رات دن برابر رہتا تھا۔

آفتاب کی ظاہری گردش کو سمجھانے کے لیے دل کن اور اس کی کشتی کا جو حال ہم نے بیان کیا اچھا تو معلوم ہوتا ہے مگر اس میں ایک تو نقص یہ ہے کہ بیچارے دل کن کو رات دن محنت کرنے سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ اس کے سوا بعض اور مشکلیں بھی تھیں۔ مثلاً جہازوں کے کپتان کہا کرتے تھے کہ ہم تو سارے بڑے بڑے سمندروں پر چاروں طرف پھرے مگر ہم کو تو یہ نہیں معلوم ہوا کہ سمندر آگے ہی کی طرف برابر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے بلکہ ہم کو یہ معلوم ہوا ہے کہ سمندر کی سطح جھک کر خمدار ہو جاتی ہے کیونکہ ہمارے جہاز ایک ہی طرف کو بہت دور تک چلتے چلتے آخر کار پھر اسی جگہ آ پہنچے جہاں سے ہم پہلے روانہ ہوئے

Marfat.com

تھے۔ ان جہاز رانوں نے یہ بھی کہا کہ ہمکو شمال کا حال بھی کسی قدر معلوم ہے کہ وہاں کوئی ایسا سمندر نہیں جس میں دل کن اپنا جہاز چلا سکے۔ یہ بات بھی لوگوں کو معلوم ہوئی کہ جہاز راں لوگ رات دن کرۂ زمین پر سمندروں میں ہر طرف سفر کرتے پھرتے ہیں مگر انہوں نے کبھی سورج کو سمندر میں اترتے نہیں دیکھا اور گو دل کن اپنا جہاز لیے روایت مذکورہ بالا کے موافق رات دن سمندر میں سفر کرتا رہتا ہے مگر ان جہاز رانوں کو کبھی اس کا سایہ تک نہیں دکھائی دیا۔ غرض ان باتوں سے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ زمین ایسی ہموار سطح نہیں ہے کہ جو بیڑا جہاز آگے کو پھیلتی چلی جاتی ہو۔ بلکہ وہ ضرور گول کرہ ہے جو آسمان میں معلق دھرا ہوا ہے اور کسی چیز کے ساتھ بندھا ہوا نہیں جس سے وہ تھما ہوا ہوا۔ اس کے بعد لوگوں کو یہ خیال آیا کہ رات سے بدل کر دن اور دن سے بدل کر رات جو پیدا ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آفتاب درحقیقت آسمان میں زمین کے گرد پھرتا ہے اور دن کو ہمارے سر کے اوپر اور رات کو ہمارے پیروں کے تلے کی طرف گردش کرتا ہے۔" آہ

لیکن اس اخیر خیال کو درست ماننے کی صورت میں حدیث کا جو عقدہ ہم حل کرنا چاہتے تھے وہ جوں کا توں باقی ہے۔ کیونکہ بقول امام الحرمین رض وغیرہ کے یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ آفتاب جس وقت ایک قوم کے یہاں غروب ہوتا ہے اسی وقت دوسروں کے یہاں طلوع ہوتا ہے۔ اور رات کسی ملک میں چھوٹی ہوتی ہے تو کسی میں بڑی یہاں تک کہ بلغار کے علاقہ میں بعض اوقات شفق غائب بھی نہیں ہونے پاتی کہ صبح صادق نکل آتی ہے

Marfat.com

اور جیسا کہ اپنے موقع میں ثابت کیا گیا ہے۔ عرض تسعین میں ہمیشہ چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے۔ غرض کہ اس پر دلائل قایم ہیں کہ غروب کے وقت آفتاب ساکن نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے کہ طلوع کے وقت بھی ساکن ہو (بلکہ ہر وقت ساکن ہی رہے) کیونکہ اب ایک افق کا غروب بعینہ دوسرے افق کا طلوع ہے۔ پھر یہ بھی براہین سے ثابت ہو چکا ہے کہ سورج اپنے آسمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتا تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ طلوع ہو کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اور وہاں سے تیسرے پر اور اسی طرح عرش معلّٰے تک جا پہنچے۔ جو کوئی ایسی بدیہی البطلان بات کا دعویٰ کرے وہ گویا روز روشن میں سورج کے نہ نکلنے کا اقرار کرتا ہے۔ اس موقع پر یہ امر بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کہ آفتاب ہمیشہ عرش کے نیچے ہی رہتا ہے کیونکہ عرش تمام آسمانوں کو (جن میں فلک شمس بھی داخل ہے) محیط ہے اور وہ سب اس کے جوف میں واقع ہیں۔ پھر فقط غروب کے وقت اس کے تحت العرش جانے کے کیا معنیٰ۔ اسی قسم کے شبہات پر نظر کر کے سید محمود آلوسی بغدادیؒ صاحب روح المعانی نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

وقد سألت كثيراً من اجلة المعاصرين عن التوفيق بين ما سمعت من الاخبار الصحيحة وبين ما يقتضي خلافها من العيان والبرهان فلم اوفق لان افوز منهم بما يروي

میں نے اپنے بہت سے جلیل القدر ہمعصروں سے ان روایات صحیحہ اور مشاہدات و دلائل عقلیہ کے درمیان تطبیق کی صورت دریافت کی لیکن میری قسمت میں کسی ایسے جواب سے فائز ہونا نہ تھا جو کسی تشنہ کام کی پیاس کو فرد

ا لغلیل و یشفی ا لعلیل۔ کردے یا کسی بیمار کو شفا بخشے۔

اس کے بعد جو کچھ انہوں نے اپنی ذاتی تحقیق اس بارہ میں بیان کی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب اور اسی طرح تمام ستارے ہمارے نزدیک عقل و ادراک رکھتے ہیں جیسا کہ کتاب و سنّت کے شواہد کثیرہ سے ہویدا ہوتا ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو کچھ بعید نہیں کہ آفتاب کے لیے انسان کی طرح کوئی نفس ناطقہ بھی ہو بلکہ بعض صوفیہ نے تو اس کی تصریح کر دی کہ اس کے واسطے، نہایت اعلیٰ درجہ کا کامل نفس ناطقہ ہے اور حکماء نے بھی افلاک کے حق میں تو عموماً کہا ہے کہ ان کے اندر نفوس منطبعہ موجود ہیں لیکن بعض حکماء نے کواکب کیلئے بھی ایسا ہونا بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو عالم علوی میں ہے خواہ وہ کواکب ہوں یا افلاک کلیہ۔ یا افلاک جزئیہ۔ یا تداویر یا اور کچھ حیّ و ناطق ہے۔

اور انسان کا نفس ناطقہ گاہ بگاہ مقدس ہو کر بدن سے نکل جاتا ہے اور پھر اپنے بدن کی یا کسی اور کی صورت میں متمثل ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام صحیح روایات کے موافق حضرت دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے اور ایسے حالات میں جب کہ انسان کے نفس ناطقہ پر یہ کیفیت پیش آئے اپنے اصلی جسم کے ساتھ بھی اس کو ایک درجہ کا تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے جسم اصلی سے بھی افعال و حرکات سرزد ہوتے ہیں چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی نسبت ایسی بہت حکایات منقول ہیں کہ وہ، ایک ہی وقت میں متعدد جگہ دیکھے گئے۔ اور اس کا سبب ان کے نفوس

Marfat.com

قدسیہ کی قوۃ تجرد کے سوا اور کچھ نہ تھا جس کی بناء پہ وہ ایک موقعہ پر متمثل ہوکر ظاہر ہوتے تھے۔ اور دوسری جگہ ان کا اصلی جسم پایا جاتا تھا۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ حضرات صوفیہ کے درمیان مشہور اور مشاہد اور مسلم ہے اور احادیث معراج وغیرہا میں جو بعض انبیاء علیہم السلام سے آپ کی ملاقات کے تذکرے آئے ہیں ان سے بھی اسی اصول کی تائید ہوتی ہے۔

پس اب ہم اسی اصول کی بناء پہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آفتاب کے لئے بھی ممکن ہے کہ ایک ایسا ہی نفس مقدس ہو جو اس کے مشاہد جسم سے اس طرح جدا ہوکر کہ ایک نوع کا تعلق اس سے بھی باقی رہے عرش تک جا پہنچے۔ اور بلاواسطہ اس کے نیچے سجدہ کرے اور اجازت مانگے اور اسی حالت میں اس کا یہ جسم مشاہد برابر چلتا رہے اور ایک منٹ کے لئے بھی ساکن نہ ہو۔ جیسا کہ اہل ہیئت دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے عروج الی العرش کا واقعہ اس وقت پیش آتا ہو۔ جبکہ افق حقیقی کے اعتبار سے غروب ہوتا ہو اور ربع مسکوں کے لوگ عموماً اس کے دیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عرض تسعین میں وہ اس وقت طلوع ہو رہا ہو۔ کیونکہ یہ ہمارے لئے اب کچھ مضر نہیں اور یہ بھی ایک احتمال ہے کہ غروب کا اعتبار خاص افق مدینہ کے اعتبار سے کیا جائے۔ آہ واللہ اعلم بالصواب۔

○ ان تمام توجیہات کے بعد جو اوپر مذکور ہوئیں یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ جس صحیح حدیث کا مطلب حل کرنے کے لئے مسائل ہیئۃ کے مقابلہ میں اس قدر جد و جہد کام میں لائی گئی اگر اس سے پہلے خود الفاظ حدیث کا منطوق متعین

Marfat.com

کرنے کی سعی کی جاتی تو میرے خیال میں بہت سی تاویلات سے نجات مل جانے کا امکان تھا۔ اگر یوں کہا جاتا تو کیا حرج تھا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقت خداوند ذوالجلال کی عظمت و جبروت اور مخلوقات میں سے بڑی سے بڑی مخلوق کی عجز و بیچارگی کو واضح فرمایا ہے اور ربط حادث بالقدیم کے اس مسئلہ کی تقریر کی ہے جسکو محققین ام المسائل کہتے ہیں اور جس کا حاصل یہ ہے کہ مخلوقات کو جو علاقہ (استفادہ وجود کا) اپنے خالق جل علا سے ہے وہ اگر بالفرض ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع ہو جائے تو عالم میں سے کسی چیز کا وجود اسی طرح باقی نہیں رہ سکتا جس طرح آفتاب کی شعاعوں کا تعلق زمین سے رک جانے پر زمین کا روشن رہنا ممکن نہیں اسی لئے اسلام کا یہ قطعی عقیدہ ہے کہ ہر قسم کے وجود اور تمامی حرکات و سکنات کی باگ فقط خدائے واحد کے قبضۂ اقتدار میں ہے یہاں تک کہ کوئی متنفس جو سانس لیتا ہے اور ہر پتہ جو درخت پر ہلتا ہے اور ہر ایک تنکا جو اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے اس میں بھی اسی کی اجازت اور اسی کا ارادہ درکار ہے۔

وہ آفتاب درخشاں (جس کو ان تمام اجرام علویہ کا بادشاہ کہنا چاہیئے جو کل اجسام سفلیہ پر اپنی حکومت رکھتے ہیں) اس وحدہٗ لاشریک کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے اور دنیا کا یہ سب سے زیادہ روشن ستارہ (جس کے محکم نظام حرکت نے حضرت خلیل اللہ کے مقابلہ میں نمرود مغرور کو ہکا بکا کر دیا اور جس کی آب و تاب کے سامنے سبا کی بہت

Marfat.com

بڑی ملکہ (بلقیس نے) باوجود اوتیت من کل شئ ولھا عرش عظیم کی شان کے جبین نیاز جھکا دی اور سر سجود خم کر دیا۔ جب مشرق سے مغرب کو روانہ ہوتا ہے (اور ہر وقت روانہ ہوتا رہتا ہے) تو اپنی حرکت کی ہر ہر آن میں اور مسافت کے ہر ہر قدم پر عرش کے نیچے اور رب العرش کے سامنے سجدہ میں گرتا ہے اور (علیٰ اختلاف الآراء) حالاً یا قالاً ہر لحظہ آگے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا رہتا ہے یہ مجال نہیں کہ اس عزیز و علیم کا اذن حاصل کئے بغیر وہ ایک قدم ادھر یا ادھر رکھ سکے چنانچہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک جو چکر چوبیس گھنٹہ میں وہ پورا کرتا ہے اس میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں آتی کہ وہ رب العزت کے حکم سے بے نیاز ہو سکے۔ یا اس سے سرتابی کا خیال لا سکے۔

اس کا یہ سلسلۂ رفتار اسی طرح روزمرہ چل رہا ہے اور یونہی ہمیشہ چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ اہل اسلام کے معتقدات کے موافق امر الٰہی آن پہنچے۔ اور عالم کی تباہی کی گھڑی نزدیک آجائے اور اپنے جس مستقر (جائے قرار و سکون) کی تلاش میں یہ آفتاب سرگرداں رہتا تھا اس کو پا چکے۔

اس وقت اس کو حکم ہوگا کہ قدم آگے مت اٹھاؤ۔ اپنی حرکت کو روک لو اور جس طرف سے آئے تھے اسی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹ جاؤ۔

ما قال سبحانہ وتعالیٰ والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم۔ والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون۔

(ترجمہ) اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے کی طرف کو چلا جا رہا ہے۔ یہ اندازہ

خدا کا باندھا ہوا ہے جو زبردست اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔ اور چاند کے کہ ہم نے اس کے لئے منزلیں ٹھیرا دیں یہاں تک کہ (آخر ماہ میں گھٹتے گھٹتے) پھر (ایسا ٹیڑھا اور پتلا) رہجاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی۔ نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جا ملے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے (اور کیا سورج) سب (اپنے اپنے) مدار (آسمان) میں (پڑے) تیر رہے ہیں۔

ہماری اس تقریر کے موافق جو ہم نے حدیث مذکور کے متعلق عرض کی آفتاب کا ہر وقت زیر عرش رہنا یا ہر آن میں طلوع و غروب کا ہونا یا لیل و نہار میں اختلاف پایا جانا وغیرہ امور جن کو امام الحرمین نے شبیہہ کے موقع پر پیش کیا تھا کچھ مضر نہیں بلکہ مفید ہیں۔ البتہ تجری حتیٰ تنتہی الیٰ مستقرھا تحت العرش الخ والی روایت میں تحت العرش کو برخلاف تصریحات قوم تجری کے متعلق کرنا پڑتا ہے جس میں قواعد عربیت کے لحاظ سے کوئی قباحت نہیں باقی مستقر کے جو معنی لئے گئے ہیں وہ بعض اجلہ مفسرین کے قول کے بالکل موافق ہیں۔

اس کے بعد اگر گفتگو کی کچھ گنجائش باقی رہتی ہے تو فقط اس بارہ میں کہ جب ہر لمحہ آفتاب کی یہی حالت تھی کہ وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا رہتا اور اجازت مانگتا رہتا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے خطاب کرنے میں غروب آفتاب کی خصوصیت کو کیوں ملحوظ رکھا۔ لیکن اس کا جواب نہایت سہل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سورج کے تنزل اور بیچارگی کا نمایاں سے نمایاں منظر اور اس کی اِدھر سے اُدھر حرکت کا ظاہر سے

Marfat.com

ظاہر پہلو دیکھنے والوں کو اپنے اعتبار سے صرف غروب ہی کے وقت دکھائی دیتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخاطب کے لئے اس وقت کی رعایت فرمائی تو نہایت ہی مناسب ہوا۔ الغرض اس حدیث سے علاوہ دوسرے فوائد کے اس کی بھی بخوبی وضاحت ہوگئی کہ یہ دیکھ کر کہ عالم مشاہدات میں علویات سفلیات سے اشرف ہیں اور پھر آفتاب تمام علویات میں بھی اشرف و اعلیٰ ہے۔ کوئی شخص یہ دھوکا نہ کھائے کہ آفتاب بھی کسی درجہ میں قابل عبادت ٹھہر سکتا ہے۔ ایسے شخص کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آفتاب بہر حال عرش کے نیچے ایک مزدور کی طرح جو کسی کام پر لگایا گیا ہو پڑا چکر کھا رہا ہے اور مستحق عبادت تنہا وہی نور السموات والارض ہو سکتا ہے جو عرش سے بھی اُدھر ہے اور جس کی روشنی سے تمام آسمان و زمین و عرش و کرسی جگمگا رہے ہیں۔ ومن ایاتہ اللیل والنہار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقھن ان کنتم ایاہ تعبدون۔

(ترجمہ) اور خدا کی (قدرت) نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند بھی ہیں (سو) نہ تم سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور اگر تم کو خدا کی ہی عبادت کرنی ہے تو اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

لنا شمس وللآفاق شمس ۔۔۔ وشمسی خیر من شمس السماء

فشمس الناس تطلع بعد فجر ۔۔۔ وشمسی تطلع بعد العشاء

(تنبیہ) اس مبحث کے متعلق بعض دوسرے محققین کی تقریرات

Marfat.com

ضیق مقام کی وجہ سے ترک کی گئیں۔ اور واضح رہے کہ ان تمام مفاہیم کی بناء عرش کو کروی الشکل ماننے پر ہے جیسا کہ امام الحرمین کی رائے ہے ورنہ اس کے خلاف بھی اقوال مؤید بالنصوص موجود ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الراقـــــــــــــــــم

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند

کتابت : محمد یوسف خوشنویس

ہر قسم کے مستند اسلامی کتب کا مرکز
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور
۴۵۶

Marfat.com

مسئلۂ تقدیر

از

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مع مقدمہ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

۴۵۷

Marfat.com

مُقدّمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امّا بعد، مسئلہ ایک طرف اپنے آثار و مظاہر کے اعتبار سے اس قدر اجلی بدیہیات میں سے ہے، کہ کوئی انسان اس سے آنکھ نہیں چُرا سکتا، اور ہر وُہ انسان جو خدا تعالےٰ کو قادرِ مطلق اور تمام قوتوں سے بالاتر تسلیم کرتا ہے خواہ مذہباً وہ کسی فرقہ میں داخل ہو وُہ از روئے مسئلہ تقدیر سے کسی طرح گریز نہیں کر سکتا۔

دُوسری طرف انسان بالطبع حقائقِ اشیاء تک پہنچنے کی کوشش کرنے کا خوگر ہے، جب اس راہ سے اس مسئلہ میں غور کیا جاتا ہے کہ اس کی کُنہ اور حقیقت معلوم ہو تو بڑے بڑے ماہر و محقق پھسلنے لگتے ہیں، دراصل وجہ اس کی ظاہر ہے کہ مسئلہ تقدیر صفاتِ الٰہی کا مسئلہ ہے جس کی پوری حقیقت تک انسانی عقل کی پرواز نہیں اور انسانی عقل و فکر کا مختصر سا دائرہ اس کو سما نہیں سکتا۔

لاتدرکہٗ الابصار وھو یدرک الابصار (القرآن)،

اس کو نظریں نہیں پا سکتیں اور وہ سب نظروں کو پا سکتا ہے۔

ہر مذہب و ملت کے بڑے بڑے محققین نے اس مسئلہ پر قلم اُٹھایا لیکن آخری حقیقت سب کے بیان کی اس سے آگے نہیں بڑھی کہ ؎

کہ حیرت گرفت آستینم کہ تُو،

Marfat.com

اس دورِ الحاد و زندقہ میں اس کی شدید ضرورت تھی کہ اہلِ عصر کے مذاق اور ذہن و فکر کے مطابق کسی سلیس عنوان سے مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

سیدی و استاذی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے بیان و توضیح کا ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اس لئے ہمیشہ اکابر اہلِ عصر کی نظریں بھی اس قسم کے مسائل میں انہیں پر پڑتی تھیں، میرے استاذ محترم محدث العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے بار بار آپ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دو مسئلوں کی توضیح آپ مستقل رسالوں کی صورت میں لکھدیں ایک مسئلہ معجزاتِ انبیاء دوسرے مسئلہ "تقدیر"[۲] پہلے مسئلہ پر تو حضرت ممدوح نے عرصہ ہوا ایک رسالہ "خوارقِ عادات" کے نام سے تصنیف فرما دیا تھا جو اسی وقت شائع بھی ہوگیا، دوسرا مسئلہ باقی تھا، اس کے لئے فرصت کا انتظار رہا، تا آنکہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں ایک سال درس صحیح بخاری میں آپ نے اس مسئلہ پر ایک جامع تقریر فرمائی یہ تقریر بخاری حضرت مولانا کے ایماء سے پوری ضبط کی جاتی تھی، یہ مسئلہ بھی اس میں پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ ضبط ہوگیا، پھر حضرت مولانا نے اس تقریر پر نظرِ ثانی کر کے جا بجا اصلاحات فرمائی، اور مسئلہ تقدیر پر خصوصیت سے اضافے فرما کر اس کو ایک مستقل رسالہ میں شائع کرنے کے قابل بنا دیا، مگر بحکمِ قضا و قدر شیخ الاسلام کی حیات میں اس کی اشاعت کی نوبت نہ آئی، اب اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا مرحوم کے برادر خورد بھائی فضل حق صاحب عثمانی کو کہ انہوں نے اس کی اشاعت کا انتظام فرما دیا۔

۴۶۰

Marfat.com

اس رسالۂ نافعہ کی پوری قدر و قیمت تو حضرت شاہ صاحبؒ ہی پہچانتے مگر افسوس ہے کہ وہ آج ہم میں نہیں، لیکن اتنی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ رسالہ اس موضوع میں بے نظیر ہے، اور دفع شبہات کے لئے اکسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے مستفید فرمائیں۔ آمین،

بندہ محمد شفیع عثمانی دیوبندی

مقیم کراچی ۲۹ محرم ۱۳۷۱ھ

Marfat.com

مسئلۂ تقدیر

پر

ایک اہم شبہ اور اس کا ازالہ

فقال رجل یا رسول اللہ افلا نتکل علیٰ کتابنا الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ سب کچھ پہلے سے متعین اور فیصل شدہ ہے، اس پر صحابہ کو یہ شبہ ہوا کہ جب سب کچھ طے شدہ اور متعین و مشخص ہو چکا، اور جو وہاں طے ہو چکا وہی واقع ہو کر رہے گا پھر عمل کرنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ علم الٰہی میں جو متعین اور طے شدہ ہے، اس کے خلاف ہونا تو ممکن نہیں، عمل کرو یا نہ کرو، کم کرو یا زیادہ، اسی کے مطابق ہو کر رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ تم عمل کرتے رہو، کیونکہ تم کو کیا خبر ہے کہ اللہ کے علم میں کیا چیز طے شدہ ہے، لہٰذا تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ۔ فضول بحثوں میں مت پڑو، اور تم ناگزیر کرو گے وہی جو علم الٰہی میں طے ہو چکا ہے، پھر ایسی بے کار بحثوں میں الجھنے سے کیا فائدہ۔

رہا یہ کہنا کہ کسی شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا اور اسی طرح سعید و شقی ہونا جب پہلے لکھا جا چکا ہے تو عمل کی کیا ضرورت، تقدیر کا لکھا تو بہر حال پورا ہو کر رہے گا یہ قلتِ تدبر

Marfat.com

کی دلیل ہے کیونکہ تقدیر میں جہاں یہ لکھا ہے کہ فلاں شخص جنّتی یا سعید ہوگا وہیں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ وہ شخص فلاں فلاں عمل کر کے اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ لہٰذا وہ اعمال بھی مقدر ہوئے اور ان کا صدور بھی تقدیر ہی کا ایک جزو ہوا، پھر اس کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے پس یہ سوال کہ ہم عمل کیوں کریں، یا عمل میں زیادہ جان کیوں ماریں، اس کا جواب یہ ہوگا کہ ہماری تقدیر میں جن اعمال کے ذریعہ جنّت میں پہنچنا یا درجاتِ عالیہ حاصل کرنا لکھا ہے ان کا صدور بھی ہم سے ضروری و لابدی ہے، جس طرح دُنیا میں ایک مدّت متعیّنہ تک ہماری حیات جن اسباب کے ذریعہ مقدر ہے ان اسباب کی مباشرت بھی تقدیری طور پر ہمارے لئے ضروری ہے، تقدیر میں صرف نتائج و مسبّبات ہی نہیں، ان کے اسباب و ذرائع اور مبادی بھی پہلے سے لکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال بالکل بے موقع ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس شخص کا جنّتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے وہ خواہ کتنی ہی بحث و تکرار کرے اس کی طبیعت آخر کار اسی طرف چلے گی اور وہی اعمالِ صالحہ یا افعالِ کفریہ اس کے لئے آسان ہوتے چلے جائیں گے، جو اس کے آخری نتیجہ تک پہنچنے کے وسائل و ذرائع ہیں اور ان اچھے بُرے اعمال کی تفریق و امتیاز جن اسباب پر مبنی ہے مثلاً انزالِ کُتب و ارسالِ رُسل وغیرہ ان سب کا وقوع پذیر ہونا بھی ناگزیر ہوگا، بہر حال جس طرح ایک شخص کا جنّتی یا جہنمی ہونا مقدر ہے، اس کے مناسب اعمال کا صدور بھی مقدر ہے اور اچھے بُرے اعمال کی تقسیم کے لئے کتابوں اور رسولوں کا آنا بھی مقدر ہے، یہ سب چیزیں ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو کر رہیں گی۔

Marfat.com

اِنسان مختار ہے یا مجبُور

خیر یہ تو ایک سوال وجواب کی تقریر وتشریح تھی جو صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پیش آچکا، اس کے بعد یہاں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے یہ اعمال آیا ہمارے ارادہ واختیار میں ہیں، یعنی اُن کے صدور میں ہمارے اختیار و ارادہ کو کچھ دخل ہے یا ہم بالکل مجبور محض اور مضطر ہیں، یہ سوال اس لئے ہو رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف ایک ذرّہ بھی نہیں ہل سکتا ہر شخص وہی عمل کر سکتا ہے اور کر گیا جو علم الٰہی میں پہلے سے مقرر اور طے شُدہ ہے، تو پھر بظاہر عامل اپنے عمل میں مجبُور ومضطر ہُوا، اور عامل کے اپنے ارادہ واختیار کو کوئی دخل اس کے صدور میں نہ رہا۔ گویا بندوں کے سارے افعال اضطراری ہو گئے، لیکن فی الحقیقت یہی بات غلط ہے کہ علمِ الٰہی کی وجہ سے عامل کا ارادہ واختیار سلب ہو جاتا ہے۔ بیشک ہر چیز ٹھیک اسی طرح وقوع پذیر ہوگی جو علم الٰہی میں ازل سے طے شدہ ہے ایک رتّی برابر بھی اس سے تخلّف نہیں ہو سکتا، مگر یہ علمِ الٰہی ازلی ہمارے ارادہ واختیار کو پھر بھی سلب نہیں کرتا بلکہ اُلٹا اس کو اور زیادہ ثابت ومستحکم کرتا ہے، کیونکہ علمِ الٰہی میں مثلاً ہمارے افعال اختیاریہ کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے فلاں عمل فلاں وقت میں کرے گا، بناءً علیہ یہ ضرُوری اور لازم ہوگا کہ وُہ شخص اپنے ارادہ واختیار ہی سے وہ عمل انجام دے، ورنہ ایک چیز کا علمِ الٰہی کے خلاف واقع ہونا لازم آئے گا جو محال ہے۔

Marfat.com

علاوہ بریں علم الٰہی میں کسی عمل کے مقرر و متعین ہونے کی وجہ سے عامل کا مسلوب الارادہ والاختیار نہ ہونا ایک اور حجت سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے افعال و اعمالِ عباد کے متعلق بحث کو ملتوی رکھیئے، میں پوچھتا ہوں کہ خود اللہ تعالیٰ کے جو کچھ افعال و تصرفات ہمہ وقت اس کائنات میں مشاہد ہیں وہ سب اس کے علم قدیم محیط میں پہلے سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو جہل لازم آتا ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خود اللہ تعالیٰ جو کچھ افعال اس دنیا میں کرتے ہیں وہ سب علم قدیم میں پہلے ہی سے طے شدہ ہیں، کیونکہ جہل ممتنع ہے، اب سوال یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل اس کے علم ازلی محیط کے خلاف ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ظاہر و مسلّم ہے تو یہاں بھی وہی بحث آگئی جو تم افعالِ عباد کے متعلق کر رہے تھے کہ جب علم قدیم سے خلاف نہیں ہو سکتا، تو عامل اپنے عمل میں مجبور و مضطر ہوگا، اس بنا پر تو یہ لازم آتا ہے کہ بندے تو رہے ایک طرف خود اللہ تعالیٰ بھی فاعل و مختار نہ ہو، تم تو افعالِ عباد کی فکر میں تھے، یہاں خود افعال باری کا اضطراری ہونا لازم آگیا۔

پس ثابت ہوا کہ کسی فعل کے ساتھ علم الٰہی کے متعلق ہونے سے فاعل کا مضطر اور مسلوب الارادہ ہونا لازم نہیں، خواہ وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو یا بندے ہوں تو اصل بات وہی ہوئی جو میں کہہ چکا ہوں کہ علم ازلی قدیم عامل کے ارادہ و اختیار کی نفی نہیں کرتا، اسے ایک ناتمام سی مثال سے سمجھئے، آپ جانتے ہیں کہ ریل گاڑیوں کی آمد و رفت بحدِ امکان طے شدہ ٹائم ٹیبل بالکل موافق و مطابق ہوتی ہے لیکن کیا اس ٹائم ٹیبل کو ریل کے چلنے اور اسکی حرکت میں ذرا سا بھی دخل ہے، ظاہر ہے کچھ بھی دخل نہیں، تو بطور تقریبی الفہم کے علم الٰہی بطور ٹائم ٹیبل کے سمجھئے فرق یہ ہے

Marfat.com

کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کا علم چونکہ محیط و کامل نہیں وہ لوگ محض اپنے قواعد و اصول کی بنا پر طے کر لیتے ہیں کہ فلاں اسٹیشن پر گاڑی فلاں وقت پہنچے گی، اُن کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ کسی دن درمیان میں لائن ٹوٹ جائے گی، یا انجن خراب ہو جائے گا، یا اور کوئی حادثہ پیش آئے گا، اس لئے گاڑی لیٹ ہو جائے گی، اس قسم کے عوارض و موانع جزئیہ کا علم محیط ان کو نہیں ہو سکتا، لہٰذا کبھی کبھی ان عوارض و حوادث کی بنا پر ان کے طے کئے ہوئے ٹائم ٹیبل سے تخلف ہونا ناگزیر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ تمام جزئیات پر ہو بہو بجمیع تفاصیلہا محیط ہے، لہٰذا ذرہ برابر بھی اس کے علم سے تخلف نہیں ہو سکتا، فرض کرو کہ ٹائم ٹیبل بنانے والوں کو بھی اگر ایسا ہی علمِ محیط حاصل ہوتا، تو تخلف ہرگز نہ ہوتا، بہر حال یہاں تشبیہ دیتے وقت تخلف و عدم تخلف کی بحث نہیں، بلکہ تشبیہ صرف اتنی بات میں ہے کہ انجن کی حرکت اور اسٹیم کے فعل میں اس ٹائم ٹیبل کو کوئی مدخل نہیں، انجن اسٹیم کی طاقت اور اپنی حرکت سے ڈرائیور کے ارادہ کے موافق چلتا ہے، ٹائم ٹیبل کا اس حرکت کرنے میں کوئی دخل نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علمِ قدیم عامل کی قدرت و اختیار کو سلب نہیں کرتا، بلکہ علم تو معلوم کے تابع ہوتا ہے کیونکہ علم اِس معلوم کے صحیح انکشاف ہی کا نام ہے، معلوم کے واقع ہونے میں علم کا کوئی مدخل نہیں۔

مسئلۂ تقدیر کے متعلق معتزلہ کے عقائد

یہاں تک حدیث اسباب کے متعلق گفتگو ختم ہوئی، اب میں مستقل طور پر مسئلہ تقدیر

Marfat.com

کے متعلق کچھ مزید روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں ایک روایت ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہماری طرف کچھ لوگ ہیں جو علم میں اشتغال رکھتے ہیں اور اس کی گہرائی میں گھستے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں، کہ اَنْ لَّا قَدْرَ وَاَنَّ الْاَمْرَ اُنُف یعنی تقدیر کوئی چیز نہیں اور بندہ جو کچھ کام کرتا ہے پہلے سے اللہ تعالیٰ کو ان افعال کا کوئی علم نہ تھا (معاذ اللہ) کچھ نہیں جانتا تھا کہ بندے کیا کام کریں گے بلکہ کسی بندے سے کوئی فعل صادر ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہوتا ہے، جیسا کہ صدور افعال کے بعد ہمیں اور تمہیں بھی کچھ علم ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ لوگ اللہ سے علمِ قدیم محیط کی نفی کرتے ہیں۔ افعال عباد کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت نہیں کرتے۔ یہ عقیدہ بعض قدماء معتزلہ کا تھا جیسا کہ حافظ نے تصریح کی ہے لیکن بعد میں معتزلہ نے اس عقیدہ کو جس سے حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف جہل کی نسبت آتی تھی، جو اس کی جناب رفیع میں سخت ترین گستاخی ہے ترک کر دیا، کما صرح بہ القرطبی۔ (فتح الملہم ص ۱۶۱، ج ۱)

اب متاخرین معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ افعال عباد وجود میں آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے علم قدیم محیط میں طے شدہ ہیں اس کو پہلے ہی سے سب کچھ علم ہے کون بندہ کیا کیا کام کرے گا۔ جیسا کہ اہل السنّت کا عقیدہ ہے لیکن یہ متاخرین معتزلہ حق تعالیٰ کو جہل کے عیب سے منزہ سمجھتے ہوئے ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ عباد کا خالق تو ضرور ہے، پر ان کے افعال کا خالق نہیں۔ عباد اپنے افعال کے خود خالق ہیں، خدا کا اس میں کچھ دخل

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ اصل یہ ہے کہ بندے دونوں قسم کے کام کرتے ہیں، اچھے بھی، بُرے بھی طاعات اور عدل و انصاف کا بھی ان سے صدور ہوتا ہے، اور مظالم و معاصی کا بھی، اب اگر بندوں کے جملہ افعال کا خالق باری تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو شرور و قبائح کی نسبت اس کی طرف لازم آتی ہے جو محال ہے، اس سے بچنے کی تدبیر قدمار معتزلہ نے تو جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے یہ سوچی تھی کہ سرے سے علم باری ہی کا انکار کر دیا جاوے "نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری" یعنی باری تعالیٰ نے سب مخلوقات کو پیدا کر دیا، اور بندوں میں ہر قسم کے کام کرنے کی قدرت اور قوتیں بھی رکھ دیں، آگے چل کر بندے ان قوتوں کو کن کاموں میں استعمال کریں گے۔ اچھے یا بُرے ہیں، اس کا کوئی علم اُسے نہ تھا" اس نے تو گویا بندے کے ہاتھ میں تلوار دے دی، آگے وہ شخص تلوار سے جہاد فی سبیل اللہ کرے گا، یا اُسے کسی معصوم اور بے گناہ آدمی کی گردن پر چلائے گا، اس کی نہ باری کو پہلے سے خبر تھی، نہ اس میں اس کا کچھ دخل (العیاذ باللہ)

متاخرین نے سمجھا کہ علم باری کا انکار کرنا تو بدترین جہل و حماقت ہے، ہاں بندوں کے افعال کو انہی کی ذوات تک محدود رکھا جائے، اور ان کا رشتۂ انتساب باری تعالیٰ سے منقطع کر لیا جائے، تو پھر اُن کے بُرے بھلے کی ذمہ داری بھی اُنہی پر عائد ہوگی شرور و قبائح کی نسبت خداوندِ قدوس کی طرف نہ رہے گی" اس لئے یہ دعویٰ کر دیا کہ بندوں کے افعال خود بندوں کی مخلوق ہیں۔ ان کے صدور میں حق تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کو کوئی دخل نہیں، گو خود بندے اور ان کی تمام قوتیں اس خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں

لیکن ان قوتوں سے اچھا یا بُرا کوئی کام کرنا یہ بالکلیہ بندوں کے اختیار میں ہے گویا جس تلوار سے وہ کسی بے گناہ کو قتل کرتا ہے وہ خُدا کی دی ہوئی ضرور ہے، تاہم اس تلوار کا چلانا، یہ بندے کا کام ہے جس سے خُدا کے ارادے کا کوئی تعلّق نہیں، اس طرح اس فعل کی بُرائی کا باری تعالےٰ کی جانب انتساب نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں نے اِس پر غور نہیں کیا کہ ارتکابِ جرم کی طرح اعانتِ جرم بھی جُرم ہے۔ خونِ ناحق کے تمامی اسباب و وسائل اور آلات و قوٰی اگر ایک شخص نے قاتل کے لئے فراہم کئے اور قطعی و یقینی طور پہ یہ جانتے ہُوئے کہ قاتل ان سامانوں اور قُوّتوں کو بے گناہوں کے قتل ہی میں استعمال کرے گا، باوجودیکہ وہ قادر تھا کہ اگر چاہتا تو یہ سامان اور قوّت اس کے ہاتھ میں نہ دیتا یا ایسا مفلوج کر دیتا کہ اسے قتل پر قدرت ہی نہ رہتی، تو عرفاً یا قانوناً کسی عاقل حکیم کے نزدیک ایسا شخص جرمِ مذکور سے بالکلیہ بَری نہیں سمجھا جا سکتا، البتّہ اگر اسے اسباب و آلات دیتے وقت یہ علم نہ ہوتا کہ لینے والا اُن چیزوں کو کہاں استعمال کریگا تو بیشک معذور سمجھا جا سکتا تھا اس اعتبار سے قدماء معتزلہ اپنی گمراہی میں دُور اندیش تھے کہ اُنہوں نے شروع سے علمِ الٰہی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا، متاخرین جب علمِ الٰہی کی ہمہ گیری اور احاطہ کو تسلیم کر چکے تو اب عباد کو خالقِ افعال مان کر بس اُن کے لئے عقلاً کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ اللہ کی طرف شرور کی نسبت سے انکار کر سکیں، کیونکہ اس ظالم قاتل کو آخر پیدا تو اسی نے کیا، اس کے بازو میں قوّت اسی نے رکھی جس سے وہ تلوار اُٹھاتا ہے۔ اس کے اندر قدرت اور قوتِ ارادی اور تمام اسبابِ قتل اسی نے

پیدا کئے اور ان پر اس ظالم کو دسترس دی قطعی طور پر یہ جانتے ہوئے کہ ظالم ان سامانوں سے کام لے گا۔ ان حالات میں تمہارے زعم کے مطابق حق تعالےٰ کی تنزیہ و تقدیس کیسے قائم رہ سکتی ہے۔ حالانکہ اس تنزیہ و تقدیس کو ثابت رکھنے کے لئے تم نے ایک خالق کے سوا کروڑوں خالق تجویز کئے تھے، یعنی ہر بندے کو مستقل خالق مانا تھا۔ پھر بارش سے بھاگ کر پرنالہ کی پناہ لینے سے کیا فائدہ ہوا جبکہ عباد کو اپنے افعال کا خالق بنا کر اور ایک نوع کا شرک اختیار کر کے بھی نسبت شرور الی اللہ سبحانہٗ کا الزام جوں کا توں رہا۔

ایک واضح مثال

مثال کے طور پر سمجھئے کہ فرعون کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ اُسے تندرستی دی ہر قسم کی علمی و عملی قوتیں اس میں رکھی، ساز و سامان حشم و خدم، قوت و اقتدار اور ملک و سلطنت کے لوازم اس کے قبضہ میں دیئے، جس کے غرور اور گھمنڈ میں انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کر بیٹھا حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ حق کو ٹھکرا دیا، بنی اسرائیل پر ظلم کئے اور ظاہری اقتدار پہ اترا کر کہنے لگا، الیس لی ملک مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی، حالانکہ خداوند قدوس اپنے علمِ قدیم سے جانتا تھا کہ یہ ملعون ان تمام سامانوں اور قوتوں کو اس طرح کی شرارت و فساد اور اغواء و اضلال کے کاموں میں صرف کرے گا۔ اب متاخرین معتزلہ سے سوال یہ ہے کہ یہ سب باتیں جانتے ہوئے اسے پیدا ہی کیوں کیا، پیدا ہی نہ کرتے یا پیدا ہونے کے بعد اندھا، لنگڑا، اپاہج بنا دیتے، یا اس پر فالج گرا دیتے یا ساز و سامان کچھ نہ دیتے، ایک

Marfat.com

بھیک منگا فقیر بنا دیتے مگر ان باتوں میں سے کچھ نہ ہوا بلکہ اسباب و وسائل کی فراوانی انتہا کو پہنچا دی گئی اور فرعون سے پہلے ابلیس کو دیکھئے جو تمام شرور کا مادّہ ہے، وہاں اس سے بھی زیادہ یہ صورت نمایاں ہے۔ الغرض محض افعال کا خالق مان کر بھی وہ عقدہ حل نہیں ہوتا جس کے حل کرنے کے لئے اس عقیدۂ شرکیہ کے ارتکاب کا تحمل کیا گیا تھا نسبت الشر الی اللہ کا شبہ بدستور باقی رہتا ہے اور تنزیہ کامل کی تصویر پوری نہیں ہوتی۔

الحاصل جب متاخرین معتزلہ نے علمِ قدیم کو تسلیم کر لیا تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ فلاں شخص یہ فساد اور شرارت و بغاوت کرے گا تو اس کو روکنے پر اللہ تعالےٰ کو قدرت ہے تاکہ یہ شرارت کر ہی نہ سکے، یا قدرت نہیں، اگر قدرت نہیں تو عجز لازم آتا ہے اور وہ بھی ایسا بدترین عجز کہ خالق اپنی مخلوق کے اور خدا اپنے بندہ کے مقابلہ میں عاجز ٹھہرتا ہے اور اگر روکنے پر قدرت ہے پھر نہیں روکتا بلکہ اس کو شرارت کے سامان اور قوت سے امداد دیتا ہے تو سفہ لازم آئے گا، پس علمِ قدیم کو مان لینے کے بعد اشکال سے چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں اس لئے امام شافعیؒ نے فرمایا، کہ "آن سلم القدری العلم لخصمہ" علم کو تسلیم کر لینے کے بعد عجز یا سفہ ضرور لازم آئے گا جو سب کے نزدیک نقص ہے۔

افعالِ عباد کی حکیمانہ تشریح

اس کے بعد ادھر بھی غور کرنا چاہیئے کہ عباد کو ان کے افعال کا خالق کہنا کہاں تک

قابلِ قبول ہو سکتا ہے کسی چیز کے خالق ہونے کے معنی بالارادہ وجود عطا کرنے کے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مثلاً زید کا وجود خود اس کے قبضہ میں نہیں خُدا کے قبضہ میں ہے اور اسی کا عطا کیا ہُوا ہے، اس میں ادراک احساس تعقل، قدرت، قوت ارادی اور جوارح یہ سب چیزیں جن سے وہ کوئی عمل کرتا ہے خُدا کی پیدا کی ہُوئی ہیں، اور آگے چلئے مراتبِ قصد (ہاجسِ خاطر، حدیث النفس، ہمّ اور عزم) کو چھوڑ کر کسی فعل اختیاری کے نفسِ صدور و وقوع کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے، ابن سینا نے "قانون" میں لکھا ہے کہ "حرکتِ ارادی جو اعضاء سے متعلق ہے اس کی تکمیل اس قوت سے ہوتی ہے جو دماغ سے بواسطہ اعصاب اعضاء میں پہنچتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عضلات جو اعصاب و رباطات وغیرہ پر مشتمل ہیں جب سمٹ جاتے ہیں تو وتر جو رباط و عصب سے ملتسم اور اعضاء میں نفوذ کئے ہوئے ہے کھنچ جاتا ہے، جس سے اعضا بھی کھنچ جاتے ہیں اور جب عضلہ منبسط ہوتا ہے تو وتر ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور عضو دُور ہو جاتا ہے۔ اھ"

اس تقریر سے معلوم ہُوا کہ نفس انسانی ادراک کے بعد کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو عضلات کو جو جسم انسانی میں پانچ سو انتیس ہیں کشش وغیرہ دے کر کسی عصب خاص کے ذریعہ جو "ستتر" ہیں جس عضو کو چاہتا ہے خاص حرکت دیتا ہے جس سے فعل مطلوب وقوع میں آتا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ نفسِ انسانی کو سر سے لے کر پاؤں تک جس عضو کو حرکت دینا ہو تو ضرور ہے کہ پانچ سو انتیس عضلات اور "ستتر" اعصاب میں سے اس عضلے اور اس عصب کو حرکت دینا ہوگا جو اس خاص عضو سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ

Marfat.com

قبل اس کے کہ کسی عضلے اور عصب کو حرکت دیں اس کو معیّن کرنے کی ضرورت پڑے گی تاکہ خاص اسی کو حرکت دی جائے جس کی طرف توجّہ ہے اور یہ معیّن کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ پیش تر تمام اعصاب و عضلات کو بالتفصیل جان لے، اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوگی جیسے لکھنے کے وقت قلم کو حرکت دینے کے واسطے پہلے چند انگلیوں کو متعیّن کرتے ہیں جن سے قلم کو حرکت دینا ہوتا ہے پھر ان انگلیوں کو ارادہ و اختیار سے حرکت دیتے ہیں جن سے قلم کو حرکت ہوتی ہے، اس موقع پر ہم اہل انصاف سے درخواست کرتے ہیں کہ جس عضو کو چاہیں بکرّات و مرّات حرکت دے کر بغور و تعمّق اپنے وجدان سے دریافت کریں کہ اس اختیاری حرکت کے وقت کسی عضلہ یا عصب کی طرف نفس کی ادنیٰ توجہ بھی ہوتی ہے، یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندر کوئی عضلہ یا عصب بھی ہے یا کسی چیز کو ہم کھینچتے ہیں جس سے وہ عضو کھنچتا ہے کوئی اس کی گواہی نہیں دے سکتا کہ اندرونی کیا کیفیت ہے اور عضلات کو اعصاب کیونکر کھینچتے ہیں ہیری دانست میں اگر کوئی پوری پوری وجدانی حالت کی ایمان سے خبر دے تو یہی کہے گا کہ اعصاب و عضلات کو میں تو نہیں کھینچتا ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فلاں عضو کو حرکت دینا چاہتے ہیں، پھر ہوتا یہ ہے کہ اِدھر توجہ ہوئی اور اُدھر اس کو حرکت ہو گئی۔ یہاں یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا کہ عصب و عضلے کو حرکت دینا بھی ہمارے اختیار سے خارج ہے، کیونکہ اختیاری حرکت ہوتی تو اس کا علم اور ارادہ بھی ضرور ہوتا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ حرکت کا ارادہ بعینہٖ عصب و عضلے کی حرکت کا ارادہ ہے، اس لئے کہ جب ہمارے وجدان ہی میں نہیں کہ عصب بھی کوئی چیز ہے تو پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حرکت کا ارادہ ہوا، پھر جب بحسب تحقیق

Marfat.com

حکماؑ و اطباء سے یہ ثابت ہے کہ بغیر عضلات و اعصاب کی حرکت کے کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا، تو ضرور ہوا کہ وہی ملتفت الیہ بالذات ہو گو مقصود بالذات ان کی حرکت نہ ہو، حاصل یہ ہے کہ فعل کے وقت تحریک وغیرہ جو ہوتی ہے وہ یا خود بخود ہوتی ہے، یا ہمارے ارادہ سے یا حق تعالیٰ کے خلق سے چونکہ یہ مسلّم ہے کہ کسی حادث چیز کا وجود بغیر موجد کے نہیں ہو سکتا، اس لئے خود بخود تحریکِ عضلات ہونا باطل ہے اور تقریر سابق سے ثابت ہے کہ حرکت ہمارے ارادہ سے بھی نہیں ہوتی تو اب وہ تیسری صورت باقی رہ گئی کہ حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ الحاصل فعل کے سلسلہ میں داعی حبس سے لے کر وقوع فعل تک کوئی درجہ ایسا نہیں کہ حق تعالیٰ کا مخلوق نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح آدمی کی ذات و صفات مخلوقِ الٰہی ہیں اسی طرح اس کے جملہ حرکات و سکنات اور افعال بھی مخلوق الٰہی ہیں۔

مسئلہ کی یہ حکیمانہ تقریر فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں مرحوم نے اپنے رسالہ "خلقِ افعال" میں کی ہے۔

افعالِ عباد کے متعلق حضرت مولینا نانوتویؒ کی تحقیق

حضرت مولینا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ نے اسی مضمون کو ایک عامیانہ مثال میں سمجھایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایک کھیت کی پیداوار پر جھگڑتے ہوئے حاکم کے پاس آئے۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ کھیت کی یہ تیار شدہ پیداوار میری ہے، اور میں ہی اس کا مالک ہوں۔ ان میں ایک سے حاکم نے پوچھا کہ زمین کس کی ہے؟ اس نے جواب

Marfat.com

دیا کہ زمین میری نہیں دُوسرے کی ہے بیج بھی اسی کا تھا، آب پاشی بھی اسی نے کی تھی ہل بھی اسی نے چلایا تھا، غرض جس قدر چیزیں اور کام اس کھیت کے تیار ہونے تک پیش آئے سب دوسرے کے ہیں، البتہ ان سب سے جو پیداوار حاصل ہوئی وہ میری ہے میں صرف اس پیداوار کے مالک ہونے کا مدعی ہوں، اب بتلایئے کہ کون سی دُنیا کی عدالت ہے جو اس مسخرے کے حق میں ڈگری دے گی، بس اسی طرح سمجھ لو کہ افعالِ عباد جن اشخاص جن قوتوں اور جن اسباب و آلات وغیرہ سے وقوع پذیر ہوئے وہ سب من اوّلہا الی آخرہا، جب خُدا کی مخلوق ہیں تو نفسِ افعال جو اُن کا حاصل اور نتیجہ ہے خُدا سے ہٹ کر بندوں کی مخلوق کیسے بن جائیں گے۔

معتزلہ کا انجام

معتزلہ نے خلق کے معنی میں غور نہیں کیا ورنہ ایسا مضحکہ خیز دعویٰ ہرگز نہ کرتے، اس تمام تقریر سے میرا مقصود یہ ہے کہ یہ جو قدما معتزلہ نے علم ہی کا انکار کر دیا یا ان کے متاخرین نے افعال عباد کا خالق عباد کو قرار دیا جس کے نتیجہ میں ان کو لاکھوں کروڑوں خالقِ حقیقی ماننے پڑے، اور ایک ایک بندہ کے حصہ میں لاکھوں کروڑوں مخلوقات تسلیم کرنی پڑیں جن کا عدد خدائی مخلوقات سے بھی زیادہ ہو جائے گا، اس گندے اعتقاد پر معتزلہ کو کس چیز نے مجبور کیا، صرف اسی بات نے کہ ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف لازم نہ آئے تو مجھے یہ دکھلانا ہے کہ بالفرض اگر تم اس سے بچ بھی گئے تو کونسا تیر مارا، اگر ظلم وغیرہ کی

نسبت سے تم نے دامن بچا لیا تو اس سے زیادہ شنیع و قبیح چیزوں کی نسبت میں مبتلا ہو گئے، یعنی جہل یا عجز یا سفہ، دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لینا اس کو کہتے ہیں، پھر اس پہ طرّہ یہ کہ جس اعتراض سے بچنا چاہا تھا وہ بھی قائم رہا، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ بیشک مسئلہ تقدیر کے ماننے میں اشکالات اور دشواریاں ضرور ہیں، مگر اس کا نہ ماننا ماننے سے بھی زیادہ مشکل ہے، یہ تو معتزلہ کا حشر تھا۔

فرقہ جبریہ کے عقائد

ان کے بالمقابل ایک فرقہ جبریہ کہلاتا ہے، معتزلہ نے تو عباد کو اپنے افعال کا خالق قرار دیا تھا۔ جبریہ کہتے ہیں کہ خالق ہونا تو کجا بندہ اپنے افعال میں بالکل مجبور محض ہے، اس کے ارادہ و اختیار کو کوئی دخل اس کے کاموں میں نہیں، ان لوگوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ تم بندہ کو اپنے افعال میں ایسا مجبور محض مانتے ہو جیسے اینٹ پتھر حالانکہ تم کو خود بھی انسانی حرکات میں فرق کرنا ناگزیر ہے، مثلاً کاتب کے ہاتھ کی حرکت اور مرتعش کے ہاتھ کی حرکت میں فرق بدیہی ہے، آخر ان دونوں حرکتوں میں وجہ فرق تم کو بیان کرنا ہوگی اگر ان میں فرق کا انکار کرتے ہو تو یہ محض مکابرہ اور بداہت کا انکار ہے اور جس شخص کی بلادت اس حد تک پہنچ گئی ہے وہ قابلِ خطاب ہی نہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ قدریہ تو بے ایمانی میں فائق ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ کے سوا بے شمار خالق تجویز کر لئے، اور جبریہ حماقت و بلادت میں گوئے سبقت لے گئے، کیونکہ حرکتِ ارادیہ اور حرکتِ غیر ارادیہ اضطراریہ

Marfat.com

کحرکۃ المرتعش میں ایک جانور بھی فرق کرتا ہے مثلاً ایک کُتّے کو آپ نے پتھر مارا تو کتّا اس پتھر کی طرف بھونک کر نہیں جائے گا، بلکہ پتھر مارنے والے کی طرف متوجّہ ہوگا، حالانکہ اس پر جو چوٹ پڑی وہ پتھر ہی کی حرکت سے پڑی، لیکن وُہ کُتّا بھی سمجھتا ہے کہ پتھر کی یہ حرکت قسری اور اضطراری ہے، اس کا کوئی قصور نہیں، ایسا ہی اگر آپ نے سانپ پر لاٹھی یا شیر پر گولی چلائی تو وُہ سانپ اور شیر لاٹھی یا گولی چلانے والے پر آئے گا، لاٹھی یا گولی کے پیچھے نہیں دوڑے گا، گویا جانوروں کے نزدیک بھی حرکتِ ارادیہ اور حرکت اضطراریہ میں فرق بیّن اور علم ضروری سے ثابت ہے تو ان کے درمیان کوئی مابہ الفرق ہونا چاہیئے یہیں سے مسئلہ کسب سامنے آجاتا ہے۔

مسئلۂ کسب

مسئلۂ کسب جس میں بڑے بڑے لوگ ٹھوکر کھا گئے، حتیٰ کہ بعض متکلمین نے یہ کہہ دیا کہ جبر و کسب تو اہم ہیں دونوں میں کوئی واضح فرق نہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے اور دونوں میں فرق و امتیاز بالکل بے غبار ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے پہلے ایک مقدمہ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو پیدا کیا اس میں کچھ قوٰی ادراکیہ رکھی ہیں جیسا کہ حاس اور عقل، اسی طرح کچھ قوٰی عملیہ مثلاً قدرت، ارادہ اور مشیّت بھی اس میں ودیعت کی ہیں، جن کے ذریعہ وُہ اپنے جوارح (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو حرکت دیتا ہے اور جیسا عمل چاہتا ہے کرتا ہے، مثلاً کتابت کے لئے ہاتھ ہلانا ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ حرکت اس کے ارادے اور اختیار سے ہے

Marfat.com

کہ اگر وہ چاہے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر لکھنا شروع کر دے اور جب چاہے اسے روک لے ہاتھ کی یہ حرکت اس طرح کی یقیناً نہیں جیسے حرکتِ رعشہ یا سردی سے کسی کی حرکت کہ اس کو اگر وہ بند کرنا چاہے تو بند نہیں کر سکتا، آخر ان دونوں حرکتوں میں جو فرق ہے وہ کس بنا پر ہے، لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی قوت انسان کے اندر رکھی ہے جو اُن دونوں حرکتوں میں فرق و امتیاز کرتی ہے، اسی قوت کا نام ہے قدرت یا قوتِ ارادی جس سے جمر و شجر وغیرہ محروم ہیں۔ اسی کے ساتھ یاد رہے کہ حق تعالیٰ کی ذات منبع الکمالات ہی وجود کا خزانہ اور سرچشمہ ہے جس کا وجود ذاتی ہے، اور جہاں کہیں وجود کا کوئی ذرہ یا شائبہ آتا ہے وہ اسی خزانہ سے آسکتا ہے، دنیا میں اعیان و اوصاف، جواہر و اعراض فاعلین اور افعال میں سے جو چیز بھی منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوگی وہ اسی موجدِ حقیقی کے اعطاءِ وجود اور افاضۂ نور سے ہوگی، اور جب تک عالم وجود میں باقی رہے گی اسی حیّ و قیوم کے ابقاء سے رہے گی۔ بنا بریں بندوں کی تمامی حرکات و افعال بھی خواہ وہ اضطراری ہوں یا اختیاری اپنے وجود میں آنے کے لئے اسی موجد حقیقی کی قدرتِ عامہ اور ارادہ و مشیّتِ تامہ کے دست نگر ہوں گے، اس لئے وہ قدرت و اختیار اور قوتِ ارادی جو اُن میں فاطرِ حقیقی نے پیدا کی طور پر ودیعت کی ہے وہ بالکلیہ مستقل و خود مختار نہیں ہو سکتی بلکہ مشیّتِ الٰہیہ کے تابع رہے گی، اور قدرتِ غیر مستقلہ کہلائے گی اب کبھی تو انسان کے بدن یا جوارح میں حرکت اس قدرتِ غیر مستقلہ کی توسّط کے بدون ہوگی جیسے حرکتِ مرتعش اور کبھی اس کے توسّط سے جیسے حرکتِ بدکاتب، تو یوں کہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی قوتِ کاملہ و قدرت مستقلہ

Marfat.com

کا تصرّف انسان کے اندر دو طریقہ سے ہوتا ہے۔ بعض حالات میں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ بدون توسّط ہماری قدرتِ غیر مستقلہ کے مؤثر و متصرّف ہوتی ہے جیسا کہ حرکتِ رعشہ میں اور کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ ہماری اس قدرتِ غیر مستقلہ کو بیچ میں ڈال کر اپنا تصرّف دکھلاتی ہے جیسے حرکتِ کتابت ونحو ہا میں، بہرحال دونوں جگہ اصل مؤثر و متصرف و محرک اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ مستقلہ ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک جگہ اس کی تاثیر و تصرف بلاواسطہ ہے اور دوسری جگہ بالواسطہ، اسے ایک مثال سے سمجھیئے۔

مسئلہ کسب کے متعلق ایک عام فہم مثال

دیکھو دن کے وقت شمس کی شعاعین اور اس کا نور براہ راست یعنی بلا توسط قمر ہم تک پہنچتا ہے اور وہی نور شمس رات کے وقت قمر کے توسّط سے آتا ہے، کیونکہ قمر باجماعِ حکماء ایک کرۂ مظلمہ ہے اس میں کوئی نور ذاتی نہیں، بلکہ شمس ہی سے نور اخذ کرتا ہے، تو رات کے وقت جو نور ہمیں پہنچتا ہے وہ کوئی دوسرا نور نہیں وہی نور ہے جو دن میں پہنچتا تھا لیکن دن کو بلا واسطہ اور رات کو بواسطہ قمر ہم اس سے فیضیاب ہوتے ہیں لیکن محض اِس توسّط و عدمِ توسّط کی توجہ سے اس کے خواص و احکام اور مزاج و تاثیرات حتیٰ کہ نام میں بھی تفاوتِ عظیم پیدا ہو جاتا ہے، چنانچہ دن کے وقت شمس کا نور جو بلا واسطہ زمین پہ پڑتا ہے اس کا نام دھوپ رکھا گیا ہے۔ اس کا مزاج سخت گرم ہے، زمین حجر و شجر اور انسان و حیوان پر اس کی ایک خاص تاثیر ہوتی ہے اور اس کے جداگانہ خواص ہیں، پھر یہ ہی

Marfat.com

نورِ شمس جب شب کے وقت بواسطۂ قمر زمین پر آتا ہے اس کا نام دھوپ نہیں چاندنی ہے، اس کا مزاج ٹھنڈا ہے، دوسری مخلوقات پر اس کی تاثیر پہلی صورت سے بالکل مختلف ہے، اور اس کے خواص جداگانہ ہیں۔ اس مثال سے واضح ہوگیا کہ ایک ہی چیز جب بلا واسطہ پہنچے اور بعینہٖ وہی چیز جب بالواسطہ پہنچے تو دونوں حالتوں میں اس کی تاثیرات و خواص اور احکام و مزاج حتیٰ کہ نام بھی مختلف ہوسکتے ہیں۔

اسی کو ایک دوسری مثال میں سمجھیے! دیکھئے کہ شمس کی شعاع کسی چیز کو جب بلا واسطہ پہنچے، اور یہی شعاع جب آتشی شیشہ کے واسطے سے پہنچے، ان دونوں صورتوں کے اندر اس کی تاثیرات میں کتنا فرق ہوجاتا ہے۔ بلا واسطہ جو شعاع پہنچے گی اس کے سامنے کوئی کپڑا یا کاغذ یا بارود رکھیے اس میں فوراً آگ نہیں لگ جائے گی، مگر وہی شعاع جو آتشی شیشہ کے واسطے سے آتی ہے تو مذکورہ بالا چیزوں میں آگ لگا دیتی ہے، ٹھیک اسی طرح سمجھئے کہ خالقِ حقیقی نے انسان کے اندر سمع و بصر وغیرہ حواس و قویٰ کی طرح ایک قوتِ ارادی اور قدرت بھی رکھ دی ہے، گو وہ قوت و قدرت غیر مستقلہ ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئی ہے اسی کی مشیت کے تابع ہے اسی کی تحریک سے حرکت کرتی ہے اسی کے ارادے کے مطابق کام کرتی ہے، رتی برابر بھی اس کے خلاف نہیں چل سکتی۔ مگر وہ قدرت انسان کے اندر ہے ضرور جس کی بنا پر حرکتِ ارادیہ و غیر ارادیہ میں فرق ہوتا ہے اور انسان شجر و حجر وغیرہ سے ممتاز ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ انسان میں کبھی تو بلا واسطہ اس قدرتِ غیر مستقلہ کے تصرف کرتی ہے۔ جیسا کہ حرکتِ غیر ارادیہ میں اور کبھی بواسطۂ قدرت

غیر مستقلہ کے جیسا کہ حرکتِ ارادیہ میں، اور ہر انسان کی فطرت ہے کہ اس قدرت غیر مستقلہ کی وساطت کے ماتحت جو حرکات و افعال اس سے صادر ہوتے ہیں ان کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی طرف منسوب کرتا ہے بس اسی کا نام کسب ہے۔ جیسے پہلی صورت کو جبر کہتے ہیں تو خالق دونوں قسم کی حرکات کا حق تعالیٰ ہوا ہاں بندے کے اعتبار سے اوّل جبر محض اور ثانی کسب کہلاتا ہے اور یہ لفظ قرآن کریم سے لیا گیا۔ فرماتے ہیں لَهَا مَا كَسَبَتْ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۔ اب کسب کے معنی ہوئے کسی فعل کا بندہ سے بتوسّط اس کی قدرت غیر مستقلہ بتخلیقِ الٰہی صادر ہونا تو کسب ایک برزخی چیز ہوئی درمیان اختیار مستقل اور جبر محض کے، نہ بندہ کو مستقل اختیار حاصل ہے کیونکہ اصل محرّک و متصرف اللہ ہی کی قدرتِ مستقلہ ہے، نہ وہ بالکل مجبور محض ہے کیونکہ اس کی قدرتِ غیر مستقلہ کا توسّط پایا جاتا ہے اور یہ توسّط کوئی معمولی چیز نہیں، کسب و جبر کے مسئلہ میں امام رازی وغیرہ بڑے بڑے لوگ توجیہاتِ رکیکہ کر کے بیٹھ گئے اور اس عقدہ کو دل نشیں طریقہ سے حل نہ کر سکے، شیخ اکبر نے "فتوحات" میں اس کو خوب حل کیا ہے اور یہ انہی کا کام تھا، عارفین ہی کا منصب ہے کہ ایسے دقائق کی حقیقت کو واضح اور منکشف کریں۔

الحاصل جب کسب کا ایک برزخی درجہ نکل آیا تو اب مجازات کے مسئلہ میں بھی کوئی اشکال نہیں رہے گا کیونکہ مجازات کا مدار اسی کسب پر ہے اور چونکہ اس میں فی الجملہ عامل کی قدرت کا بھی تعلق ہے اور قدرتِ باری تعالیٰ کا بھی دخل ہے، تو اب نہ وہ بات

کہنے کی ضرورت جو معتزلہ نے مجازات کے اشکال سے گھبرا کر کہی کہ افعالِ عباد کے خالق عباد ہی ہیں جس سے کہ وڑوں خالق ماننے پڑتے ہیں اور نہ اُس احمقانہ قول کے اختیار کرنے کی حاجت جو جبریہ نے اختیار کیا کہ بندہ اپنے افعال میں اینٹ پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے جو مشاہدہ بداہت اور جانوروں کی سمجھ کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم تفصیلاً عرض کر چکے ہیں۔

البتہ ایک شبہ یہ رہے گا کہ ہم نے مانا کہ افعال اختیاریہ انسان کی قدرت غیر مستقلہ کے توسط سے صادر ہوتے ہیں، مگر وہ قدرت غیر مستقلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت و قدرت کے تابع ہے، اس کے بدون کچھ بھی نہیں کر سکتی، فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت مستقلہ ہی سب تصرفات کرتی ہے اور خدا کی قدرتِ مستقلہ ہماری اس قدرت غیر مستقلہ پہ حاکم ہے لہٰذا اس قدرتِ غیر مستقلہ کا ہر فعل اس قدرت مستقلہ کا ہی ہوگا، تو اب وہی اشکال پھر عود کر کر آیا، کہ ان افعال پہ انسان کو جزاء و سزا کیوں دی جاتی ہے، لیکن اصل شبہ کا اصل منشاء یہ ہے کہ ہم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کی مجازات کو اس دُنیا کی مجازات پہ قیاس کر رکھا ہے، حالانکہ یہ قیاس غلط ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں مجازات محض بطریقِ انتقامِ دنیوی نہیں بلکہ بطور تسبّب طبعی کے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس عالم اسباب و مسببات کا ایک طویل و عریض سلسلہ پیدا کیا ہے اور اسباب کے اندر ایک نوع تاثیر رکھدی ہے کہ جب کوئی سبب وجود میں آتا ہے تو باذن اللہ مسبب اس پہ مرتّب ہو جاتا ہے جیسا کہ اس دارِ دُنیا کی چیزوں میں آپ دیکھتے ہیں۔ مثلاً آگ میں قدرت نے احراق کی تاثیر رکھ دی ہے، یا زہر

Marfat.com

میں یہ تاثیر ہے کہ وہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے اب جو شخص بھی زہر کھائے گا بشرطِ عدم موانع اس کی تاثیر متحقق ہو کر رہے گی، خواہ اپنے قصد و ارادہ سے کھائے یا جبراً و اکراہاً کوئی اُسے کھلا دے۔ بہرحال اس کی تاثیر ظاہر ہو کر رہے گی، وعلیٰ ہذا القیاس ساری دنیا اسی اسباب و مسببات کے سلسلہ میں جکڑ بند ہے، اور کوئی نہیں بتلا سکتا کہ فلاں سبب میں ایسی تاثیر کیوں ہے کہ اس پر وہ ہی مسبب مرتب ہو، اگر مر مار کر کوئی شخص دو چار جگہ اس کی کوئی وجہ بتلا بھی دے تو پھر اس کی وجہ نہیں بتلا سکتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ آگ اس لئے جلاتی ہے کہ اس میں حرارتِ مفرطہ موجود ہے لیکن اس میں اس درجہ کی حرارتِ مفرطہ کیوں موجود ہے اس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا، اسی طرح دیکھئے کہ انگور کے درخت پر انگور لگتا اور نیم کے درخت پر نبولی لگتی ہے۔ اس دائرہ میں "کیوں" کے سوال کا حق ہی نہیں، ساری دنیا مل کر اس کا جواب نہیں دے سکتی کہ انگور کے درخت پر انگور ہی کیوں لگتا ہے نبولی کیوں نہیں لگتی، و بالعکس؛ زائد از زائد دماغ کھپا کر یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس کی صورتِ نوعیہ کا تقاضا یہی ہے، اگر پوچھا جائے کہ انگور کی بیل کی صورتِ نوعیہ کا یہ تقاضا کیوں ہے؟ نیم کی صورتِ نوعیہ کا کیوں نہیں؟ تو کسی کے پاس کوئی جواب نہیں۔

نیچریوں کے لایعنی مفروضات

یہ دہریے لوگ جو اللہ کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ مادّہ یعنی اجزاء المقراطیسیہ

Marfat.com

جن کو یہ ایتھر کہتے ہیں، انہی اجزائے ذرات سے عالم کی پیدائش ہوئی انہی ذرات کی دائمی حرکت اور جولانی سے بعض اجزاء سے زمین بن گئی اور بعض اجزاء سے چاند سورج وغیرہ بنے، وغیر ذالک۔ اب اگر ان سے کوئی سوال کرے کہ جن اجزاء سے چاند سورج وغیرہ بنے اُن سے زمین کیوں نہ بن گئی وبالعکس، اسی طرح اگر سوال کیا جائے کہ جن اجزاء سے سر کی کھوپڑی بنی ان سے پاؤں کے تلوے کیوں نہ بن گئے؟ پھر جن اجزاء سے سر بنا ہے ان میں کتنے علوم وادراکات اور معارف وکمالات رکھے ہیں، یہ علوم وکمالات ان اجزا میں کیوں نہ رکھ دیئے گئے جن سے پاؤں بنا ہے؟ ساری دُنیا کے ملاحدہ ودہریئے بھی اس کا جواب بجز اس کے نہیں دے سکتے کہ اُن اجزاء میں یہی استعداد تھی، اب اگر سوال کیا جائے کہ ان اجزاء میں یہی استعداد کیوں ہوئی عکس کیوں نہ ہوا؟ تو اس "کیوں" کے جواب دینے سے دُنیا عاجز ہے اور رہے گی۔

بے شک ان سوالات کا جواب ہم موحدین بھی نہیں دے سکتے، مگر ملحدین اور موحدین میں یہ فرق ہے کہ ملاحدہ تو خود بھی اس راز کو نہیں جانتے، اور جس مادّہ بے شعور کو انہوں نے اپنا خالق بنا رکھا ہے وہ بھی کچھ نہیں جانتا، بلکہ وہ تو اُن سے بھی بدتر ہے، یہ ملحد کم از کم عقل ودرایت، شعور وادراک اور قدرت وارادہ تو رکھتا ہے، وہاں حال ہے کہ ایتھر بالکل بے شعور جماد لایعقل ہے، تو ملحد نہ خود جانتا ہے اور نہ اس کا خدا کچھ جانتا ہے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ، بخلاف موحدین کے، بیشک وہ بھی اس سلسلہ اسباب ومسببات کے رازوں سے واقف نہیں، مگر اُن کا خدا خالق ومالک، وحدہ لاشریک لہٗ سب

Marfat.com

کچھ جانتا ہے، اس کے علمِ محیط سے کوئی چیز خارج نہیں، الغرض اس دنیاوی مجازات کی طرح اللہ تعالیٰ کی مجازات محض بطریقِ انتقام نہیں، بلکہ بطریق تسبب طبعی کے ہے، انسان جو کچھ اس دارِ دنیا میں کرتا ہے، آخرت میں اسی عمل کے ثمرات و آثار طبعاً مرتب ہوں گے، مثلاً ایمان و اعمالِ صالحہ کی تاثیر طبعی یہ ہے کہ اپنے حامل و عامل کو جنت میں لے جائے اور اس کے درجات بلند کرے۔

پس ایمان و اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جنّت میں جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا کھانے سے دماغ کو قوّت و تازگی پہنچتی ہے، دوسری طرف کفر اور معاصی کی تاثیر طبعی یہ ہے کہ اپنے مرتکب کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دے جسے جہنم کہتے ہیں پس کفر اور معاصی کی وجہ سے دوزخ میں جانا ایسا ہی سمجھئے جیسے کوئی شخص زہر کھا جائے تو اس کے لئے ہلاکت لازمی ہے،

اعمال کے نتائج

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ میں وہ تاثیر اور کفر و معاصی میں یہ تاثیر کیوں رکھی معاملہ بالعکس کیوں نہ ہوا؟ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اسباب و مسبّبات کے دائرہ میں جو کچھ تاثیر و تأثر کا طبعی سلسلہ ہے اس میں "کیوں" کے سوال کی گنجائش نہیں، ورنہ عالم کی بیشمار چیزوں میں یہی "کیوں" کا سوال ہو سکتا ہے جس کا منتہم جواب کسی کے پاس نہیں، لہٰذا یہاں یہ سوال لایعنی ہے، دیکھئے اطباء اپنے یا پہلے حکماء کے

تجربہ سے بتاتے ہیں کہ فلاں دوا کی یہ تاثیر اور یہ مزاج ہے، وہاں یہ سوال کسی کے دل میں نہیں آتا کہ اس کی یہ تاثیر کیوں ہوئی؟ اسی طرح انبیاءؑ جو رُوحانی و باطنی اطباء ہیں انہوں نے بعض افعالِ قلوب یا افعالِ جوارح کی تاثیرات بتلادیں تو اس قدر شور و شغب اور لایعنی سوالات کی بھرمار کیوں ہے؟ تف ہے ایسی عقل پر کہ ان معمولی اطباء کی بات پر تو سوال پیدا نہیں کرتی، مگر انبیاء علیہم السّلام کی بتلائی ہوئی باتوں پر لغو سوال کرنے میں اتنی جری ہے، تو اصل رگ شبہ کی یہ ہے کہ وہاں مجازات کو ہم نے دنیا کی مجازات پر قیاس کرلیا، یہی غلط ہے وہاں کی مجازات صرف اسباب و مسبّبات کا ایک طبعی سلسلہ ہے اس دارُ دنیا میں جو کچھ ہم کسب خیر و شر کرتے ہیں، یہ ہی اعمال مکسوبہ وہاں جاکر خاص خاص شکل اختیار کرلیتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جنّت قیعان یعنی چٹیل میدان ہے، تمہارے ہی اعمال وہاں جاکر خاص خاص اشکال اختیار کرلیتے ہیں مثلاً تم نے یہاں سبحان اللہ کہا، یہ کلمہ وہاں جاکر ایک درخت بن گیا، اسی طرح دوسرے اعمالِ صالحہ کو سمجھ لیجئے اور اعمالِ مسیئہ جس قدر ہیں یہی وہاں سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں متشکل ہوتے ہیں، اسے یوں خیال کیجئے کہ جب ہم کوئی بیج زمین میں ڈالتے ہیں تو اس سے درخت اُگتا ہے اُس درخت کی اصل مع اس کی شاخوں، پتّوں اور پھُول پھل کے وہی بیج ہے، وہی بیج چند دنوں میں یہ شکل و صورت اختیار کرلیتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال انجام کار وُہ شکل و صُورت اختیار کرلیں گے جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے۔ اب یہ سوال کرنا کہ فلاں عمل سے جنت میں فلاں درخت کیوں اُگا۔ ایسا ہی ہے جیسا کوئی یہ

Marfat.com

پُوچھے کہ آم کی گٹھلی سے آم کا درخت کیوں نکلا، جامن کا پودا کیوں نہ بن گیا یا گیہوں کے تخم سے چاول کیوں نہ پیدا ہوئے، ظاہر ہے کہ ان سوالات کی عقلاء کے نزدیک کوئی گنجائش نہیں، اور سب کا جواب ایک ہی ہے کہ اس میں استعداد ہی ایسی تھی یا اس کی صورتِ نوعیہ کا اقتضاء یہی تھا۔

اب میری اس تقریر سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوگئی کہ اگر بالفرض بندہ مجبورِ محض بھی ہوتا جیسا کہ جبریہ کا خیال ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ان افعال اضطاریہ ہی میں یہ تاثیر رکھ دیتا کہ انہی پر عذاب و ثواب مرتب ہو تب بھی مجازات کی حد تک کوئی اشکال نہ ہوتا کیونکہ جب مجازات بطور تسبیب طبعی ہوئی تو ضروری نہیں کہ سبب پر مسبّب کا ترتب صرف اسی وقت ہو جب سبب ارادے اور اختیار سے صادر ہوا کرے آخر آپ بہت سے اسباب طبعیہ میں برابر تجربہ کرتے ہیں کہ مسبب کا تحقق بالارادہ ہو یا بلا ارادہ سبب اپنی پر مرتب ہو جاتا ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے تحقیق کر چکے یہ واقعہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے افعالِ عباد میں عباد کو بالکلیہ مجبور و مضطر نہیں بنایا، بلکہ جبر محض اور اختیار مطلق کے درمیان کسب کی راہ ان کے لئے کھلی رکھی، اور کسب خیر و شر کو جس میں فی الجملہ عباد کے اختیار و ارادہ کو دخل ہے دخولِ جنت یا دخولِ جہنم کا سبب ٹھہرایا آگے یہ سوال بالکل لغو ہے کہ کسب میں ہی یہ سببیت اور تاثیرات کیوں رکھیں، کیوں کہ یہ سوال تو دنیا بھر کے ہر سبب و مسبب پر وارد ہو سکتا ہے، اس کا جو جواب ساری دنیا وہاں دے گی وہی ہم یہاں دے سکتے ہیں۔

نوشتۂ تقدیر مطابق اِستعداد ہے

نیز ہماری تقریر بالا سے ایک اور بات بھی واضح ہوگئی کہ جن اشخاص کو ازل سے شقی یا سعید لکھ دیا گیا ہے جس کے مطابق عملی دنیا میں اور پھر آخری انجام میں تقدیر اپنا کام کرتی رہتی ہے، اس پر یہ سوال کرنا بے موقع ہے کہ شقی کو سعید یا سعید کو شقی کیوں نہ تجویز کر دیا گیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی میں جس شخص میں جس چیز کی استعداد پائی جاتی تھی نوشتۂ تقدیر اسی کے مطابق ہے، آگے یہ کہنا کہ زید میں یہ استعداد کیوں رکھی بکر میں کیوں نہ رکھدی، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ آگ میں حرارت و احراق اور پانی میں برودت و تبرید کی صفت کیوں موجود ہے۔ اگر کہا جائے کہ جس مادہ سے آگ یا پانی بنا اس میں ایسی ہی استعداد تھی۔ پھر وہی سوال متوجہ ہوگا کہ دونوں کی استعدادوں میں یہ فرق کیوں ہوا اور کہاں سے آیا، جس طرح استعداد کے مرحلہ پر پہنچ کر کوئی شخص اس "کیوں ہوا" اور "کہاں سے آیا" کا جواب نہیں دے سکتا ہم پر بھی اس "کیوں رکھی گئی" یا "کیوں پائی گئی" کی جواب دہی ضروری نہیں۔ لیکن سب کے عجز عن الجواب سے حقائق اشیاء بدل نہیں سکتیں، وہ جوں کی توں رہیں گی، لا یسئل عمّا یفعل وھم یسئلون، وانّ اِلیٰ ربّک المنتھی۔

یہاں پہنچ کر مناسب ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ کا ایک نکتہ نقل کر دیا جائے جو انہوں نے کسب خیر و شر کے مدار ثواب و عذاب ہونے کے سلسلہ

Marfat.com

میں بیان فرمایا ہے، میں اسے ایک موٹی سی مثال سے سمجھاتا ہوں، مثلاً تین چار سال کا ایک بچہ ہے، بڑے لڑکوں کو پتنگ اُڑاتے ہوئے دیکھ کر اس کو بھی خواہش ہوتی ہے کہ پتنگ اُڑائے مگر اس کو اتنی قوت و قدرت نہیں کہ خود پتنگ اُڑا سکے اور اس کو پکڑ کر سنبھال سکے، تو یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ اس کا باپ یا بھائی یا اور کوئی بڑا آدمی پتنگ اُڑاتا ہے اور وہ بچہ اپنا ہاتھ پتنگ کی ڈور کو لگائے رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں حقیقۃً واصالۃً پتنگ اڑانے والا وہ بڑا شخص ہے، بچہ خود اس پتنگ کو اُڑا نہیں رہا نہ اُڑا سکتا ہے، محض ایک معمولی اقتران و اتصال اس کے ہاتھ کا ڈور سے ہے، مگر اس معمولی اقتران و اتصال کی وجہ سے وہ اپنا اڑانا تصور کر لیتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ سے ڈور چھڑا لی جائے تو روتا ہے اور ہاتھ لگا رہنے سے خوش ہوتا ہے، تو یہ جو کسب کا درجہ اور درمیان میں قدرت غیر مستقلہ کا اقتران و توسط رکھا گیا یہ اس لئے کہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ جس فعل کو وہ اپنا سمجھے گو درحقیقت متصرف و مؤثر کوئی اور ہو، مگر اپنا فعل سمجھنے کی وجہ سے اس کے اثرات کو قلب قبول کرتا ہے اور دل اُس سے منصبغ اور رنگین ہوتا ہے (جیسا کہ اُوپر کی مثال میں بچہ محض اپنا ہاتھ لگائے رکھنے کی وجہ سے پتنگ اڑانے کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اس سے اس کا قلب متاثر اور خوش ہوتا ہے، حالانکہ اصل میں پتنگ اُڑانا اس بڑے کا فعل ہے) اور جس فعل کو انسان اپنا فعل نہ سمجھے دوسرے کا تصور کرے اس سے کوئی تاثر و انفعال حاصل نہیں ہوتا، مثلاً ایک شخص کبھی خود اپنے ارادہ سے نماز نہیں پڑھتا، دوسرا

آدمی اس کی گردن پکڑ کر جبراً اس کو اوندھا کر دیتا اور زمین پر گرا دیتا ہے، کیا اس جبری رکوع و سجود سے اس کا قلب کچھ متاثر و منصبغ ہوگا ہرگز نہیں، اور اگر خود اپنے ارادہ و اختیار سے نماز پڑھتا جیسی بھی پڑھتا، کچھ نہ کچھ اثر دل پر ضرور ہوتا۔ اور کسی درجہ میں اس کا دل نماز کے رنگ کو قبول کرتا۔

الغرض انسان کی فطرت ہے کہ جس فعل کو وہ اپنا عمل سمجھتا ہے اس سے اس کا قلب متاثر و منصبغ ہوتا ہے اور یہ بھی انسان کی فطرت ہے کہ جو فعل و عمل اس کی قدرت غیر مستقلہ کے اقتران و وساطت سے ہو اسی کو وہ اپنا عمل سمجھتا ہے اور اتنے پختہ عقیدے اور جزم و یقین کے ساتھ کہ وہ خود بھی اس عقیدے اور یقین کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا، اور جو فعل اس قدرتِ غیر مستقلہ کے اقتران و وساطت سے نہ ہو، اس کو وہ اپنا عمل نہیں سمجھتا، ہر شخص اپنے وجدان کی طرف رجوع کر کے انصاف کے ساتھ غور کرے کہ جب کوئی فعل اختیاری وہ کرتا ہے تو اس کا دل اور اس کا ضمیر کیا سمجھتا ہے، اس فعل کو اپنا عمل سمجھتا ہے یا دوسرے کا، وَكَفَاكَ شَهَادَةً وِجْدَانِكَ، تو یہ جو قدرتِ غیر مستقلہ کا ایک اقتران و توسط ہے جس کی وجہ سے انسان فطرۃً ایک فعل کو اپنا فعل سمجھتا ہے اور اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی کا نام کسب ہے، چنانچہ شیخ اشعری کا لفظ بھی یہی ہے کہ کسب محض ایک اقتران ہے۔

خلاصۂ بحث

خلاصۂ کلام یہ کہ درحقیقت دنیا میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

قدرتِ کاملہ ہی کے تصرف و اقتدار سے ہوتا ہے مگر درمیان میں قدرت غیر مستقلہ کے اقتران و وساطت کی وجہ سے انسان اس کو اپنا فعل قرار دیتا ہے اور اسی بنا پر عمل کرکے اثرات سے اس کا قلب ایک طرح رنگ پکڑتا ہے لہٰذا اس پر جزا و سزا بھی مرتب ہوتی ہے، اگر کوئی شبہ کرے کہ مثالِ مذکور میں چونکہ وہ نادان بچہ تھا اس لئے غلط فہمی سے اس نے ایسا سمجھ لیا۔ ہم تو بچے نہیں بلکہ عاقل بالغ، سمجھ دار ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس بچہ کی جو نسبت بڑے آدمی کے ساتھ ہے، اس سے کہیں کم نسبت ہم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کوئی نسبت بھی حاصل نہیں، ذرّۂ تراب کی رب الارباب کے سامنے کیا حقیقت ہے۔

اب حاصل اس مجموعۂ تقریر کا تین باتیں ہوئیں، ایک تو یہ کہ جبر و اختیار میں فرق باعتبار توسط قدرتِ غیر مستقلہ کے ہے، دوسری یہ کہ آخرت کی جزا و سزا محض عرفی انتقام کی طرح نہیں بلکہ بطریقِ تسبیب طبعی ہے، تیسری یہ کہ نفسِ انسان انہی اعمال کے اثر سے متلوّن و منصبغ ہوتا ہے جن کو وہ اپنا عمل سمجھے، دوسرے کے اعمال سے وہ اثر قبول نہیں کرتا اور وہ اپنا عمل اس وقت سمجھے گا جب اس عمل کے صدور میں اپنی قدرت غیر مستقلہ کا اقتران و وساطت دیکھے ان تین باتوں کو پیشِ نظر رکھنے سے سب اشکالات انشاء اللہ مندفع ہو جائیں گے۔

اب ایک اور چیز باقی رہ گئی وہ یہ کہ اہل السنۃ والجماعت شرور و قبائح کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی کو کہتے ہیں جس میں بظاہر اللہ تعالیٰ کی طرف قبائح کی نسبت لازم

آتی ہے جس سے بچنے کے لئے معتزلہ نے بندوں کا خالقِ افعال ہونا تجویز کیا تھا۔ اس کے متعلق مختصراً اتنی بات یاد رکھو کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز فی نفسہٖ اگر دوسری اشیاء سے الگ کر کے دیکھی جائے تو بری اور خراب ہے مگر وہی چیز دوسری چیزوں کے ساتھ مل کر مجموعہ مرکب کو حسین و جمیل بنا دیتی ہے یعنی وہ چیز من کل الوجوہ شر نہیں ہوتی، بلکہ اپنے محل کے اعتبار سے فی حد ذاتہٖ شر ہونے کے باوجود اپنے اندر کوئی پہلو دوسری جہت سے خیر کا بھی رکھتی ہے مثال کے طور پہ ایک حسین و جمیل عورت کو لیجیے، جسے دیکھ کر ہزارہا آدمی عاشق ہو جاتے ہوں، اگر اس کے سر سے سب بال کاٹ کر علیحدہ کر دیں اور اس کے بدن سے خون اور پیٹ سے تمام الائشیں نکال کر ایک طشت میں رکھ دیں، تو ان گندی چیزوں میں کوئی حسن نظر نہیں آئے گا، بلکہ ان چیزوں کو علیحدہ دیکھ کر اس کے عاشق کا جی بھی متلانے لگے گا۔ اس کے باوجود مجموعی حیثیت سے یہی نجاسات جب اس کے پیٹ کے اندر آنتوں میں ہوں، اور یہی گندا خون جب اس کی رگوں میں دوڑ رہا ہو اور یہی بال جب اس کے سر پہ قرینہ سے موجود ہوں، اس کی خوب صورتی کی ضمانت اور حسن و رونق کو دوبالا کرنے والے ہیں۔

دوسری مثال سمجھ لیجیے ایک مکان ہے نہایت خوبصورت عالی شان اس میں قسم قسم کے ساز و سامان ہیں بہترین کمرے ہیں، لاکھوں روپے کا فرنیچر ہے اور ہر قسم کی آرائش و آسائش کے اسباب اس میں مہیا ہیں اگر اس مکان میں خلاء (قضاحاجت کی جگہ) نہ ہو تو ہر شخص اس مکان کو خراب اور ناقص کہے گا، دیکھئے وہ خلاء فی نفسہٖ گندی جگہ ہے،

Marfat.com

مگر مجموعی حیثیت سے مکان میں اس کا وجود بھی ضروری ہے جس کے بدون مکان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تیسری مثال اور لیجئے کسی زہریلے ڈنبل وغیرہ کی وجہ سے ڈاکٹر نے ایک عضو کو کاٹ جسم سے علیحدہ کر دیا اب اگر خاص اس عضو کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر کا ایک عضو کو بدن سے علیحدہ کرنا شر ہے، مگر مجموعہ میں بدن کی حیثیت سے دیکھو تو خیر ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے سارے اعضا بے چین ہو رہے تھے اور اندیشہ تھا کہ اس کی سمیت سارے بدن میں سرایت نہ کر جائے۔

اس قسم کی ہزارہا نظائر و شواہد ہیں مجھے صرف یہ دکھلانا ہے کہ مرکب کے اندر بعض اجزا کو فی نفسہ و فی حدّ ذاتہ بیشک قبیح و شر کہا جا سکتا ہے مگر وہی قبیح جزء دوسرے اجزاء کے لحاظ سے یا مجموعہ کے جن میں خیر و حسن بھی ہو سکتا ہے اس حیثیت سے کوئی بھی اس کو قبیح و شر شمار نہیں کرتا، بلکہ اس جزء کے نہ ہونے سے اس مجموعہ مرکب کو ناقص و ناتمام قرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس جزء و شر و قبیح کے بنانے والے کو کوئی برا نہیں کہتا، بلکہ اس جزء کا نہ بنانا برا شمار کیا جاتا ہے، جیسا کہ ایک بہترین عالی شان مکان بنایا اور اس میں بیت الخلاء نہ بنایا تو ہر شخص بنانے والے کو بیوقوف کہے گا۔

پس اہلِ سنت والجماعۃ یہ کہتے ہیں کہ شر فی نفسہٖ شر ہے مگر مجموعۂ عالم کے حق میں وہ شر نہیں، کیونکہ اس کے بدون عالم کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ آفرینشِ عالم کی غرض و غایت کے پیشِ نظر اوس کو پیدا کرنا بھی ضروری تھا۔ لہٰذا شرور و قبائح کی تخلیق میں کوئی برائی نہیں

Marfat.com

بلکہ ان کی تخلیق عین حکمت ہے ان کے بدون عالم بہیئتِ مجموعی نامکمل رہتا، اور ان شرور قبائح کے ساتھ صفت خالقیت کے متعلق ہونے سے نفس اِس تخلیق میں کوئی قباحت و شناخت نہیں آتی۔

الحاصل کسبِ شر کا سبب کے حق میں شر ہے مگر خلقِ شر خالق کے حق میں شر نہیں اسے ایک مثال سے سمجھئے ایک جگہ ہے جسے چمنستان کہتے ہیں جس میں رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہیں۔ ان کی بہار دیکھ کر آنکھوں کو تراوٹ اور ان کی پاکیزہ و لطیف خوشبوؤں سے دل و دماغ کو تازگی حاصل ہوتی ہے، اسی چمن کے پہلو دوسری جگہ ہے جہاں کوڑی پڑتی ہے اور نجاسات و قاذورات کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں جن کی بدبو سے دماغ پھٹنے لگتا ہے اور جہاں چلنے سے بدن اور کپڑے ملوث ہوتے ہیں، رات کی سخت تاریکی میں انسانی بصارت دونوں میں کچھ امتیاز نہیں کر سکتی۔ ہاں جب سورج کی روشنی یا چاند کا نور اس کائنات ارضی پر اپنی شعاعیں ڈالتا ہے، تو وہ شعاعیں جس طرح اس سرسبز شاداب گلستان پر پڑتی ہیں اسی طرح اس گندی پلید جگہ پر بھی پڑتی ہیں اور دونوں کو روشن اور ممتاز کرتی ہیں۔ اب کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس پلید گندی جگہ پر واقع ہونے کی وجہ سے وہ روشنی اور نور بھی پلید ہو گیا؟ کوئی یہ گمان نہیں کر سکتا! بلکہ وہ نور و روشنی برابر اپنی صفت و صفاء و لطافت پر باقی ہے اور پاکیزہ جگہ بجالہ پاکیزہ اور گندی جگہ بجالہ گندی رہتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو سمجھو، تخلیق کی ہر کسی چیز کو عدم کی ظلمت سے نکال کر

Marfat.com

نورِ وجُود سے روشن کرنا تو جب نورِ وجُود کی شعاعوں نے اپنے منبع سے نکل کر حقائقِ عالم یا اعیانِ ثابتہ کو چمکایا، تو خیر و شر، اچھی بُری سب چیزیں روشنی میں آگئیں، اور وُہ نور کسی گندگی سے قطعاً آلودہ نہیں ہُوا، ہاں شر اپنی جگہ شر اور خیر اپنی جگہ خیر رہی۔ فاطرِ حقیقی کا فیض ان میں سے ہر چیز کو کتمِ عدم سے منصّۂ وجود پر لے آیا۔

خُلاصۂ کلام

یہ ہے کہ شرور و قبائح اپنی جگہ فی نفسہا و فی حد ذاتہا قبیح اور شر ہیں، مگر ایجادِ عالم کی تروتازگی، سرسبزی و شادابی، تابانی و درخشانی، رونق و بہار، اس کی زیب و زینت کے لئے ان شرور قبائح کی بھی ضرورت تھی، جیسا کہ تم کھیتوں میں کھاد ڈالا کرتے ہو، حالانکہ وُہ فی حد ذاتہٖ ایک نجس اور گندی چیز ہے، مگر باغ کی سرسبزی اور شادابی کے لئے اس کے بھی چارہ نہیں۔

اسی طرح اگر اس عالم میں شرور قبائح کا وُجود نہ ہوتا تو عالم ناقص و ناتمام رہ جاتا، لہٰذا ان اشیاء کی تخلیق بھی عین حکمت ہے۔ ان کا پیدا نہ کرنا ایسا ہوتا جیسے کوئی بہترین عالیشان مکان تعمیر کرے، مگر اس میں بیت الخلاء نہ رکھے، تو ایسے مکان کو کون پسند کرے گا؟

اور تخلیق کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو ظلمتِ عدم سے نور وجُود میں لانا اس نورِ تخلیق کو ان قبائح کی قباحت سے کوئی لَوث نہیں ہوتا جیسا کہ سورج کی شعاع یا چاند کی

Marfat.com

روشنی کسی گندی پلید جگہ پہ پڑنے سے پلید نہیں ہو جاتی،

ایک اور سوال کا جواب

اس کے بعد ایک آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر کو پیدا ہی کیوں کیا؟ پیدا ہی نہ کرتے تو کیا حرج و نقصان تھا؟ اس سوال کا بہترین جواب حافظ ابن القیم رحؒ نے "مدارج السالکین" میں دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم تو شر کے متعلق دریافت کرتے ہو، میں پہلے پوچھتا ہوں کہ خیر کو کیوں پیدا کیا؟ تم سوال کرتے ہو کہ ابلیس و فرعون وغیرہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ میں دریافت کرتا ہوں کہ جبرئیل، میکائیل، ابراہیم موسیٰ اور محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے پیدا کرنے کا راز کیا ہے؟ کیونکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ اگر ساری دنیا خیر سے بھر جائے اور سارے جہان کے آدمی فرشتوں کی طرح بن جائیں اور سب مل کر شب و روز اس کی عبادت و اطاعت میں لگے رہیں، تب بھی اس کی صفات عالیہ میں ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا۔ وہ اپنی صفات و کمالات میں قرآن کما کان لم یزل ولا یزال ہمہ وقت کامل و اکمل ہے، پھر خیرات و حسنات کے پیدا کرنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ پہلے اسی کو سوچو، پھر شر کے متعلق بھی غور کر لیں گے بلکہ عنوانِ سوال میں تعمیم کر کے سارے عالم کے متعلق ہی یہ سوال زیر بحث لاؤ کہ اس عالم کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ اسی کے ضمن میں خلقِ شر کی حکمت بھی خود بخود واضح ہو جائے گی۔

Marfat.com

تخلیقِ عالم کی حکمت

یاد رکھئے کہ دُنیا کے سب مذاہب والوں نے اس سوال کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے اپنے انداز میں مُختلف جوابات دیئے ہیں ہمارے نزدیک اس بارے میں مکمل عارفین نے جو کچھ لکھا ہے اس سے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ ان کی تخلیق کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مستجمع کمالات، مخزنِ حسنات اور منبعِ خیرات ہے اس کا ارادہ ہُوا کہ ان کمالات وصفات کا اظہار ہو اور مظاہر کے آئینہ میں وہ اپنے کمالات وصفات کا عکس دیکھے۔ اور مخلوق اس کے کمالاتِ ذاتیہ وفعلیہ کی حسبِ مراتب صحیح معرفت حاصل کرلے۔

قرآن کریم میں فرماتے ہیں :- اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علیٰ کل شئ قدیر وان اللہ قد احاط بکل شئ علماً " یعنی آسمان وزمین پیدا کئے اور ان میں انتظامی احکام جاری کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علم وقدرت کا اظہار ہو (نبہ علیہ ابن القیم فی بدائع الفوائد) بقیہ صفات باری انہی دو صفتوں سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق رکھتی ہیں۔

صوفیہ جو ایک حدیث نقل کرتے ہیں کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف گو محدثین کے نزدیک صحیح نہیں مگر اس کا مضمون شاید اس آیت کے مضمون سے ماخوذ

Marfat.com

ومستفاد ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس کی بعض روایات میں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی تفسیر لیعرفون سے آئی ہے، یہ وہی معرفت ہوگی جسے آیات مذکورہ میں لتعلموا سے تعبیر فرمایا ہے، اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہی کیوں ہوا۔ تو سوال بالکل مہمل ہے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

ایسے "کیوں" تو فعلوں ہی میں لاکھوں ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دے سکتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر آپ ہی سے کوئی سوال کرے کہ آپ عزت وراحت کی زندگی کیوں چاہتے ہیں اور کیوں اس کے لئے جد وجہد کرتے ہیں تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟ پھر اللہ شان شانہ کے معاملات میں ہر ایک "کیوں" کے جواب کی توقع رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟

پس جب تخلیقِ عالم کی حکمت یہ ٹھہری کہ حق تعالیٰ اپنے کمالات وصفات کا خارجی مظاہر میں معائنہ کرے اور کرائے تو آگے معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی صفات مختلف متقابل اور متضاد ہیں۔ وہ غفور ورحیم بھی ہے اور جبار وقہار بھی، وہ منعم بھی ہے اور منتقم ذوالبطش الشدید بھی وھلم جرا۔ تو جب صفات مختلف ومتقابل ہوئی، ان کے مظاہر بھی مختلف ومتضاد ہونے چاہئیں۔ اب بتلاؤ اگر ابلیس اور فرعون ونمرود وغیرہ بڑے بڑے باغی وکافر نہ ہوتے تو جبار وقہار اور بطشِ شدید کا مظہر کون بنتا؟ اور ان صفات کا ظہور کس طرح ہوتا؟ اور اگر انبیاء وصالحین ومطیعین پیدا نہ ہوتے تو منعم وغیرہ صفاتِ جمالیہ کہاں ظاہر ہوتیں؟ اسی طرح ہم جیسے گنہگار وعاصی نہ ہوتے تو غفور ورحیم

Marfat.com

جیسی صفات کا اظہار کن پر ہوتا ہے

الغرض آفرینشِ عالم کی اصل غرض و غایت اور تخلیقِ اکوان کے اصل مقصد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات کا مظاہرہ ہو، اگر ان میں سے بعض صفات کو معطل فرض کر لیا جائے تو خدائی ناقص اور غیر مکمل ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عالم میں خیر اور شر دونوں کے سلسلے اس حکیم مطلق نے پیدا کئے اور شر گو بجائے خود شر ہے لیکن پیدا کرنا اس کا بھی خالق کے کمال اور مجموعہ عالم کے حسن و خوبی کی دلیل ہے۔

اس لئے اس شر کی برائی اپنے محل تک محدود رہتی ہے خالقِ حقیقی تک اسکی رسائی نہیں بلکہ خلقِ شر بھی اس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔ والخیر کله فی یدیك والشر لیس الیك۔ دیکھئے نورِ شمس جب تابدانوں اور دریچوں سے گزرتا ہے تو مختلف اشکال و تقطیعات اختیار کر لیتا ہے۔ یہ سب اشکال مختلفہ اسی نور سے ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ذاتاً آفتاب میں یہ اشکال موجود نہیں، وہ تو صرف نور کا خزانہ ہے، اشکال اِدھر اُدھر آکر نمودار ہوتیں تو آفتاب نور کے لئے مصدر ہے اور ان اشکال کے حق میں اسے خالق مجازی کہہ سکتے ہیں۔ صادر کا مصدر میں موجود ہونا ناگزیر ہے اور مخلوق کا خالق کے اندر موجود ہونا ضروری نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ خیرات و کمالات کا مصدر ہے اور خالق بھی، اور شرور و قبائح کا خالق ہے مصدر نہیں، مخلوق کی ذاتی برائی اِدھر ہی رہ جاتی ہے، خدا کی طرف محض اس کے خلق کی نسبت ہوتی ہے جو سراسر خیر ہے۔

یہاں ایک مثال جو بہت ہی حقیر ہے اور حضرتِ حق سے اسے کوئی نسبت نہیں

Marfat.com

محض تقریب الی الفہم کے لئے پیش کرتا ہوں۔

آجکل سینما میں جو مناظر دکھلائے جاتے ہیں وہ دونوں طرح کے ہوتے ہیں اچھے بھی بُرے بھی، نہایت فرحت بخش مسرّت انگیز بھی، اور سخت ہولناک وحشت انگیز بھی بہت سے مناظر دیکھ کر ناظرین شاداں و فرحاں اور ہشاش و بشاش ہوتے ہیں، اور بعض کو دیکھ کر عورتیں، بچے، اور ضعیف القلب دہشت زدہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات چیخیں مارنے لگتے ہیں۔ اب دیکھئے ان میں ایک منظر کیسا حسین، دل کش اور خوب صورت اور دوسرا اپنی جگہ کس قدر کریہہ، بھیانک قبیح اور بد ہیئت مگر سینما کے مدیر کا کمال کہ دونوں صورتوں میں برابر ظاہر ہوتا ہے اور سینما دکھلانے کی غرض دونوں سے حاصل ہو رہی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اس کا مدیر صرف ایک ہی نوع کے مناظر دکھلاتا، اور دُوسری قسم کے مناظر کی عکاسی پر قُدرت نہ رکھتا تو یہ اس کے کمال و مہارتِ فن میں ایک کمی اور نقص متصوّر ہوتا۔

ہم نے اپنے بچپن میں شعبدہ باز، بازیگروں کو دیکھا کہ کبھی وہ اپنی خالی پٹاری میں سے کبھی سانپ نکال کر دکھاتے تھے اور باوجودیکہ کبوتر ایک اچھا پرندہ اور سانپ سخت موذی جانور ہے مگر بازیگر کا کمال دونوں میں یکساں سمجھا جاتا تھا، اور تماشہ جو اس کا مقصُود تھا وہ دونوں سے یکساں حاصِل ہوتا تھا، تماش بینوں کی نگاہ اس پر ہوتی تھی کہ جو چیز بظاہر پٹاری میں موجُود نہ تھی وُہ کیسے وجود میں نظر آنے لگی۔ حالانکہ یہ صرف نظر بندی تھی جس کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

تو اس سے اندازہ کر لیجئے کہ خالقِ حقیقی کا کمال یعنی ہر قسم اور ہر نوع کی چیزوں

کو خواہ وہ خیر ہوں یا شر، پہ ذہ عدم سے منصہ وجود پہ لانا، کیا دونوں صورتوں میں ظاہر و باہر نہیں؟ اور اس عالم کی تخلیق کی جو غرض اصلی ہے کیا وہ دونوں صورتوں میں نمایاں نہیں۔

یہی نکتہ ہے کہ سورۂ شمس میں جہاں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم کھائی وہاں متقابل و متضاد اشیاء کا بھی ذکر کیا، فرماتے ہیں والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلاھا و النھار اذا جلّٰھا واللیل اذا یغشٰھا والسماء وما بناھا والارض وما طحٰھا ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا۔

ان متضاد اشیاء کی قسم کھا کر ارشاد فرما دیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان متضاد اشیاء کو اس کائنات میں پیدا کیا، اسی طرح نفسِ انسانی میں تقویٰ و فجور دو متضاد کیفیات کا الہام والقاء بھی کر دیا، پھر ان دونوں حالتوں پہ فلاح یا خیبہ کے مختلف ثمرات بھی مرتب کئے۔ ایسا ہی ارشاد ہے واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلّٰی وما خلق الذکر و الانثیٰ ان سعیکم لشتّٰی الایہ

غرض متقابل اضداد کا پیدا کرنا خالق کا انتہائی کمال ہے، خیر و شر کی تخلیق سے فاطرِ حقیقی کی طرف کوئی عیب یا نقص عاید نہیں ہوتا۔

آخر میں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ کبھی کسی موصوف کے لئے ایک صفت ثابت کرتے ہیں اور اس کا نفسِ اثبات واقع کے اعتبار سے غلط نہیں ہوتا لیکن صرف اسی قدر صفت کا ثابت کرنا چونکہ دوسرے لحاظ سے ایک گونہ نقص کا ایہام پیدا کرتا ہے، اس لئے عرفاً اس صفت کے ذکر پہ اکتفا محمود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ تادب و احترام کے خلاف

Marfat.com

شمار ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بادشاہ یا وائسرائے کے اختیارات بیان کرتے وقت یہ کہے کہ وہ ہمارے گاؤں کے مکھیا یا قصبہ کے تحصیلدار سے بھی زیادہ اقتدار و اختیار رکھتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات فی نفسہٖ غلط تو نہیں مگر عرفاً محض اتنی بات کے بیان سے ان کے اعلیٰ اقتدار و اختیار کی تنقیص متوہم ہوتی ہے اس لئے عقلاء متادبین اس قسم کی عبارات کو ایک طرح کی توہین شمار دیتے ہیں۔

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ جلّ شانہٗ گو فی الواقع ہر ایک خیر و شر کا خالق ہے اور اس کی خالقیت عامہ کے متعلق اعتقاد رکھنا جزء ایمان ہے، تاہم بعض شرور و قبائح کی تخصیص کر کے اس کی طرف نسبت کرنا، مثلاً یوں کہنا الحمد للہ خالق الکلاب والخنازیر یہ سوء ادب میں داخل ہے، اور بارگاہِ قدس کے ادب شناس تو اس بارہ میں بہت ہی احتیاط برتتے ہیں اور کسی شر یا قبیح و مکروہ چیز کی علانیہ نسبت حضرت حق کی طرف کرنے سے گو وہ خلقاً صحیح ہو تا بحدِ امکان گریز کرتے ہیں۔

دیکھئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے یطعمنی ویسقین و اذا مرضت فھو یشفین میں اطعام و سقی اور شفاء کو اپنے رب کی طرف منسوب کیا، اور مرض کو اپنی طرف تمریض کی نسبت اُدھر نہیں کی۔

مومنین جن سے کہا تھا وانا لاندری اشر اُرید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا، شر کی جانب میں اُرید بصیغۂ مجہول لائے، رُشد کی طرح ابراد شر کے فاعل کو تصریحاً ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ میں تین واقعات کا ذکر تھا، سفینہ کو توڑ کر عیب دار بنانا، غلام کا قتل کرنا، دیوار کو سیدھا کر دینا، پہلے واقعہ میں خضرؑ نے فاردت ان اعیبھا فرمایا، کیونکہ عیب دار بنانے کے الفاظ کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف صراحۃً کرنا خلافِ ادب سمجھا، گو نتیجہ کے اعتبار سے وہ بھی خیر تھا۔

قتل غلام میں دو پہلو تھے بظاہر غلام کے نفس زکیہ ہونے کے اعتبار سے ابتداءً یہ فعل قبیح تھا، لیکن باعتبار انجام و نتیجہ کے اس میں بہت بڑی خیر مضمر تھی وہاں خضرؑ نے بصیغہ جمع فاردنا ان یبدلھما ربھما الخ اختیار کیا، گویا ظاہری صورت حال کے اعتبار سے اسے اپنے ارادے کے ماتحت رکھا، اور باطنی حکمت کے لحاظ سے اس کا انتساب اللہ تعالیٰ کے ارادے کی طرف رہا۔

تیسرا واقعہ اقامتِ جدار کا تھا جو ابتداءً و انتہاءً ہر پہلو سے خیر محض تھا، جو دیوار گرا چاہتی تھی اسے گرنے سے بچایا اور یتیموں کا مال محفوظ کر دیا۔ اس لئے وہاں اپنا توسط بالکل اڑا دیا، اور صاف طور پر فرما دیا۔ فاراد ربک ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما پھر اخیر میں تمام واقعات میں تمام واقعات کو مجموعی طور پر ایک جملہ وما فعلتہ عن امری میں لپیٹ کر ظاہر کر دیا کہ یہ سب کچھ اُدھر ہی سے ہے۔ اس طرح کی حسن تعبیر کی مثالیں قرآن و حدیث میں بے شمار ہیں۔

اس لئے عارفین کاملین اور علماء متأدبین ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حقِ ربوبیت اور اپنی شانِ عبودیت کے پیش نظر تقصیرات اور لغزشوں کو اپنی طرف اور طاعات و

Marfat.com

خیرات کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

جبر و اختیار کے درمیان پُرحکمت راستہ

اور میرے نزدیک اختیارِ مطلق اور جبرِ محض کے درمیان کسب کا درجہ قائم کرنے کی بڑی حکمت یہ ہی ہے کہ بندہ اعتدال پر قائم رہ کر اپنی ہر ایک نقل و حرکت پر ربوبیت و عبودیت کے صحیح آداب بجا لائے اور بندگی کے کڑے امتحان و آزمائش میں اپنے کو ثابت قدم رکھے۔

حافظ ابن قیمؒ نے "مدارج السالکین" میں ایک عجیب اثر نقل کیا ہے جس سے اس مسئلہ کی پوری عقدہ کشائی ہوتی ہے وہ اثر یہ ہے:۔

ان العبد اذا اذنب فقال یاربِّ ھٰذا قضاءك وانت قدرت علیَّ وانت حکمت علیّ وانت کتبت علیّ، یقول اللہ عزوجل وانت عملت وانت کسبت وانت اردت واجتھدت وانا اعاقبك علیه، واذا قال یا رب انا ظلمت وانا اخطاتُ وانا اعتدیت وانا فعلت، یقول اللہ عزوجلّ وانا قدرت علیك وقضیتُ وکتبتُ وانا اغفر لك،

واذا عمل حسنةً فقال یا ربِّ انا عملتھا وانا تصدقت وانا صلیتُ وانا اطعمت یقول اللہ عزوجل وانا اعنتك وانا وفقتك واذا قال یا رب انت اعنتنی وانت منت علیّ، یقول اللہ وانت عملتھا

Marfat.com

وانت ابرد تھا وانت کسبتھا (مدارج السالکین ص۹۹ ج ۱)

اس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب گناہ کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار جو کچھ میں نے کیا تو نے میری تقدیر میں پہلے لکھ دیا تھا، اور تو میرے حق میں تکوینًا اس کا فیصلہ کر چکا تھا" تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ یہ سب کچھ سہی مگر عمل تو تو نے کیا کسب تیرا ہے، تیرے ارادے اور کوشش سے یہ کام ہوا، اب میں اس پر تجھے سزا دوں گا"

اس کے برعکس جب گناہ کا ارتکاب کر کے عرض کرتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے ظلم کیا، مجھ سے خطا اور زیادتی ہوئی اور یہ سب میری کرتوت ہے" تو ادھر سے جواب ملتا ہے کہ ٹھیک ہے مگر یہ سب تقدیر ہی بات تھی، جو میں تیرے حق میں پہلے ہی لکھ چکا تھا اب تیری اس تقصیر پر میں تجھے معاف کرتا ہوں۔

یہ تو گناہ کی صورت تھی، اب اطاعت کی صورت سنئے:۔

ادھر سے کوئی بندہ اچھا کام کر کے دعویٰ کرتا ہے کہ پروردگار میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا، میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک ایسا ہوا، مگر میں نے تیری مدد کی اور میری توفیق سے تو یہ کام کر سکا، کیا میری امداد و توفیق کے بدون تو کچھ کر سکتا تھا، اس کے برخلاف جب بندہ اپنی طرف سے عرض کرتا ہے کہ آپ نے میری مدد فرمائی اور آپ نے احسان فرمایا کہ مجھ سے یہ کام بن پڑا، تو جواب ملتا ہے کہ عمل تیرا ہے، تیرے ارادہ سے ہوا ہے اور تو نے یہ نیکی کمائی ہے"

Marfat.com

اب غور کیجئے کہ کسب کا یہ ذوالوجہین اور برزخی درجہ اگر نہ رکھتے تو عبودیت اور تأدب و اخلاص کے پرکھنے کی اس سے بہتر کسوٹی اور کیا ہو سکتی تھی۔ سبحان اللہ کیا لطف و کرم ہے اور کیا امتحانِ محبت و اطاعت ہے، یہی وہ پاک حقائق ہیں جن کے چہرہ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے پردے اٹھائے ہیں۔ یہ حکماء متفلسفین کے بس کا روگ نہ تھا۔ حق تعالےٰ کا شکر کہ اس نے نورِ نبوت کے فیض سے یہ باریک عقدے اپنے مخلص بندوں پر کھول دیئے۔

فالحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ولولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

الشہاب الرجیم الخاطف المُرتاب

یعنی مرزائیوں کے ارتداد کا ثبوت اور قتل مرتد کے شرعی دلائل

جسمیں نہایت سلیس، معقول اور منصفانہ طریقہ سے مرزائیوں کے ارتداد کا ثبوت قتل مرتد کے شرعی دلائل اور اُس کا عقلی فلسفہ اور جہاد بالسیف کی حکمت اور حدود اور دولت مستقلہ خداداد افغانستان کے فیصلہ دربارۂ تعزیر مرتد کی تحسین وتصویب اور ان تمام شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ جو اس فیصلہ پر کئے جارہے ہیں۔

مُصنّفہ

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

ناشر

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

ارتداد کی تعریف	۵
کیا مرزا قادیانی اور اُس کی اُمّت مرتد ہیں	۸
مرزا صاحب کا دعویٰ نبوّت	۱۰
کافر کس طرح کے رسول کا نہ ماننے والا ہوتا ہے	۱۲
کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے	۲۳
مرتد کا فیصلہ سنت رسول اللہ سے	۲۸
مرتد کا فیصلہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ سے	۳۰
زنادقہ کے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ	۳۱
قتلِ مرتد کا فیصلہ اجماع ائمۃ الاسلام سے	۳۲
قتلِ مرتد کے متعلق قیاسِ شرعی اور عقل سلیم کا حکم	۳۳
مرتد کی نسبت اسلامی حکومت کا فیصلہ	۳۵
ضمیمہ رسالہ الشہاب	۵۳
خاتمہ کتاب	۶۲

※

Marfat.com

الشّہابُ الرجیم الخاطف المرتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین:۔ کابل میں نعمت اللہ قادیانی کی سنگساری کے واقعہ سے ہندوستان کے اخباروں میں قادیانیوں کے ارتداد کی بحث پھر تازہ ہوگئی اور ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی زیر بحث آگیا کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے۔ مسٹر محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے پیغام صلح کے ضمیمہ کے طور پر ایک پمفلٹ بھی اسی مضمون کے متعلق بڑی تعداد میں شائع کرایا ہے جس میں پورے زور خطابت سے حکومت افغانستان اور علمائے دیوبند کے خلاف (جو افغانستان کے اس فعل کی سب سے بڑھ کر تحسین کرنے والے ہیں) نفرت اور اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگرچہ مجھے یقین ہے کہ مسلمان اب بہت کچھ قادیانیوں کی فتنہ پردازیوں اور اسلام کے خلاف اُن کی دسیسہ کاریوں سے واقف ہوگئے ہیں۔ اور اسی لئے اُن کا کوئی پروپیگنڈا افغانی گورنمنٹ یا علماء دیوبند کے خلاف انشاء اللہ مؤثر نہیں ہوسکتا۔ تاہم سلسلہ تحریرات جس حد تک پہنچ گیا ہے اُسے دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس باب میں توسط کے ساتھ کچھ عرض کیا جاوے۔

اس ضمن میں پہلی بحث جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ قادیانی جماعت کے ارتداد کا مسئلہ ہے اور پھر یہ دیکھنا ہے کہ مُرتد کی نسبت اسلام کیا فیصلہ کرتا ہے۔ تو ضروری

Marfat.com

ہُوا کہ اوّلاً ارتداد کے معنے سمجھ لئے جائیں۔

ارتداد کی تعریف

مرتد کے معنی لغت میں (راجع) یعنی کسی چیز سے لوٹنے اور پھر جانیوالے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں مرتد اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین اسلام کو اختیار کر کے اُس سے پھر جائے۔ امام راغبؒ ارتداد کے معنی لکھتے ہیں۔

ھو الرجوع من الاسلام الی الکفر "اسلام سے کفر کی طرف پھر جانا"

مفردات صد ۱۹۲ اور محمد علی صاحب اپنے پمفلٹ میں لکھتے ہیں :-

"ارتداد یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو قبول کر کے پھر اُس سے انکار کر دے اور کہہ دے کہ آپ رسول نہیں"

لیکن یہ بات صاف ہو جانی چاہیئے کہ امام راغبؒ کی تعریف میں کفر اور محمد علی صاحب کی تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرنے کا کیا مطلب ہے۔ کیا رسالت کا انکار اُسی وقت سمجھا جائیگا کہ وہ زبان سے کہدے کہ میں آپ کو رسول نہیں جانتا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی یقینی خبر اور قطعی فرمان کا انکار کرنے سے بھی رسالت کا منکر ٹھہرے گا؟

فرض کیجئے ایک شخص زبان سے اقرار کرتا ہے کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ نماز بھی قبلہ کی طرف پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ میرے خیال میں سورۂ احزاب یا سورۂ نساء قرآن کی سورۃ نہیں۔ یا حضرت عیسےٰ (علیہ السلام) خدا کے پیغمبر نہیں

Marfat.com

(معاذ اللہ) باقی سارے قرآن اور سارے انبیاء کی میں تصدیق کرتا ہوں تو کیا ایسی تصریحات کے باوجود بھی محمد علی صاحب اسے مسلمان سمجھتے رہیں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھنے والا تصور کریں گے اور ان بعض انبیاء یا اُن بعض اجزائے قرآن کی تکذیب کو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ رب محمدؐ کی تکذیب قرار نہ دیں گے۔

اگر ایسے شخص کو باوجود زبانی اقرار رسالت کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بلکہ خود خداوند رب العزت کا منکر ہی قرار دیتے ہیں جیسا کہ،

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا کے تحت میں انہوں نے لکھا ہے:۔

"اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسولوں کا انکار کر دیا۔ جیسے برہمو ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ کے سوا کسی رسول کا انکار گویا اللہ کا ہی انکار ہے۔" (بیان القرآن ص ۵۷۴)

اور ان کے مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) حقیقۃ الوحی ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں کہ

"کافر کا لفظ مومن کے مقابلہ پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے:۔

(۱) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔

(۲) دوسرے کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا۔ اور اس کو باوجود اتمام حجت

Marfat.com

کے جھوٹا جانتا ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں الخ

اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۳ پر لکھتے ہیں "جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا الخ

تو اس قسم کے اقرار اور تسلیم سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اللہ اور اس کے رسول کے انکار کی صرف یہ ہی صورت نہیں کہ ایک شخص زبان سے صریح طور پر یوں کہے کہ میں خدا کو یا اس کے پیغمبر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں، مانتا بلکہ بسا اوقات بعض نہایت ہی قطعی اور ضروری چیزوں کا انکار کرنیوالا بھی جن کی اطلاع خدا اور اس کے رسول نے دی ہو خدا اور اس کے رسول ہی کا انکار کرنیوالا سمجھا جائیگا جو قرآن کی تصریح اور مرزا صاحب کے اقرار کے موافق کفر ہے۔

پس جب کہ امام راغب رح کی تصریح کے موافق اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کا نام ارتداد ہے۔ اور محمد علی صاحب اور اُن کے مسیح موعود کی تصریحات سے یہ ثابت ہو چکا کہ کفر صرف یہی نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا صریح طور پر زبان سے انکار کیا جائے، بلکہ بعض قطعیات اسلام کا انکار کرنا بھی حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ارتداد یعنی اسلام سے کفر کی طرف پھر جانے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کوئی مسلمان صریحاً اسلام سے کفر کر بیٹھے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ایسا نہ ہو۔ مگر بعض ضروریات دینیہ اور قطعیات شرعیہ سے انکار کرے۔ دونوں صورتوں میں ایسا شخص مُرتد یعنی اسلام سے نکل کر کفر میں جانے

Marfat.com

والا ہے (العیاذ باللہ)

کیا مرزا قادیانی اور اُس کی اُمّت مرتد ہیں؟

جو لوگ مرزا غلام احمد کو مرتد کہتے ہیں اُن کے نزدیک معیار ارتداد وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا صاحب پہلے مسلمان تھے اور جمہور اہل اسلام کے سے عقائد رکھتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے بتدریج ایسی باتیں لکھیں اور شائع کیں جن کا ماننا کھلے طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا نہ ماننا ہے۔ وہ اگرچہ بار بار زبان سے یہ بھی اظہار کرتے رہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ اور خاتم الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء و مرسلین خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ قلم اور زبان سے نہایت اصرار کیساتھ ایسی چیزیں بھی نکالتے رہے جو اُن کے پہلے ادعاء کی مکذب ہیں۔

وہ جب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم قرآن کی تصریح کے موافق خاتم النبیین ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ میں آپؐ کے بعد نبی ہو کر آیا ہوں۔ پھر یہ نبوت جس کا انہیں دعویٰ ہے صرف وہ ولایۃ محدثیہ نہیں جسے صوفیہ نے (مثلاً شیخ اکبرؒ) نے اپنی اصطلاح میں نبوۃ کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ وہ گروہِ اولیاء میں موجود ہوتی ہے، گو اس کی وجہ سے وہ انبیاء نہیں کہلاتے۔ اور نہ کبھی آج تک کسی ولی نے حتیٰ کہ اس محدثؒ نے بھی جس

لہ فالاتصاف بکمالات النبوۃ لا یلزم الاتصاف بالنبوۃ (عبقات ص ۱۵۹ ج ۱۷)

پس کمالات نبوت سے متصف ہونا اتصاف بالنبوت کو مستلزم نہیں۔ ... (باقی حاشیہ آگے)

Marfat.com

کے محدّث ہونے کی تصدیق زبان رسالت سے ہو چکی تھی۔ (حضرت عمر بن الخطابؓ) اپنی اس نبوت پر ایمان لانے کی طرف لوگوں کو دعوت دی ہے۔ اور نہ مرزا صاحب

فاخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرؤیا جزء من اجزاء النبوّۃ فقد بقی للناس فی النبوّۃ ھذا وغیرہ ومع ھذا لا یطلق اسم النبوّۃ ولا النّبی الاعلی المشرع خاصۃ فحجر ھذا الاسم لخصوص وصف معین فی النبوّۃ۔

(فتوحات ص ۴۹۵ ج ۲)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلایا کہ خواب (سچا) اجزاء نبوۃ میں سے ایک جز ہے تو لوگوں کے واسطے نبوۃ میں سے یہ جز (رؤیا) وغیرہ باقی رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی نبوۃ کا لفظ اور نبی کا نام بجز مشرع (امر و نہی لانے والے) کے اور کسی پر بولا نہیں جا سکتا۔ تو نبوت میں ایک خاص وصف معین کی موجودگی کی وجہ سے اس نام (نبی) کی بندش کر دی گئی ہے۔

کمن یوحیٰ الیہ فی المبشرات وھی جزء من اجزاء النبوّۃ وان لم یکن صاحب المبشرۃ نبیّا فتقطن لعموم رحمۃ اللہ فما تطلق النبوّۃ الا لمن اتصف بالمجموع وذلک النبی وتلک النبوّۃ التی حجزت علینا وانقطعت فان من جملتھا التشریع بالوحی فی التشریع وذالک لا یکون الا لنبی خاصۃ

جیسے کسی کی طرف مبشرات کی وحی آئی اور وہ مبشرات اجزاء نبوت میں سے ہیں۔ اگرچہ صاحب مبشرہ نبی نہیں ہو جاتا پس رحمت الٰہیہ کے عموم کو سمجھو تو نبوت کا اطلاق اسی پر ہو سکتا ہے جو تمام اجزائے نبوت سے متصف ہو۔ وہی نبی ہے۔ اور وہی نبوت ہے جو منقطع ہو چکی اور ہم سے روک دی گئی۔ کیونکہ نبوت کے اجزاء میں سے تشریع بھی ہے جو وحی ملکی سے ہوتی ہے۔ اور یہ بات صرف نبی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (فتوحات ص ۵۶۸ ج ۳)

Marfat.com

ایسی گھٹیا نبوت کے مدعی ہیں جو ایک سچا خواب دیکھنے سے بھی کسی مومن صالح کو فی الجملہ حاصل ہو سکتی ہے۔

مرزا صاحب کا دعوی نبوت

بلکہ وہ محدثیت وغیرہ سے آگے بڑھ کر مدعی ہوئے ہیں ایسی نبوت کے جس پر نہ صرف قادیان کو نہ صرف پنجاب کو، نہ انڈیا کو بلکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی طرح تمام عالم کو ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ پھر جو کوئی اس دعوت کے پہنچنے پر بھی ایمان نہ لائے وہ دائرۂ ایمان و اسلام سے خارج اور جہنمی ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہ لانے والا بے ایمان اور جہنمی ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا نہ ماننے والا بعینہ خدا اور رسول کو بھی نہ ماننے والا ہے۔

نہ صرف یہی کہ اُن کو معمولی نبی تسلیم کر لیا جائے۔ بلکہ بعض اولوالعزم پیغمبر اور خاتم انبیاء بنی اسرائیل سیدنا حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام پر بھی ان کی فضیلت کا اقرار کیا جائے۔ پھر فضیلت بھی کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ بلکہ کلی فضیلت اور ہر شان میں ان سے بڑھ کر مانا جائے۔ اور اگر ہو سکے تو ان سب کے بعد ذرا، دبی زبان سے تشریعی (صاحب شریعت) نبی بھی تسلیم کر لیا جائے۔ ملاحظہ ہوں مرزا صاحب کی عبارات ذیل۔ "اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔" (انجام تھم بار دوم صفحہ ۶۲)

Marfat.com

"بہرحال جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ ایک ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے۔"

(نہج المصلی جلد اول صـ۳۰۸ منقول از تشحیذ الاذہان جلد ۶ صـ۱۳۵)

"علاوہ اس کے جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشین گوئی موجود ہے (حقیقۃ الوحی بار دوم صـ۱۶۳) اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور عملاً خدا تعالیٰ کے نشانوں کو رد کرتا ہے اور مجھ کو باوجود صدہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے تو وہ مومن کیوں کر ہو سکتا ہے۔" (ایضاً صـ۱۶۴)

"اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح بن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے اوپر نازل ہوئی، اس نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔ مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔" (حقیقۃ الوحی بار دوم صـ۱۴۹)

"خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا۔ جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صـ۱۴۸ منقول از ریویو جلد اول ۶ صفحہ ۲۵۷)

☆☆☆☆☆☆☆☆

Marfat.com

کافر کس طرح کے رسول کا نہ ماننے والا ہوتا ہے

اس کے متعلق تریاق القلوب صفحہ ۱۳۰/۳۲۵ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے سے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں۔ لیکن صاحب شریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں کہ گو وہ کیسے ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں۔ اور خلعتِ مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں اُن کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔"

ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے۔ اور اپنی اُمّت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگا۔ پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان ھٰذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ۔ یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر و نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی۔[1]" اربعین ص۷

---

[1] شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کیا مسٹر محمد علی اور بے خبری سے ان کی تائید کرنیوالے یہ عبارتیں سن رہے ہیں

فما بقی للاولیاء الیوم بعد ارتفاع النبوۃ الا التعریفات و انسدت ابواب الاوامر الالٰہیۃ والنواھی فمن ادعاھا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو مدع شریعۃ اوحی بھا الیہ سواء وافق بھا شرعنا او خالف (فتوحات ج ۱ ص ۱۵)

نبوت اٹھ جانے کے بعد آج اولیاء کے لئے بجز تعریفات کے کچھ باقی نہیں رہا اور اوامر نواہی کے سب دروازے بند ہو چکے اب جو کوئی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امر و نہی کا مدعی ہو (جیسے مرزا صاحب) وہ اپنی طرف وحی شریعت آنے کا مدعی ہے۔ خواہ وہ شریعت ہماری، شریعت کے موافق ہو یا مخالف۔"

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اس عبارت کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کرتے ہیں:۔

فان کان مکلفا فنبا عنقہ والا فنربا عنہ صفحا

(الیواقیت والجواہر ص ۳۷ ج ۲)

پھر اگر یہ مدعی وحی شریعت مکلف ہے (یعنی مجنون وغیرہ نہیں ہے) تو ہم اس کی گردن ماریں گے، اور اگر مکلف نہیں تو ہم اس سے کنارہ کشی کریں گے۔"

شیخ اکبر فتوحات کے اکیسویں باب میں فرماتے ہیں کہ جو کوئی (بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے) یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی چیز کا حکم کیا ہے (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی) تو یہ دعویٰ صحیح نہیں یہ محض تلبیس ہے۔ کیونکہ امر کلام کی قسم اور اس کی صفات میں سے ہے۔ اور یہ (کلام کا دروازہ) لوگوں پر بند کیا جا چکا ہے

قال الشیخ الاکبر فی الباب الحادی والعشرین من الفتوحات من قال ان اللہ تعالیٰ امرہ بشیٔ فلیس ذالک بصحیح انما ذالک تلبیس لان الامر قسم الکلام وصفۃ و ذالک باب مسدود دون الناس

(الیواقیت والجواہر ص ۳۴ ج ۱)

Marfat.com

کیا یہی وہ صوفیوں کی اصطلاحی یا مجازی یا لغوی نبوت ہے جس کا ثبوت رؤیا کی حدیث یا شیخ اکبر کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیا قادیانیوں کا یہی ظلی اور بروزی، نبی ہے جو اصلی اور حقیقی نبیوں سے بھی بڑھ گیا ہے۔ کیا اُمتی نبی نام رکھ دینے سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ سکتا ہے۔ اور کیا یہ سخت حیرت انگیز اور مضحکہ خیز منطق نہیں ہے کہ کسی پرانے نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دوبارہ آنا تو یہ آیۃ خاتم النبیین کے خلاف ہو لیکن نبیوں پر فضیلت کلی رکھنے والا ایک نیا نبی قادیان میں آجائے یہ خاتم النبیین کے خلاف نہ ہو۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود نے مفضول انبیاء کے آنیکا سلسلہ تو بند کر دیا لیکن ان سے اعلیٰ اور افضل انبیاء کی تشریف آوری کا دروازہ کھول دیا ہے۔ کاش کہ قرآن میں بھی خاتم النبیین کی آیت کے ساتھ فاتح النبیین کی کوئی آیت ہوتی اور جس صراحت اور تکرار کے ساتھ حضورؐ سے پہلے آنے والے انبیاء کا تذکرہ ہوا ہے اس کا عشر عشیر ہی پیچھے آنے والے نبی کے متعلق ہوتا کہ امت کو زیادہ کام ان ہی پچھلوں سے پڑنا تھا۔ اور ان پہلوں سے افضل بھی تھے۔

کیا مرزائیوں میں کوئی بھی خوف خدا رکھنے والا نہیں۔ کیا اُن کے دلوں پر مہر ہو چکی ہے۔ کیا ان کی قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ جو ایسی، ایسی صریح عبارتوں کے بعد بھی ایک مفتری علی اللہ کو سچا پیغمبر بناتے چلے جاتے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اس مفتری نے اپنے تئیں سچا ثابت کرنے کے لئے آتھم کے قصہ میں اور محمدی بیگم کے آسمانی نکاح میں معاذ اللہ خدا کو اور اس کی قضاء مبرم تک کو جھوٹا ٹھہرا دیا۔ مگر وہ محروم الخیر جماعت جو آج علماء دیوبند پر خدا کو جھوٹا

Marfat.com

کہنے کا محض فرضی الزام رکھ کر اپنے لئے اور نئی لعنت خرید رہی ہے۔ اُس مفتری کا برابر کلمہ پڑھتی جاتی ہے۔ جو اپنی سچائی کا ثبوت ہی جب پیش کر سکتا ہے جب پہلے خدا کو جھوٹا ثابت کر دے۔ (کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم)

شاید محمد علی صاحب کو علماء دیوبند کے آئینۂ اعتقاد میں اپنا چہرہ نظر آگیا ہے جو معاذ اللہ خدا کے جھوٹ بولنے کی تصویر سامنے آگئی۔ انّ فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہٗ قلبٌ او اُلقیَ السمع وھو شہید۔

خوب سمجھ لو کہ جھوٹے حیلے اور بیہودہ عذر تراش کو ختم نبوت جیسے قطعی اور، اسلام کے بنیادی عقیدہ کی تکذیب کر نا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صدق و راست بازی اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ہونے سے انکار کرنا ہے۔

فانھم لایکذبونک ولکنّ الظٰلمین بآیٰت اللہ یجحدونَ۔

یہ لوگ تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔

اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں یہ ہی ارتداد ہے کہ آدمی اسلام کا اقرار کرنے کے بعد پھر اس سے صریحاً انکار کرنے لگے یا ایسی قطعی اور صاف چیزوں کا انکار کر بیٹھے جو انکار رسالت کو مستلزم ہو۔

ارتداد کی اس قسم خفی کا نام یعنی یہ کہ آدمی زبان سے اسلام کا نام بھی لیتا رہے اور کلمہ بھی پڑھتا رہے مگر نامعقول تحریفات اور ناقابل قبول تاویلات باطلہ سے قطعیات کے انکار پر بھی تلا ہو۔ سلف کی زبان میں "زندقہ" ہو گیا ہے اور جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے زنادقہ کا حکم بھی وہی عام مرتدین کا سا ہے۔

اس تمام تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مرزا غلام احمد قادیانی جس کی ختم نبوت کو

Marfat.com

رد کرنے والی تصریحات ہم نقل کر چکے ہیں۔ اسلام کے ایک قطعی عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مُرتد اور زندیق ہے۔ اور جو جماعت ان تصریحات پر مطلع ہو، کر ان کو صادق سمجھتی رہے، اور اس کی حمایت میں لڑتی رہے وہ بھی یقیناً مرتد اور زندیق ہے خواہ وہ قادیان میں سکونت رکھتی ہو یا لاہور میں۔ جب تک وہ ان تصریحات کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان نہ کرے گی خدا کے عذاب سے خلاصی پانے کی اُس کے لئے کوئی سبیل نہیں۔

یہاں تک ہم نے مرزا صاحب اور ان کے اذناب ارتداد کا صرف ایک سبب بیان کیا ہے۔ کیونکہ محمد علی صاحب نے اپنے پمفلٹ میں اسی کا تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے موجبات ارتداد مثلاً توہین انبیاء علیہم السلام وغیرہ سے عمداً اغماض کیا گیا ہے۔ شاید اس خدمت کو میرا کوئی دوسرا بھائی انجام دے گا اور بہت سے بزرگ مجھ سے پہلے بھی فی الجملہ انجام دے چکے ہیں۔

آپ یقین کیجئے کہ ہم کو مرزا صاحب یا کسی ایک کلمہ گو کے کافر اور مرتد ثابت کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہماری حالت تو یہ ہے کہ نہ ہم غیر مقلدین کو کافر کہتے ہیں۔ نہ تمام شیعوں کو نہ سارے نیچریوں کو حتیٰ کہ ان بریلویوں کو بھی کافر نہیں کہتے جو ہم کو کافر بتلاتے ہیں۔ اور ہماری تمنا تھی کہ کوئی صورت ایسی نکل آتی کہ مرزائیوں کی تکفیر سے بھی ہم کو زبان آلودہ نہ کرنی پڑتی۔ لیکن ان کے ملحدانہ دعاوی نے جن سے بارگاہ رسالت میں سخت گستاخی ہوتی ہے اور کسی طرح ختم نبوت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ ہم کو مضطر کر دیا ہے کہ بادل ناخواستہ ان کی گمراہی سے لوگوں کو بچائیں کہ جو زہر دودھ یا مٹھائی میں مخلوط ہو گیا ہو وہ سخت

خطرناک ہے۔

جو عبارتیں مرزا صاحب کی میں اوپر نقل کر چکا ہوں کیا ان کے مطالعہ کے بعد اس مسئلہ کا اعلان نہیں ہو جاتا کہ جو کوئی ان کو نبی اور مسیح موعود نہ مانے وہ دائرہ، ایمان و اسلام سے خارج ہے۔ اب تم خود دنیا کی مردم شماری کر لو کہ تمہارے کافر بنائے ہوئے غیر مسلموں کے سوا کتنے آدمی مسلمان رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کروڑوں غیر مسلم (فی زعمکم) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ اور سارے احکام بجالاتے ہیں۔

کیا مسٹر محمد علی اپنے اس فقرہ میں :۔

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعتراف کرنے والے کو کافر کہنا بڑی خطرناک غلطی ہے خواہ مرزا محمود صاحب کہیں یا مولوی کفایت اللہ صاحب"

دونوں ناموں سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا اور اضافہ کریں گے۔ اور ان کی قبر پر جاکر ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا کی تلاوت فرمائیں گے؟

ایک طرف تو آپ کے مسیح موعود سارے جہان کے کلمہ پڑھنے والوں کو بجز چند لاکھ نفوس کے مسلمانی سے نکال رہے ہیں۔ اور دوسری طرف آپ شاید ہر اس شخص کو جو مسلمانوں کو سلام کر لے (خواہ وہ ہندو ہو یا یہودی یا نصرانی یا دہریہ) مومن تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے نبی قادیانی اور امتی دونوں کی شریعت فہمی اور قرآن دانی کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ قادیانی بڑے نمازی ہیں۔ قرآن بہت پڑھتے ہیں۔ روزے

Marfat.com

رکھتے ہیں۔ زکواۃ دیتے ہیں۔ اگر اس پر بھی وہ مسلمان نہیں تو بڑی حسرت اور حیرت کا مقام ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایک ایسی ہی بدبخت قوم کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین کی احادیث میں فرمایا ہے کہ جو قرآن کی تلاوت بھی کرے گی اور بظاہر سچے مسلمانوں سے بھی زیادہ نمازیں پڑھے گی اور روزے رکھے گی مگر ان کا قرآن ان کے حلقوم سے آگے نہ بڑھے گا اور وہ اسلام میں سے ایسی ہی نکل چکی ہوگی جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے ان کو پایا تو عاد و ثمود کی طرح ان کو قتل کر دوں گا۔

حق تعالیٰ شانہٗ اپنی پناہ میں رکھے اور اس دنیا سے ایمان پر اٹھائے کہ یہ مقام بڑے خوف اور عبرت کا ہے۔

مرزائیوں کو بڑا فخر ہے۔ اور بعض سادہ لوح آزاد منش مسلمان بھی ان کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ آج اسلام کی ایسی خدمت کر رہے ہیں۔ جو کسی دوسری جماعت مسلمین سے بن نہیں پڑی۔ یعنی یورپ میں اسلام پھیلاتے ہیں۔ ملکانوں کو شدھ ہونے سے روکتے ہیں۔ آریوں وغیرہ کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان کا یہ فخر اور منقبت اگرچہ سمجھدار مسلمان اس لئے تسلیم نہیں کرتے کہ جس چیز کی وہ اشاعت اور حمایت کرتے ہیں وہ صحیح اسلام نہیں ہے بلکہ یا تو وہ مرزا صاحب کی نبوت کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور یا مرزا صاحب کا ترمیم کیا ہوا اسلام جسے انہوں نے بہت سے اصول و فروع کاٹ کر نوجوانانِ یورپ یا،

Marfat.com

یورپ کی وحی پر ایمان لانے والوں کے اہواء وظنون کے سانچہ میں ڈھالا ہے۔
لیکن اس سے قطع نظر کرکے علی سبیل التنزل کہتا ہوں کہ ان کا یہ سب امتیاز اور خدمات اسلام کو تسلیم کرنے کے بعد بھی ان مومن اور ناجی ہونا ضروری نہیں ہے۔

صحیح مسلم کے ابواب الایمان میں اس شخص کا واقعہ پڑھیئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم رکاب جہاد میں تھا۔ اور اس نے وہ خدمت اور اعانت اسلام اور مسلمانوں کی کی تھی۔ جس کا اعتراف صحابہؓ نے، حضورؐ کی جناب میں ان الفاظ سے کیا:۔

ما اجزأ منا الیوم احد ما اجزأ فلانٌ	آج کے دن ہم میں کوئی بھی ایسا کافی نہیں ہوا جیسا کہ فلاں آدمی ہوا ہے۔

مگر لسانِ نبوت سے باوجود ان خدمات جلیلہ کے ارشاد ہوا کہ انہ من اھل النار یا در کھو وہ دوزخی ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر	بیشک حق تعالیٰ اس دین کو مدد پہنچا دیتا ہے بدمعاش آدمی سے۔

اور جامع صغیر میں حدیث ہے کہ:۔

سیشد ھذا الدین برجال لیس لھم عند اللہ خلاق (السراج المنیر شرح جامع الصغیر ص ۳۲۴ ج ۲)	قریب ہے کہ اس دن کی تائید اور تقویت ایسے لوگوں کے ذریعہ سے ہو جائیگی جن کے لئے خدا کے یہاں حصہ نہیں۔

اور عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ایسی جماعت کے متعلق جو قرآن کو اور رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکولر نہیں تھی صرف قدر کا انکار کرتی تھی فرمایا:۔

اذا لقیت اولئك فاخبرهم انی بریٔ منهم وانهم بریٓؤ منی والذی یحلف به عبد اللّٰه بن عمر لو ان لاحدهم مثل احدٍ ذهبًا فانفقه ما قبل اللّٰه منه حتی یؤمن بالقدر۔	جب تم ان سے ملو تو کہدو کہ میں (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) ان سے علیحدہ ہوں اور وہ ہم سے بے تعلق ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کی عبداللہ بن عمر قسم کھا سکتا ہے اگر ان میں سے کسی کے پاس احد (پہاڑ) کی برابر سونا ہو پھر وہ اسے خرچ کر ڈالے تب بھی اللہ تعالیٰ ہرگز اسے قبول نہیں کرے گا یہانتک کہ وہ تقدیر پر ایمان لے آئے۔

ابوطالب سے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی حمایت اور اعانت ایسی نازک ترین ساعت میں کس نے کی ہوگی لیکن وہ ساری خدمات اور جانبازیاں بھی اس کو ضحضاحِ نار سے نہ بچا سکیں۔

روایات بالا کو پڑھ کر کس کی ہمت ہے کہ قادیانیوں کی محض نام نہاد خدمات اسلامیہ کو دیکھ کر اُن کے مومن یا ناجی ہونے کا فتویٰ دیدے۔ اور ان کے عقائد کفریہ کی طرف کچھ التفات نہ کرے۔

عہد رسالت میں منافقین کا گروہ برابر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قسمیں کھا کر گواہی دیتا تھا۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کا اظہار کرتا تھا۔ مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتا تھا اور ان کا ذبیحہ بھی کھاتا تھا۔ لیکن اس پر بھی اُن کو جھوٹا اور بے ایمان کہا گیا۔ اور مسلمانوں کو اُن کے مکائد سے

Marfat.com

رہنے کی ہدایت کی گئی۔ کیونکہ ان کے دوسرے قرائن واحوال اور مخاطبات سرّیہ ان کے دعوائے ایمان کی تکذیب کرتے تھے۔ ولتعرفنھم فی لحن القول اور ان کا دل ایمان سے خالی تھا۔ اور وہ لوگ بھی ہمارے یہاں کے پنجابی نبی کی اُمّت کی طرح اندر ہی اندر اسلام اور مسلمانوں کی جڑ کاٹتے رہتے تھے۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پنجابی نبی اور اس کی امّت نے تنگ ظرفی سے اسلام کے خلاف بعض عقائد کا اعلان بھی کر دیا اور اس لئے وہ منافق کے بجائے مرتد کے حکم کے تحت میں آگئے۔ اور امیر افغانستان ان کو منافقین کی سی مہلت نہ دے سکے۔ اگر قادیانی پارٹی منافقین میں شامل ہو کر افغانی حدو تعزیر سے بچنا، چاہتی ہے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ جہاراً اپنے خبیث عقائد کا اقرار کرنا چھوڑ دے۔ پھر ان کے دلوں کا حال خدا کے اور یوم آخرت کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ غالباً مرزا محمود نے جو مشورہ نعمت اللہ کے واقعہ کے بعد اپنی پارٹی کو دیا ہے اس میں اسی نفاق کی تعلیم کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے۔

محمد علی صاحب کو بڑی فکر اس کی ہے کہ اگر علماء دیوبند قادیانیوں کو کافر بتلاتے ہیں تو سُنّیوں کو شیعہ اور شیعوں کو سنی مقلدوں کو غیر مقلد اور غیر مقلدوں کو مقلد۔ علی ہذا القیاس دیوبندیوں کو بریلوی اور بریلویوں کو دیوبندی کافر قرار دیتے ہیں اس صورت میں تو کوئی مسلمان نہ رہے گا اور ایک دوسرے کو مرتد سمجھ کر قتل کر دیں گے۔

لیکن اوّل تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر اور مرتد اور واجب القتل سمجھتا ہے۔ دوسرے واقعات آپ کے اس

Marfat.com

خطرہ کی تردید کرتے ہیں کیا اسوقت تک افغانستان میں تین مرتد قتل نہیں کئے گئے۔ پھر بھی خدا کے فضل سے کوئی موقعہ ایسا پیش نہیں آیا کہ کوئی مسلمان محض فرضی جرم ارتداد پر کسی جگہ قتل کر دیا گیا ہو۔ اور اگر کسی جگہ آئندہ ایسا ہی کیا گیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ اس کا خون بحول اللہ وقوتہ رنگ لائے بدوں نہیں رہیگا۔

محمد علی صاحب کو ایسا لکھتے وقت اسلام کے نام اور اپنی نام نہاد امامت کی شرم کرنی چاہیئے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو اور وہ سب لوگ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ تو کیا اس اختلاف کے وقت یہود و نصاریٰ کے کافر کہنے سے آپ کو اپنے مزعوم اسلام میں کچھ تردد ہو جاتا ہے یا آپ کے ہاتھ میں کوئی معیار ایسا دیا گیا ہے جس پر آپ اپنے اسلام اور ان کے کفر کو پرکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح کیا قرآن و سنت نے کوئی معیار صحیح و محکم ہمارے ہاتھ میں ایسا نہیں دیا کہ ہم مدعیانِ اسلام کے اختلاف کے وقت ہر ایک کے کفر و ایمان کو اس پر کس کر دیکھ لیں۔

تو صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر و مرتد کہتا ہے یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں کوئی کافر و مرتد نہیں یا سارے کافر و مرتد ہی ہیں۔ (معاذ اللہ) خدا نے اگر تم سے نور ایمان چھین لیا ہے تو کیا عام انسانوں کو جو نور فہم عطا ہوتا ہے وہ بھی سلب کر لیا گیا ہے۔ تم کو بڑا غیظ ہے کہ جب مرزائی افغانستان میں قتل کئے جاتے ہیں تو بابی اور بھائی شاہ ایران اور ترکوں کے حکم سے کیوں قتل نہیں کئے جاتے۔

یہ سوال یا تو آپ کوکب ہند والے سید محفوظ الحق سے کیجئے۔ اور یا شاہ ایران اور ترکی پالیمنٹ سے اور یا ان ملعونین مرجومین سے جو کابل کے قلمرو میں اس علم کے بعد

Marfat.com

کہ وہاں خالص اسلامی حدود تعزیر کی تلوار چمکتی رہتی ہے ارتداد کا جھنڈا اٹھا کر گئے اور انجام کار آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ان کو حق تعالیٰ کے غضب وانتقام کا مورد بننا پڑا۔

کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے؟

اب میں دوسرے مسئلہ کی طرف آتا ہوں وہ یہ کہ اسلام میں مرتد کی سزا کیا ہے اور افغانستان کا فعل کس حد تک اصل قانون اسلام پر منطبق ہو سکتا ہے۔

اسلامی اصول کے موافق کسی مسئلہ شرعی کے اثبات کیلئے چار دلیلیں ہو سکتی ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع مجتہدین، قیاس واستنباط۔

اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ کا ثبوت چاروں طریقوں سے ہو۔ اور نہ ہر ایک دلیل ہر مسئلہ میں کارآمد ہو سکتی ہے تاہم مسئلہ زیر بحث (قتل مرتد) میں اتفاق سے چاروں دلیلیں جمع ہو گئی ہیں۔

چونکہ بارہا کہا گیا ہے کہ قتل مرتد کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کرو (حالانکہ مرزا صاحب کی نبوت جس کے نہ ماننے سے مسلمان خارج از اسلام ہو جاتے ہیں۔ قرآن، حدیث اجماع وغیرہ سب کو چھوڑ کر صرف ایک دو صوفیوں کی ناتمام عبارتوں سے ہی ثابت ہو جاتی ہے) اس لئے ہم نے بہمہ وجوہ اتمام حجت کے لئے مناسب سمجھا ہے کہ اولاً مرتد کے بارہ میں قرآن ہی کا فیصلہ سنایا جائے۔

مرتدین کے حق میں قرآن کا فیصلہ

یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی

Marfat.com

لیکن ایک واقعہ جماعتِ مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانے کا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں تاویل کی ذرا گنجائش نہیں۔ نہ وہاں محاربہ ہے۔ نہ قطع طریق۔ نہ کوئی دوسرا جرم۔ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس پر حق تعالیٰ نے ان کے بیدریغ قتل کا حکم دیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو جب خدا نے فرعون کی غلامی سے نجات دی۔ اور فرعونیوں کی دولت کا مالک بنا دیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ٹھہرے ہوئے وعدہ کے موافق حضرت ہارون کو اپنا خلیفہ بنا کر کوہ طور پر تشریف لے گئے جہاں آپ نے چالیس راتیں خدا کی عبادت اور لذتِ مناجات میں گزاریں۔

اور توراۃ شریف آپ کو عطا کی گئی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور اُدھر سامری کی فتنہ پردازی نے بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت کو آپ کے پیچھے راہ حق سے ہٹا دیا۔ (اضلھم السامری یعنی سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنا کر کھڑا کر دیا۔ جس میں کچھ بے معنی آواز بھی آتی تھی۔ بنی اسرائیل جو کئی صدی تک مصری بت پرستوں کی صحبت بلکہ غلامی میں رہے تھے۔ اور جنہوں نے عبور بحر کے بعد بھی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بیہودہ درخواست کی تھی کہ:۔

اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ ہمارے لئے بھی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں۔

وہ سامری کے اس بچھڑے پر مفتون ہو گئے۔ اور یہاں تک کہہ گذرے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے جس کی تلاش میں موسیٰ بھول کر ادھر اُدھر پھر رہے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ہارون علیہ السّلام نے موسیٰ علیہ السّلام کی جانشینی کا حق ادا کیا اور اس کفر وارتداد سے باز آجانے کی ہدایت کی :۔

یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری

اے لوگو تم اس بچھڑے کے سبب فتنہ میں ڈالدیئے گئے حالانکہ تمہارا پروردگار (تنہا) رحمٰن ہے تو تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو

لیکن وہ اپنی اُسی سخت مرتدانہ حرکت پر جمے رہے۔ بجائے توبہ کے یہ کہا کہ :۔

لن نبرح علیہ عاکفین حتّٰی یرجع الینا موسیٰ۔

ہم برابر اپنے اس فعل پر جمے رہیں گے یہانتک کہ خود موسیٰ ہماری طرف واپس آویں۔

ادھر حضرت موسیٰؑ کو پروردگار نے اطلاع کی کہ تیری قوم تیرے پیچھے فتنہ (ارتداد) میں پڑ گئی۔ وہ غصہ اور غم میں بھرے ہوئے آئے۔ اپنی قوم کو سخت سست کہا، حضرت ہارونؑ سے بھی باز پرس کی۔ سامری کو بڑے زور سے ڈانٹا۔ اور ان کے بنائے ہوئے معبود کو جلا کر راکھ کر دیا اور دریا میں پھینک دیا۔

یہ سب ہوا لیکن اُن مرتدین کی نسبت خدا کا کیا فیصلہ رہا جنہوں نے موسیٰؑ کے پیچھے گوسالہ پرستی اختیار کر لی تھی تو دنیا میں تو ان کیلئے خدا کا فیصلہ یہ تھا :۔

ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضبٌ من ربھم وذلۃ فی الحیوٰۃ الدنیا وکذالک نجزی المفترین

جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ضرور ان کو دنیا میں ذلت اور خدا کا غضب پہنچ کر رہے گا۔ اور مفترین کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

اور اس غضب وذلت کے اظہار کی صورت عباد عجل کے حق میں یہ تجویز ہوئی جو سورۂ بقرہ میں ہے :۔

انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل

اے قوم بنی اسرائیل تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں

Marfat.com

فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم | پر ظلم کیا تو اب خدا کیطرف رجوع کرو پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو

اور فاقتلوا انفسکم میں انفسکم کے معنی وہی ہیں جو ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم میں ہیں۔ اور قتل کو اپنے اصلی اور حقیقی معنے سے (جو ہر طرح کے قتل کو خواہ لوہے سے ہو یا پتھر سے شامل ہے) پھیرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں بلکہ، غضب اور ذلت فی الحیوٰۃ الدنیا اس کے نہایت ہی مناسب ہے اور یہی غضب کا لفظ دوسری جگہ تمام مرتدین کے حق میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم (نحل)

اس حکم کا نتیجہ جیسا کہ روایات میں ہے یہ ہوا کہ کئی ہزار آدمی جرم ارتداد میں خدا کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے قتل کئے گئے۔ اور صورت یہ ہوئی کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز و قریب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے قاتلین کا اپنے عزیزوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا یہ اس کی سزا تھی کہ انہوں نے اپنے آدمیوں کو ارتداد سے روکنے میں کیوں تساہل کیا۔

ولما سقط فی ایدیھم ورأوا انھم قد ضلوا قالوا لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخاسرین۔ | اور جب وہ نادم ہوئے اور معلوم کر لیا کہ وہ رستہ سے بھٹک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ فرمائیگا اور ہمکو نہ بخشیگا تو ہم ضرور خسارہ اٹھانیوالوں میں سے ہونگے

لیکن اس توبہ نے بھی ان کو دنیا کی عقوبت سے نہیں بچایا۔ جیسا کہ اب بھی بعض اقسام مرتد کے متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ وہ توبہ کے بعد بھی حدًا قتل

Marfat.com

کیا جائے گا۔ خواہ توبہ آخرت کے عذاب کو اس سے اٹھا دے۔

اسی طرح گوسالہ پرستوں سے بھی اگرچہ دنیا میں خدا کی تعزیر ساقط نہیں ہوئی لیکن قتل کئے جانے کے بعد خدا نے احکام اخروی کے اعتبار سے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اور ان قاتلین کی بھی جنہوں نے اپنے اقرباء کے ارتداد کے معاملہ میں مداہنت کی تھی۔

ذٰلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انہٗ ھو التواب الرحیم

یہ تمہارے خالق کے یہاں تمہارے حق میں بہتر ہے پھر خدا نے انکی توبہ قبول کرلی کیونکہ وہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

محمد علی صاحب جن کی تفسیر پر مرزائیوں کو بڑا ناز ہے لکھتے ہیں کہ سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا وکذالک نجزی المفترین کے بعد والذین عملوا السیئات ثم تابوا من بعدھا وامنوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم واقع ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے بعد جرم معاف ہو جاتا ہے۔

لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جو مرتد توبہ کے بعد بھی حدًا یا تعزیرًا قتل کیا جائے جیسا کہ عباد عجل کئے گئے۔ اس کے حق میں یہ معافی کی آیت ایسی ہے جس طرح سارق کے بارہ میں والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالًا من اللہ واللہ عزیز حکیم کے بعد فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم سے اس کی معافی کی طرف اشارہ ہے اگرچہ سرقہ کی سزا دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہوتی۔

الحاصل واقعہ عجل سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مرتدین کی ایک جماعت کو جس کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی حق تعالیٰ نے محض ارتداد کے جرم میں نہایت اہانت

Marfat.com

اور ذلت کے ساتھ قتل کرایا۔ اور ارتداد بھی اس درجہ کا قرار دیا گیا کہ توبہ بھی انکو خدائی سزا سے محفوظ نہ کر سکی۔ بلکہ توبہ کی مقبولیت بھی اسی صابرانہ مقتولیت پر مرتب ہوئی، کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ موسوی شریعت کا ہے۔ امتِ محمدیہ کے حق میں اس سے تمسک نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پہلی امتوں کو جن شرائع اور احکام کی ہدایت کی گئی ہے اور قرآن نے ان کو نقل کیا ہے وہ ہمارے حق میں بھی معتبر ہیں اور ان کی اقتدا کرنے کا امر ہم کو بھی ہے جب تک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر یا ہماری کتاب اس حکم سے ہم کو علٰحدہ نہ کر دیں۔

چند انبیاء و مرسلین کے تذکرہ کے بعد جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوا ہے کہ:-

اولئک الذین ھدی اللہ	یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی تو آپ
فبھداھم اقتدہ	بھی ان کی ہدایت پر چلئے۔

یہ خطاب فی الحقیقت ہم کو سنانا ہے۔ خود محمد علی صاحب اپنی تفسیر میں، لکھتے ہیں کہ "قرآن شریف میں کسی انسان کا ذکر ہو یا کسی قوم کا سب مسلمانوں کی تعلیم کیلئے ہے (بیان القرآن) پس اسی قاعدے سے بنی اسرائیل کے مرتدین کو قتل کئے جانے کے حکم میں بھی تعلیم ہم ہی مسلمانوں کو ہوگی۔

مرتد کا فیصلہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

خصوصاً جب کہ دوسری آیات کی معیت میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عام و تمام فیصلہ بھی (جو لتبین للناس ما نزل الیھم کے تحت میں داخل

Marfat.com

ہے) یہی ہوا کہ :-

من بدّل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری) | جو اپنا دین بدلے اسے قتل کردو

محمد علی صاحب نے بخاری کی اس حدیث کے ساتھ خوب ٹھٹھا کیا ہے اور اس طرح اپنے دل کی گندگی کو اور بڑھایا ہے۔

کہتے ہیں کہ یہاں دین سے کیا مراد ہے۔ کیا ہر ایک دین کو بدلنے والا واجب القتل ہے تو یہودی سے کوئی نصرانی بنے یا ہندو سے عیسائی وہ بھی واجب القتل ہوگا۔

کیا محمد علی صاحب ایمان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب وہ یہ لکھ رہے تھے خود ان کا ضمیر اندر سے ان پر لعنت نہیں کر رہا تھا؟ کیا واقعی طور پر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک لفظ کا بھی کوئی ایسا مطلب لینا جائز سمجھتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہو کہ ہر شخص جو اپنا پرانا مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتا جائے اسے تم قتل کرتے جاؤ۔ یہاں تو آپ معنی ڈالنے میں سوامی دیانند سے بھی گوئے سبقت لے گئے۔

جس وقت آپ کے دل میں یہ سوال آیا تھا کہ حدیث میں جو مسلمانوں کو خطاب ہے من بدّل دینہ فاقتلوہ اس میں کونسا دین خدا کے رسول کی مراد ہے تو اس کے جواب میں قرآن کی آواز پر کان دھرا ہوتا۔ جو کہتا ہے کہ :-

ان الدین عند اللّٰہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ	بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین کی تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

مگر آپ کے دل میں تو وہ خدا کا دین ہے ہی نہیں اس لئے آپ مجبور ہیں کہ کافروں کے دین کی طرف جائیں۔ الاناء یترشح بما فیہ۔

Marfat.com

بہر حال حدیث صحیح نے مرتد کے معاملہ میں خواہ وہ برسرِ پیکار ہو یا نہ ہو فیصلہ کر دیا کہ وہ واجب القتل ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ حضور نے کمالِ بلاغت سے من ارتد عن دینہ نہیں فرمایا کہ شاید کسی کو شبہ ہوتا کہ یہ صرف اس کے حق میں ہے جو مثلاً یہودیت وغیرہ کسی مذہبِ باطل کو چھوڑ کر اسلام میں آیا تھا پھر ادھر ہی لوٹ گیا بلکہ من بدّل دینہ فرمایا کہ واجب القتل ہونے کے لئے خدائی دین کو تبدیل کرنا کافی ہے ضرورت نہیں کہ جس مذہب سے آیا تھا اس میں لوٹ کر جائے۔

خدائے عزّوجلّ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں کا فیصلہ مرتد کے متعلق

یہاں تک تو آپ نے مرتد کے بارہ میں خدا اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا الگ فیصلہ سنا۔ اب یک جائی بھی سن لیجئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن کا علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں اپنے اپنے حلقہ میں کام کرتے تھے ایک دفعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بغرض ملاقات آئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس بندھا کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ مرتد ہے یعنی پہلے یہودیت سے اسلام لایا۔ پھر یہودی بن گیا۔ حضرت ابو موسیٰ رضؓ نے معاذ رضؓ سے کہا کہ تشریف رکھئے۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں اسوقت تک نہ بیٹھوں گا جب تک یہ قتل نہ کر دیا جائے۔ تین مرتبہ یہی گفتگو ہوئی۔ معاذ بن جبل رضؓ نے فرمایا قضاء اللہ ورسولہٗ یعنی یہ اللہ کا اور اس کے رسول

Marfat.com

کا فیصلہ ہے چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔ (صحیح بخاری)

زنادقہ کے متعلق حضرت علیؓ کا فیصلہ

یہ تو آپ نے ان دو صحابیوں کا ذکر سنا جو غالباً آپ کے خیال میں علماء دیوبند سے بھی زیادہ تنگ نظر ہوں گے۔ اب نبی کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی (بقول آپ کے) تنگ نظری بھی ملاحظہ کیجئے۔

عن عکرمۃ قال اُتی علی بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذالک ابن عباسؓ فقال لوکنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدّل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے پاس چند زنادقہ لائے گئے انہوں نے ان کو جلا دیا۔ یہ خبر ابن عباسؓ کو پہنچی انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو جلاتا نہیں کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ کے عذاب (آگ) سے کسی کو سزا مت دو البتہ میں ان کو قتل کرتا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دین تبدیل کرے اسکو قتل کر دو۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں روایات نقل کی ہیں جن میں تصریح ہے کہ یہ زنادقہ مرتدین تھے۔ پھر بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

ومن الزنادقۃ الباطنیۃ وھم قوم زعموا ان اللہ خلق شیئاً ثم خلق منہ شیٔ آخر فدبر العالم باسرہ ویسمونھا العقل والنفس الی قولہ

اور زنادقہ میں ہی سے باطنیہ فرقہ ہے (جن کے خیالات تخلیق عالم کی نسبت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ) نبوت اور تحریف آیات وعبادت میں ان کے اقوال

Marfat.com

ولهم مقالات سخيفة فى النبوت وتحريف الآيات وفرائض العبادات

نہایت ذلیل ہیں۔
(فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۳۹)

اس سے ظاہر ہوا کہ جس کو فقہاء زندیق کہتے ہیں وہ مرتد ہی ہے۔ اور زنادقہ و مرتدین کا حکم آپ کو معلوم ہو چکا۔

قتل مُرتد کا فیصلہ اجماع ائمۃ الاسلام سے

قرآن وسنت کے بعد تمام ائمہ اسلام کا متفقہ فیصلہ بھی قتل مرتد کے متعلق سن لیجئے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رح میزان کبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں

وقد اتفق الائمة على ان من ارتد عن الاسلام وجب قتله وعلى ان قتل الزنديق واجب وهو الذى يسر الكفر ويتظاهر بالاسلام

اور تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے یا زندیق ہو اس کا قتل واجب ہے اور زندیق وہ ہے جو اندرونی کفر کے باوجود اسلام سے مظاہرہ کرتا رہے۔

اس عبارت کو پڑھ کر یہ آیت بھی تلاوت فرمائیے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا۔

اور جس کسی نے رسول کی مخالفت کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد اور مومنین کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلا تو ہم اس کو حوالہ کریں گے اس چیز کے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

Marfat.com

قتلِ مُرتد کے متعلق قیاسِ شرعی اور عقلِ سلیم کا کیا حکم ہے؟

چونکہ مضمون اندازہ سے زیادہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لئے قرآن، سنت اجماع پیش کرنے کے بعد چند الفاظ حافظ ابن قیمؒ کے نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ کافر حربی اور مرتد کا قتل کیا جانا عقلِ سلیم اور قیاسِ صحیح کا اقتضاء ہے فرماتے ہیں:-

فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية على الانفس فكانت عقوبةٌ من جنسه كالجناية على الدين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولى بالقتل وكف عدوان الجاني عليه من كل عقوبة اذ بقاءه بين اظهر عباده مفسدة لهم ولا خير يرجى في بقاءه ولا مصلحة فاذا احيس شره وامسك لسانه وكف اذاه والتزم الذل والصغار وجريان احكام الله ورسوله واداء الجزية له يكن في بقائه بين اظهر المسلمين ضرر عليهم والدنيا بلاغ ومتاعٌ الى حين

خدا تعالیٰ نے کس طرح کی سزائیں مقرر کی ہیں ان میں سے قتل سب سے بڑے جرم کی سزا ہو سکتی ہے مثلاً کسی بے گناہ کو ہلاک کر دینا یا کسی عورت کی آبروریزی کر کے منہ کالا کرنا، یا دینِ حق پر طعنہ کرنا اور اس سے پھر جانا اور جب قتلِ عمد کی سزا قتل ہے تو دین برباد کرنے کی سزا بطریقِ اولیٰ قتل ہونی چاہیے کیونکہ ایک نفس کا، اہلاک دین کی تباہی سے زیادہ قبیح نہیں ہے۔ پس اس شخص کا وجود جو دینِ حق پر طعن کر کے یا اس سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت کے اندر بڑی خرابی کا باعث ہے۔ جس کے باقی رکھنے میں کسی نیکی اور بہتری کی امید نہیں کیجا سکتی ہاں اگر وہ طعن کرنیوالا اپنی، زبان کو روک لے اور اپنی شرارت سے باز رہے اور مسلمانوں کو دکھ نہ دے اور ذلیل و خوار اور خدا

Marfat.com

وجعله ایضاً عقوبة الجناية على الفرج المحرمة لما فيها من المفاسد العظيمة واختلاط الانساب والفساد العام۔

اور رسول کے احکام کے سامنے پست ہو کر رہنا پسند کرے تو اس چند روزہ زندگی میں اس کے لئے گنجائش ہے۔ (اعلام الموافقین ج ۲ ص ۲۱۸)

یہاں تک ہم نے ادلۂ اربعہ سے قتلِ مرتد کا بقدر کفایت ثبوت پیش کر دیا، ہے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو آئندہ اس کی مزید تشریح کی جائے گی۔

یہ بات رہ گئی ہے کہ بعض لوگوں نے قرآن کی وہ آیات پیش کی ہیں جنمیں مرتد کے اعمال حبط ہونے یا ان پر لعنت برسنے یا آخرت میں غضب اور عذاب ہونے کا ذکر ہے ان آیات میں ساتھ کی ساتھ اس کے قتل کئے جانے کا حکم مذکور نہیں۔

لیکن اس میں تو غالباً مرزائیوں کو بھی تردد نہ ہوگا کہ قتل عمد کی سزا اسلام میں قتل ہے پر حق تعالیٰ نے جس جگہ قرآن میں یہ فرمایا ہے:۔

ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه و لعنه واعد له عذابا عظيما۔

اور جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کریگا تو آخرت میں، اسکی سزا جہنم ہوگی جس میں ہمیشہ رہنا ہوگا اور اس پر اللہ غضب اور لعنت کریگا اور ایسے شخص کے لئے خدا نے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

تو اس کا بدلہ صرف یہ قرار دیا ہے کہ اس کو دوزخ میں خلود ہوگا۔ اور اللہ کا غضب اور اس کی لعنت اس پر ہے اور خدا نے اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو کیا اس جگہ صرف اخروی سزا مذکور ہونے سے مرزائیوں کے مایہ ناز مفسر کے، نزدیک قاتل کو بھی دنیا میں آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر یہی آپ کی قرآن فہمی اور نکتہ سنجی ہے تو اپنے نام نہاد اسلام اور اس کے فلسفہ کو آپ دنیا میں خوب نیک

نام کریں گے۔

اور اگر آپ قاتل کی نسبت فیصلہ کرنے میں آیت مذکورہ کے ساتھ قرآن کی دوسری آیات کو بھی ملاتے ہیں تو مرتد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت ایسا، کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔

آپ کتنی ہی کوشش کیجئے اور احادیث و آثار سے بھاگ کر قرآن کی پناہ لیجئے۔ مگر قرآن آپ کو ضرور دھکے دے گا۔ اور آپ کے حیل فاسدہ کے منہ پر طمانچے مارے گا۔ کیونکہ رسول سے بھاگنے والے کیواسطے خدا کے یہاں کوئی پناہ نہیں ہے۔

مرتد کی نسبت اسلامی حکومت کا فیصلہ

قرآن، حدیث، اجماع، قیاس کے فیصلوں کے بعد ایک خالص اسلامی حکومت (افغانستان) کا فیصلہ بھی وہ ہی ہونا تھا جو ہوا۔

لیکن جب سے دولت علیہ افغانیہ کی سب سے بڑی شرعی عدالت نے نعمت اللہ قادیانی کو اس کے ارتداد کے جرم میں نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کرایا ہے مرزائی امت نے اس خالص اسلامی قانون کی تنقید اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک محکم سنت کے احیاء کے خلاف سخت شور و ہنگامہ بپا کر رکھا ہے۔ کبھی وہ افغانستان کے مقابلہ پر امریکہ اور یورپ کو ابھارتے ہیں۔ کبھی ہندوؤں سے فریاد کرتے ہیں کبھی آزاد منش لیڈروں کو اکسانا چاہتے ہیں۔ اور سب سے آخر میں رائے عامہ سے اپیل کی جاتی ہے۔

لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ قتل مرتد کا قانون نہ تو یورپ و امریکہ کی حکومتوں

Marfat.com

کا بنایا ہوا ہے اور نہ کانگریس یا کسی اور دنیوی انجمن کی تنظیمہ کمیٹی سے اس کی منظوری میں رائے لی گئی ہے اور نہ ہی پبلک کے عوغائے عام یا ووٹروں کی کثرت کو اس کے پاس کئے جانے میں کچھ دخل ہے۔

وہ تو آسمانی فیصلہ ہے جو خدا کے ان وفادار بندوں کے ہاتھوں سے نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جن کی نسبت قرآن حکیم میں یہ ارشاد ہوا ہے:۔

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

تو قریب ہے کہ خدا لائیگا ایک ایسی قوم کو جنکو وہ محبوب رکھتا ہے اور وہ خدا کو محبوب رکھتی ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں غالب اور مومنین کے سامنے خاکسار جو جہاد کریگی خدا کے راستہ میں اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈریگی یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے دے

اور وہ ایک فرمانِ رسالت ہے جس کا امتثال ان ہی سعید روحوں کا حصہ ہے جن کو حق تعالیٰ نے اپنے باغیوں کی سرکوبی کے لیے سارے جہان میں سے چن لیا ہے اور جن کو اس نے محض اپنے افضال سے اشداء علی الکفار رحماء بینھم کا تمغہ مرحمت فرمایا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس دورِ فتن میں جب کہ الحاد اور لامذہبیت کی رَو کے، خلاف کوئی کام کرنے کی بہت ہی کم جرأت ہو سکتی ہے۔ اعلیٰ حضرت امیر غازی ایدہ اللہ بعونہ ونصرہ نے اس سنت سنیہ کو زندہ کر کے بارگاہِ الٰہی اور قلوب مومنین میں وہ عزت پیدا کر لی ہے جو انسانوں کی دی ہوئی اور بادشاہوں کی تسلیم کی ہوئی عزتوں سے بالاتر ہے۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص جس گورنمنٹ کے

Marfat.com

کے قانون کو قبول کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے اس کی پشت پر اس گورنمنٹ کی ساری طاقت ہوتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ جو بادشاہ خدائی قانون کی حمایت اور تنفیذ کرے خدائی طاقت اسکی حامی اور سرپرست ہو۔ اور اسی لئے ہم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ اعلیٰ حضرت امیر غازی جس وقت تک قانون الٰہی کو بلا خوف، لومۃ لائم اپنا دستور العمل بنائے رہیں گے خدائی طاقت ان کو ہر شیطانی طاقت کے مقابلہ میں مظفر و منصور کرے گی۔ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المؤمنین والملائکۃ بعد ذالک ظھیر۔

آج تاجدار افغانستان نے اقامت حدود الٰہیہ سے قرن صحابہ کی یاد تازہ کر دی۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو خوش کرنے میں اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کی کہ دنیا ان کو وحشی سمجھے گی یا جاہل۔

انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اسلام کے حقیقی حسن و جمال اور قدرتی سادگی و خوبصورتی سے پردہ اٹھا دیا۔ اور اس نے بناوٹی خوب صورتی اور مصنوعی رنگ و روپ سے اس کو بے نیاز ثابت کر دیا جس میں اسلام کے نادان دوست یا دانا دشمن اسے پیش کر رہے تھے۔

امیر کابل جیسے خالص خود مختار اسلامی فرماں روا سے اسلام کی یہ خدمت کچھ زیادہ عجیب نہیں لیکن تعجب اور تعجب سے زیادہ مسرت ہم کو اس بات پر ہے کہ غلام ہندوستان کے اسلامی اخباروں کو (جن میں معزز زمیندار اور سیاست خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) حق تعالیٰ نے ایسی سیدھی سمجھ اور مؤمنانہ جرأت اور صراط مستقیم پر چلنے کے لئے بصیرت کی وہ روشنی عطا فرمائی ہے جس نے حضرت

Marfat.com

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی اصلی ہیئت اور فتنہ عظیمۂ مرزائیت کے کفریات اور بدنتائج کا مشاہدہ کرنے کے لئے غافلوں اور بے خبروں کی آنکھوں کے سامنے اجالا کر دیا ہے۔

مسلمان قوم کے حق میں یہ بڑی مبارک فال ہے کہ اس مؤثر اخبار تجارتی مقاصد اور لومتہ لائمین کی پرواہ نہ کر کے ٹھیک ٹھیک اسلامی تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کریں اور ان کی حمایت پر علیٰ وجہ البصیرت کمر بستہ ہوں۔

ان اخباروں کی روش افغانستان کے اس فعل کی تائید و تحسین میں حق پرست مسلمانوں پر یہ ثابت کر رہی ہے کہ یہ اخبار محض کسبِ زر کا آلہ نہیں بلکہ اسلام کے بہترین خادم ہیں۔ جو چاہتے ہیں کہ صدیوں سے بڑھے ہوئے آزاد مسلمانوں کے جذبات و محسوسات کی ٹرین کو کچھ پیچھے ہٹا کر اسی سیدھی لائن پر کھڑا کر دیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے عرب کی زمین پر بچھائی تھی۔

لاہوری پارٹی کے امیر (محمد علی صاحب) تو لکھتے ہیں کہ افغانستان کے اس فعل نے اسلام کی ترقی کو دس برس پیچھے ڈال دیا۔ مگر میں انہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ دس برس نہیں۔ اس نے اولوالامر مسلمانوں کو نہایت ہی مہلک آزادی کی طرف ترقی کرنے سے تیرہ سو سال پیچھے ہٹا دیا ہے۔

مرزائیوں کو بڑی فکر ہے کہ افغانستان کا یہ فعل جب اسلام کی طرف منسوب ہوگا تو غیر مسلم قومیں اسلام سے نفرت کرنے لگیں گی۔ اور یہ سمجھ جائیں گی کہ اسلام صرف تلوار کے زور سے قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ ایک بڑی روک اشاعت اسلام کے راستہ میں ہوگی۔

Marfat.com

لیکن قرون اولیٰ کا تجربہ ہم کو یہ بتلاتا ہے کہ جب صدیق اکبر اور دوسرے خلفائے کے عہد میں ارتداد کا فیصلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق تلوار کی نوک سے کیا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض اوقات سرزمین عرب کا وسیع رقبہ، مرتدین کے خون سے رنگین ہو گیا اسوقت اشاعت اسلام کی رفتار ترقی اس قدر سریع اور حیرت میں ڈالنے والی تھی کہ جسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے میں ثابت کر چکا ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم من بدل دینہ فاقتلوہ کی تعمیل میں ایک لمحہ کا توقف بھی روا نہ رکھتے تھے لیکن مرزائیوں کے لئے یہ کس قدر تعجب اور غصہ کا مقام ہو گا کہ ان ہی صحابہ کے عہد میں بے شمار کفار اسلام سے بدگمان ہوئے اور نہ انہوں نے حاملین اسلام سے نفرت کی۔ بلکہ وہ یہ دیکھ کر مسلمان حکمرانوں کے زیر سایہ جہاں تمام یہود و نصاریٰ اور دوسری غیر مسلم اقوام اس طرح آزادانہ زندگی بسر کرتے اور اپنے مذہبی وظائف کو بلا روک ٹوک بجا لاتی ہیں۔ کسی مرتد کا بے دریغ قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان صرف ایک ہی چیز کے خواہاں ہیں اور وہ یہ کہ ان کے دین میں زہریلے جراثیم کی تولید نہ ہونے پائے۔ اور کبھی ہو جائے تو اس کو ترقی اور تعدیہ کا موقع نہ ملے۔ جراثیم ارتداد کا فنا کرنا فی الحقیقت بقیہ سچے ایمانداروں کی حفاظت کرنا ہے۔

مرتد کا وجود ایک مجسم فتنہ ہے۔ جس سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کے خیالات میں تشویش اور ان کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

جو لوگ عہد رسالت میں اپنے آدمیوں کو آمنو بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النہار واکفروا اخرہٗ کا مشورہ دیتے تھے۔ اُن کی غرض بھی لعلّھم یرجعون ہی تھے۔ یعنی یہ کہ کچھ مصنوعی مسلمانوں کو اسلام سے پھرئے دیکھ کر سچے مومنین کو بھی جھوٹ اور باطل کی طرف آنے کی ترغیب ہوگی۔ یا کم از کم یہ خیال کر کے کہ آخر کچھ تو وجہ ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بھی ایک طرح کا تردد اور تذبذب پیدا ہو جائے گا۔

اس لئے اسلام نے ارتداد کے مہلک جراثیم کو تباہ کر ڈالنے کے لئے پوری قوت استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔

بہتر ہے کہ مرتد کو اوّلاً سمجھاؤ۔ اس کے شبہات کا ازالہ کرو۔ اگر وہ خدا کی کھلی کھلی آیات دیکھنے اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی اپنی معاندانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اور اپنی ہوا و ہوس یا اوہام باطلہ کی پیروی سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کی جماعت کو اس کے زہریلے وجود سے پاک کر دو کہ تبین رشد من الغی کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیٰی من حیّ بینۃ

ایک شخص اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہڈی کے ریزے اِدھر اُدھر گھس گئے۔ سول سرجن کا کام یہ ہے کہ ہڈی کو جوڑے۔ زخم صاف کرے پٹی باندھے اور مرہم لگائے۔ لیکن اگر کسی تدبیر سے زخم مندمل نہ ہو سکے، بلکہ اس کے پلوں دوڑنے اور باقی ٹانگ کو بھی خراب اور مسموم کر ڈالنے کا اندیشہ ہو تو کیا اس وقت اس سول سرجن کا یہ ایک مشفقانہ فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ

Marfat.com

ٹانگ کے مسموم حصّہ کو کاٹ کر پھینک دے اور فاسد عضو بدن پر یہ سمجھ کر کچھ رحم نہ کھائے کہ گھوڑے سے گرنا اور ٹانگ ٹوٹ جانا اور مریض کا زخم مندمل نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ اس وقت سول سرجن کا فرض یہ دیکھنا، نہیں کہ آیا مریض نے اپنے اختیار سے مرض کو پیدا کیا ہے یا بے اختیاری طور پر پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ اپنے اختیار کو دیکھتا ہے جسے وہ مریض کے بقیہ اعضاء بدن کو بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ از تداد ایک سخت زہریلا مادہ ہے جو جسم مسلم میں پیدا ہو جاتا ہے خدائی سول سرجن جب اس کی تحلیل یا اخراج کی تدبیر سے تھک جاتے ہیں تو آخر الحیل السیف کے قاعدے سے اس عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ ایسا کرنے کے وقت خدا کی طرف سے ولا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ اور واغلظ علیھم کے مخاطب ہوتے ہیں۔

کسی سخت اپریشن کا مشاہدہ کرنے سے بعض اوقات نازک دل عورتیں یا بعض ضعیف القلب مرد بھی غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی کمزور دل ڈاکٹر اس سے متاثر ہو کر اپریشن چھوڑ بیٹھے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بڑا رحمدل ہے بلکہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے منصب سے معزول کر دینے کے قابل ہے۔

ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے موجودہ عہد انحطاط میں امیر غازی امان اللہ خاں اور ان کے والد مرحوم کو وہ اختیارات بخشے اور ان اختیارات کے استعمال کی توفیق مرحمت فرمائی جو جسم مسلم کو نہایت ہی سمّی آلائشوں سے پاک کرنے اور اصلاح پر لانے کے لئے ضروری تھے۔

اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ امیر صاحب کے اس فعل سے اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ حفاظت اسلام میں اس سے بڑی بھاری مدد ملے گی۔ اور شاید قادیان کو کسی چوتھی بکری کو اب مدت تک یہ ہوس نہ ہوگی کہ علانیہ افغانیوں کے اسلام یا ان کی متحدہ قومیت میں، سینگ مار کر کابل کے ذبیحہ خانہ سے شہادت کا فخر حاصل کرے۔

مرزا محمود ہوں یا محمد علی ان کو چاہیئے کہ وہ وُول یورپ یا سوراجی مندو، مسلمانوں کو اتنا بے وقوف نہ سمجھیں کہ وہ سب کے سب امیر کابل کو اپ کے کہنے سے اتنا سفاک اور جاہل سمجھ لیں گے کہ وہ وُول غیر کے تمام سفراء کو اس قدر مامون و مصئون رکھنے اور افغانی ہندوؤں کو ہندوستانی ہندوؤں سے زیادہ آزادی اور طمانینت عطا کرنے کے باوجود مشق تیغ آزمائی یا بجبر و اکراہ اسلام پھیلانے کیلئے قادیان کی ایک بکری (نعمت اللہ) پر شمشیر حلال کر خوش ہوتے ہیں۔ کوئی شبہہ نہیں کہ کسی آدمی کو عمداً قتل کر ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ مگر قرآن نے جسکو فتنہ کہا ہے وہ قتل سے بھی بڑھکر سخت ہے۔ والفتنۃ اشد من القتل، والفتنۃ اکبر من القتل۔

یہ فتنہ دین حق سے ہٹنے یا ہٹائے جانے کا فتنہ ہے جس پر واھذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک میں متنبہ کیا گیا ہے اور جس کو حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے مرتد گوسالہ پرستوں کو مخاطب کرتے ہوئے یا قوم انما فتنتم بہ سے تعبیر فرمایا تھا۔ اور جو ان کفار کا ہمیشہ مطمح نظر رہتا ہے جن کی نسبت قرآن میں کہا گیا ہے:۔

ودلو تکفرون کما کفروا فتکونون | وہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ

Marfat.com

سواء اور ودّ کثیر من اھل الکتاب لو یردّونکم من بعد ایمانکم کفّارًا حسدًا من عند انفسھم اور ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردّوکم عن دینکم ان استطاعوا

برابر ہو جاؤ۔ بہت سے اہل کتاب ازارہ حسد یہ آرزو رکھتے ہیں کہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں اور وہ ہمیشہ تم سے اس لئے جنگ کرتے رہینگے کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے ہٹا دیں۔

اسی فتنہ کے روکنے اور مٹانے کے لئے وہ جارحانہ اور مدافعانہ جہاد بالسیف مشروع کیا گیا جس کا خیال مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنے کے لئے لاہوری پارٹی کا لغوی اور محمودی پارٹی کا بروزی نبی مبعوث ہوا ہے۔ پڑھو۔

وقاتلوھم حتّٰی لاتکون فتنۃ و یکون الدّین للّٰہ۔

دشمنان اسلام سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ کا وجود نہ رہے اور خدا کا دین ہی غالب ہو کر رہے۔

(جیسا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ سے مفہوم ہوتا ہے)۔

صحیح بخاری میں ابن عمر سے اور سنن ابن ماجہ میں عمران بن حصین سے منقول ہے کہ اس فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے (دیکھو فتح الباری ص ۴۰ ج ۱۳) اور اسی طرح اشارہ صحیح مسلم میں سعد بن ابی وقاص کی روایت میں موجود ہے۔

پس اسلام کا سارا جہاد و قتال خواہ ہجوم کی صورت میں ہو یا دفاع کی صرف مرتد بننے یا بنانے والوں کے مقابلہ میں ہے۔ جس کی غرض یہ ہے کہ فتنہ ارتداد یا اس کے خطرہ سے مومنین کی حفاظت کی جائے۔ اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ مرتدین کا جو مجسم فتنہ ہیں استیصال ہو اور مرتد بنانے والوں کے حملوں اور تدبیروں اور ان کی شوکت و قوت کو جس سے وہ مسلمانوں کے ایمان کو موت کی دھمکی دے سکتے ہیں ہر ممکن طریقہ سے روکا جائے یا توڑا جائے۔

Marfat.com

چنانچہ کفار اگر جزیہ دے کر اسلامی رعایا بننے یا مسلمانوں کے امن میں آجانے یا باہمی مصالحت اور معاہدہ کی وجہ سے مسلمانوں کو عملاً مطمئن کر دیں کہ وہ ان کے دین میں کوئی رخنہ اندازی نہ کریں گے۔ اور ان کے غلبہ اور شوکت کی وجہ سے مسلمانوں کو مرتد بنائے جانے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا تو ایسی اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانا جائز نہیں۔

حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ

یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کریں ہاتھ سے ذلیل ہو کر اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ۔ فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا وان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر۔

اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ کرو پھر اگر وہ تم سے علیحدہ رہیں اور نہ لڑیں اور صلح کی سلسلہ جنبانی کریں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تم کو کوئی راستہ نہیں دیا اور اگر عہد و پیمان کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین پر زبان درازی کریں تو لڑو تم کفر کے سرداروں سے۔

پس جہاد بالسیف خواہ ہجومی ہو (یعنی بطریق حفظ ماتقدم) یا دفاعی (یعنی بطریق چارہ سازی) صرف مومنین کی حفاظت کے لئے۔ اور یہ ایک ایسا فطری حق ہے جس سے کوئی عقلمند اور مہذب انسان مسلمانوں کو محروم نہیں کر سکتا۔

Marfat.com

اس لئے احکام جہاد کی نسبت جو قرآن میں بکثرت موجود ہیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لا اکراہ فی الدین اور آفانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین کے معارض ہیں بلکہ کہا جائے گا کہ دین میں کوئی اکراہ نہیں۔ البتہ جو فتنے دین میں رخنہ ڈالتے ہوں ان کے روکنے میں ضرور اکراہ ہے۔ یعنی جہاں تک مسلمانوں کی طاقت میں ہوگا فتنہ کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی جماعت میں سر نکالے یا نشوونما پائے۔

اگر اسلام کی اسی حفاظت خود اختیاری کے معنی اس کا بزور شمشیر پھیلایا جانا ہے تو میں اقرار کرتا ہوں کہ بیشک ایسی حفاظت کے لئے شمشیر استعمال ہوئی ہے اور برابر ان لوگوں کے ہاتھوں سے جنہیں خدا ایسی قوت اور توفیق بخشے گا استعمال ہوتی رہے گی۔ الجہاد ماض الی یوم القیامۃ۔

خواہ قادیان کا متنبی اپنے قلم کی چوں چوں سے کتنا ہی اس تلوار کی جھنکار کو پست کرنا چاہے۔

ہم بحمداللہ خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام کے بہت سے دانا دشمنوں نے اس امر کی حمایت میں کہ اسلام ہرگز بزور شمشیر نہیں پھیلا موٹی موٹی کتابیں لکھی ہیں اور کیسی خوب صورتی اور دانائی سے ایک سچی بات کہہ کر دوسری سچی بات (جہاد بالسیف) کی اہمیت اور فرض کو مسلمانوں کے دلوں سے محو کرنا چاہا۔ اور اسلام کے بہت سے نادان دوست بھی اُن کی اس منافقانہ ہمدردی کا شکار ہوگئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی اصلاح کی قینچی سے مسئلہ جہاد کے بازو کتر ڈالے ہیں لیکن یاد رکھئے کہ قائمین بالحق کا گروہ نہ تو کسی کی تجہیل اور تحمیق سے ڈرتا ہے

Marfat.com

اور نہ کسی کی مکاری اور چرب لسانی سے پسیجتا ہے۔

وہ بلاخوف تردید کہتا ہے کہ تم حقیقت جہاد سے جاہل ہو۔ اور خدائے قدوس کی انتہائی وفاداری اور اس کی راہ میں شجاعانہ سرفروشی کو اگر تم وحشیانہ حرکت اور مذہبی دیوانگی سے موسوم کرتے ہو تو ہم اپنی دیوانگی اور تمہاری فرزانگی کی نسبت مولانا رومیؒ کی زبان میں صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں ؎

آزمودم عقلِ دوراندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　اوست فرزانہ کہ فرزانہ شد،

بہرحال قتل مرتد یا جہاد بالسیف کا حکم مسلمانوں کو فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ہے جس کا اول مخاطب امام صاحب اقتدار ہوتا ہے جن ممالک میں مسلمانوں کا امام صاحب اقتدار نہ ہو وہاں عام مسلمان اس قسم کے احکام کے مکلف نہیں ہیں (جیسے ہندوستان ہے) براءٔ علیہ ہندوستان کے مرتد یا غیر مسلم اقوام کو نعمت اللہ خاں کے قتل سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ خود افغانستان کی غیر مسلم رعایا یا مستامنین کو بھی جیسا کہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے کوئی خطرہ نہیں۔

لاہوری پارٹی کے امیر کی سمجھ میں ابھی تک یہ فلسفہ نہیں آیا کہ ایک ہندو پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ جھوٹا سمجھ کر حکومت افغانستان کے ماتحت آزاد ہے ایک عیسائی یا یہودی آپؐ کو نعوذ باللہ مفتری قرار دے کر حکومت افغانستان کے کسی عہدہ پر بھی فائز ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ کہہ کر خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں یہ نہیں (یعنی خاتم النبیین کا تاویل باطل کے پردہ میں انکار کر کے) واجب القتل ہو جاتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ ایسی سیدھی اور موٹی سی بات امیر جماعت احمدیہ کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ وہ کروڑوں انسان جو برٹش قلمرو سے باہر رہتے ہیں اور انہوں نے آجتک انگریزوں کی حکومت اپنے اوپر قبول نہیں کی، آزاد ہیں۔ کہ جو چاہیں قانون اپنے لئے بنائیں اور جس طرز سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ انگریزی حکومت کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ لیکن وہ شخص جو برٹش حکومت اور برٹش قانون کو قبول کر کے انگریزی رعایا بن چکا ہے وہ چاہے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دے اور سڈیشن یا انارکی پھیلائے اور حکومت کے قانون کو توڑے ساتھ ہی زبان سے یہ بھی کہتا رہے کہ میں انگریزوں کی وفادار رعایا میں سے ہوں حکومت اس سے اغماض نہیں کر سکتی۔ حکومت اگر اس کے لئے پھانسی یا حبس دوام کی سزا تجویز کرے تو یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ جب کروڑوں، آدمی دنیا میں انگریزی حکومت سے باہر ایسے موجود ہیں جو انگریزی قانون اور اس کی حکومت کو قطعاً نہیں مانتے۔ اور حکومت ان سے کوئی تعرض نہیں کرتی تو کیا وجہ ہے کہ رعیت ہونے کا اقرار کرتے والے شخص کو سڈیشن کے جرم میں اس قدر سخت اور سنگین سزا دی جا رہی ہے۔

خوب سمجھ لو کہ جو شخص اسلام میں داخل ہوا وہ اس کے حلقۂ حکومت میں آگیا۔ اور اس نے اسلام کے پورے قانون کو اپنے حق میں قبول کر لیا۔ اب اگر وہ اسلام کا زبانی دعویٰ رکھتے ہوئے اسلام سے نکلنا چاہتا ہے اور اس کے قانون کو توڑنا چاہتا ہے۔ اور خاتم النبیین کی رعیت بننے کے بعد کسی کذاب کو جدید نبی مان کر فی الحقیقت آپ کے دعوائے خاتم النبیین کو،

Marfat.com

جھٹلاتا ہے وہ اسلام کا باغی ہے۔ پس اسلام کی طرف سے وہ یقیناً ایسی سزا کا مورد ہوگا۔ جس کے مورد وہ غیر مسلم لوگ نہیں ہیں جو ابھی تک اسلام کے حلقہ میں داخل ہی نہیں ہوئے اور جو من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر کی تہدید آمیز آزادی سے ابھی تک متمتع ہو رہے ہیں۔

امیر جماعت احمدیہ سوال کرتے ہیں کہ:-

"اگر مسلمان حکومتیں اپنے ملکوں میں یہ قانون بنائیں گی کہ غیر مسلم کو ان کے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں تو اس کے بالمقابل کیا عیسائی طاقتیں اسی قسم کا قانون اسلام کے خلاف بنانے میں حق بجانب نہ ہوں گی کہ ان کی حکومت میں تبلیغ اسلام کی اجازت نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ ہی کہ تبلیغ اسلام کا کام دنیا میں قطعی طور سے رک جائے گا۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اپنے اختیار سے کسی شخص کو مرتد بنائے جانیکی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہی قانون افغانستان میں بہت پہلے سے رائج ہے اب اگر اس کے جواب میں محمد علی یا مرزا محمود کے مشورہ سے غیر مسلم حکومتیں اپنے قلمرو میں تبلیغ اسلام کو روک دیں تو اگرچہ ہم مسلمان اپنے اس عقیدہ کے موافق کہ آج دنیا میں صرف ایک مذہب اسلام ہی سچا اور مکمل اور عالمگیر مذہب ہو سکتا ہے ان کی اس بندش کو حق بجانب نہیں کہہ سکتے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ وہ ایسا کر گزریں تو ہم ان کو روک بھی نہیں سکتے نتیجہ ہوگا کہ ایک طرف اگر نومسلموں کا سلسلہ رک جائیگا تو دوسری جانب پرانے مسلمانوں کا اسلام سے نکلنا بھی بند ہو جائیگا۔ اور میں خیال

Marfat.com

کرتا ہوں کہ موجودہ دولت کی حفاظت غیر موجود دولت کی تحصیل سے اہم اور مقدم ہے کسی چھوٹی سے چھوٹی اور ضعیف سے ضعیف سلطنت کی غیرت بھی اسکی اجازت نہیں دے گی کہ وہ اپنے حاصل شدہ حقوق وفوائد کی حفاظت کیلئے فوج بھرتی کرنے اور بڑی سے بڑی طاقت کی ٹکر اٹھانے سے پہلو تہی کرے۔

حالانکہ وہ جانتی ہے کہ اس تحفظ کے سلسلہ میں اس کے سپاہیوں کا نقصان غنیم کے سپاہیوں سے بہت زیادہ ہوگا۔

پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کے ایمان کی حفاظت میں ایسی غیرت اور مضبوطی نہ دکھلائے۔ اور اس خوف سے کہ اس کو دوسری جگہ بعض غیر حاصل فوائد سے محروم ہونا پڑیگا اپنے حاصل شدہ حقوق کی حفاظت سے دست بردار ہو جائے۔

مرزا محمود اور محمد علی اپنی ذریات کے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر (۱) طاقتوں سے ایسا قانون بنوالیں۔ اور تبلیغ اسلام کے قانوناً روک دیئے جانیکا، گناہ اور قتل مرتد کے جواب میں قتل کئے جانے والے نومسلموں کا خون اپنی گردن پر اٹھالیں۔ لیکن وہ یہ امید ہرگز نہ رکھیں کہ افغانی حکومت انکی ان دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اپنا اسلامی قانون بدل ڈالے گی۔ اور ان کو یہ موقعہ دیا جائیگا کہ، افغانستان کے نہایت ہی بکے اور پسے مسلمانوں میں ایک جھوٹے نبی کا نام لیکر اور غیر مسلموں کے ایجنٹ بن کر تفرقہ اندازی کرتے پھریں۔

محمد علی صاحب کہتے ہیں کہ اسلام کی فتح اس میں نہیں کہ مسلمان ملکوں میں، دوسرے مذہب کی تبلیغ رکی رہے، بلکہ اسلام کی فتح یہ ہے کہ اسلام کے خزائن

Marfat.com

اپنی ساری مادی طاقتوں کو صرف کر لیں۔ اور جس قدر اسلام سے لوگوں کو نکالنے کیلئے زور لگا سکتے ہیں لگا لیں اور آخر دیکھ لیں کہ کس طرح پر وہ ناکام رہتے ہیں۔ بیشک اس نتیجہ کا ہم کو بھی یقین ہے اور خدا کی مہربانی اور امداد سے ہم کو پورا وثوق ہے کہ اسلام کے خلاف سب دجالانہ کوششیں اندرونی ہوں یا بیرونی آخر کار ناکام ہو کر رہینگی لیکن اس تیقن اور وثوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم برائی کی جس کوشش کو ظہور میں آنے سے پہلے روکنے پر قادر ہوں نہ روکیں۔ اور جس بدی کو نمودار ہونے سے قبل ہی ہم بند کر سکتے ہیں بند نہ کریں۔

اسلام صرف بہادر ہی نہیں حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی بہادری کے جوش میں اور آخری فتح کے یقین پر احتیاطی تدابیر اور حفاظتی وسائل کو نظر انداز نہیں کرتا۔ بلکہ بطور انجام بینی جہانتک ممکن ہو فتنہ کے آنے سے پہلے ہی بند لگاتا ہے اگر اس پر بھی فتنہ کسی جگہ نہ رک سکے تو پھر بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ اور ہر صورت میں انجام یہی ہوتا ہے کہ حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین پر چڑھائی کی لیکن جب انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے (حکم زکوٰۃ ماننے کی وجہ سے) قتال کا ارادہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ مانع آئے کہ تم کلمہ پڑھنے والوں کے ساتھ قتال کیسے کروگے آپ نے فرمایا کہ واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ خدا کی قسم میں ضرور اس شخص سے قتال کرونگا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور دوسرے معترضین کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور حق تعالیٰ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے فتنہ ارتداد کا استیصال کر

Marfat.com

دیا۔ اور حق کو وہ فتح و نصرت نصیب ہوئی کہ بعد میں صحابہ ابوبکر کے اس کارنامہ پر رشک کرتے تھے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ مانعین زکوٰۃ اگر خلیفہ کے مقابلہ میں چڑھ کر آئے تھے تو کیا حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابہ اس کی مدافعت سے ابوبکر صدیق کو روکتے تھے۔ کیا انہوں نے فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیٓ الیٰ امر اللہ قرآن میں نہیں پڑھا تھا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ فرمایا کہ یہ لوگ باغی ہیں اور خلافت کے مقابلہ پر انہوں نے چڑھائی کی ہے اس لئے ان سے لڑنا ضرور ہے۔ جو جواب دیا وہ صاف بتلاتا ہے کہ اگر کوئی جماعت مسلمان ہونے کے بعد نماز یا زکوٰۃ یا اسلام کے کسی قطعی حکم کے ماننے سے انکار کرے گی تو اس سے ضرور قتال کیا جائے گا۔ تاوقتیکہ وہ راہ راست پر نہ آجائے۔

ہاں حنفیہ نے قتل مرتد کے حکم سے عورت کو مستثنیٰ کہا ہے۔ اگرچہ حبس دوام کا حکم وہ بھی دیتے ہیں۔ یہ اس لئے نہیں کہ جرم ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ ایک ہی جرم کی دو سزائیں مجرمین کے احوال کے تفاوت کی بناء پر ہیں۔

میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ارتداد اسلام سے بغاوت کا نام ہے۔ تو کیا حکمت و انصاف کی بڑی بڑی مدعی گورنمنٹوں کے یہاں بھی بغاوت کے جرم کی سزا ہر ایک مجرم کے حق میں یکساں ہے۔

پس اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے بعض نصوص کے اشارہ سے دو مجرموں کے لئے ایک ہی جرم کی دو سزائیں تجویز کی ہیں تو اس پر کیا اعتراض ہے۔ کیا شریعت میں امہ اور حرہ کی حد میں فرق نہیں ہے۔ حالانکہ جرم ایک

Marfat.com

ہی ہوتا ہے۔ کیا ایک ہی فعل زنا زانی کے محصن اور غیر محصن ہونیکے فرق سے الگ الگ سزاؤں کا موجب نہیں ہے؟ اسی پر مرتد اور مرتدہ کے جرم ارتداد اور اسکے مدارج کو قیاس کرلو۔ یعنی مرتد اور مرتدہ کی سزاؤں کے تفاوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ سزا جرم ارتداد کی نہیں ہے۔

زیادہ توضیح چاہو تو برادر محترم مولانا سراج احمد صاحب اور مولانا مبرک شاہ صاحب کے مضامین کا مطالعہ کرو۔

اب میں مضمون ختم کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کے جواب میں مجھے بہت سی گالیاں دی جائیں گی۔ لیکن عمیری پھر بھی یہی دعاء ہوگی کہ خدائے قادر و توانا مرزائیوں کو ارتداد کے دلدل سے نکال کر دنیا و آخرت کی سزا سے بچائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے۔ اور بادشاہ اسلام امیر افغانستان کو کو اجراء حدود اسلامیہ اور محافظہ حقوق مسلمین کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب، ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا، واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین ۵

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ۔ دیوبند

۱۸۔ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تذنیب

یعنی

ضمیمۂ الشہاب

حَامِدًا وَمُصَلِّیًا خدا کا شکر میں کس زبان سے ادا کروں جس نے میرے ناچیز رسالہ "الشہاب" کو عام و خاص میں وہ حسن قبول عطا فرمایا جس کا مجھے لکھتے وقت کچھ بھی اندازہ نہ تھا۔

الشہاب کی اشاعت شروع ہوئی اور چاروں طرف سے اسکی مانگ ہونے لگی شکریہ اور تحسین کے بہت سے خطوط آئے مسلمانوں کو توقع سے بڑھ کر فائدہ پہنچا اور حق تعالیٰ نے باطل پرستوں کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈالدی کہ آج ڈیڑھ ماہ سے زائد اسکی اشاعت کو ہوا لیکن مرزائیوں کی کوئی پارٹی بھی جواب سے عہدہ برآ نہ ہوسکی۔

رسالہ کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر مرزائی دانت پیس رہے ہیں۔ اور ان کے سینوں پر آرے چل رہے ہیں لیکن جسطرح انہیں قبول حق کی توفیق نہیں ہوئی جواب دینے کی ہمت بھی نہیں ہوسکی۔

البتہ آج ۶ جنوری ۱۹۲۵ء کو ایک رسالہ مسٹر محمد علی لیسر جماعت احمدیہ لاہور کا اتفاقاً ہمارے ہاتھ آیا جو سزائے ارتداد کے متعلق اُن کے پہلے رسالہ کی صدائے

بازگشت سے زیادہ نہ تھا۔

اس رسالہ پر ۲۲ دسمبر کی تاریخ پڑی ہے اور دیوبند سے ۱۹ نومبر کو "الشہاب" خود ان کے نام روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن آپ اپنے رسالہ کے بالکل آخر میں لکھتے ہیں کہ:-

"مضمون یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ رسالہ "الشہاب" ملا۔" گویا دیوبند سے لاہور ایک ماہ سے زائد میں رسالہ پہنچا۔

بہرحال آپ کے جدید رسالہ کا خلاصہ چند الفاظ میں یوں ہو سکتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ کے اثبات کیلئے تین چیزیں ہیں۔ قرآن[1]، حدیث[2]، اجتہاد ائمہ[3]۔ اجتہاد ائمہ میں خطا اور غلطی ہو سکتی ہے۔ حدیث بھی غلط روایتوں اور غلط فہمیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن رہ گیا جو محفوظ ہے پس اُس کیخلاف جو چیز آئے گی رد کر دی جائیگی اور خلاف کا مطلب بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُن کے مزعوم معنی اور تفسیر کی رُو سے جس مسئلہ میں قرآن خاموش بھی ہو اسکے متعلق صحیح سے صحیح اور ناطق سے ناطق حدیثیں بھی یہ کہکر نظر انداز کر دی جائیں گی کہ اُن کا ذکر قرآن میں اُن کی بتلائی ہوئی تفسیر کے موافق نہیں ہے۔

اسی طرح تمام مسائل اور مباحث کا فیصلہ اس ایک اصول سے ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی کد و کاوش کی ضرورت نہیں رہتی۔" اس تمہید کے بعد آپ نے وہ آیات قرآنیہ پیش کی ہیں جن میں مرتد کے قتل کئے جانے کا حکم نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کے قتل نہ کرنے کا ذکر ہے۔ بلاشبہ اُن کا یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالدا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہم عذابا عظیما۔ کو پیش کر کے یہ کہنے لگے کہ قتل عمد

Marfat.com

کی سزا بھی قتل نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں باوجودیکہ قتل عمد کا ذکر کیا گیا۔ مگر ساتھ کے ساتھ قاتل کی سزا قتل نہیں بتلائی گئی۔

اُس کے جواب میں وُہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں سزا دینا اور نہ دینا دونوں سے سکوت ہے اور دوسری جگہ قرآن میں کُتِبَ عَلَیکُمُ القِصَاصُ فِی القَتلٰی فرما کر قاتل کی سزا بتلا دی گئی۔

ٹھیک اسی طرح ان کو سمجھنا چاہیئے کہ فَاقتُلُوا اَنفُسَکُم بھی جو مرتدین ہی کے متعلق قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے اُس میں ہم کو تعلیم دیدی گئی۔ کہ ارتداد کی سزا اللہ کے نزدیک قتل ہے۔

آپ نے میرے استدلال قرآنی پر پیچ وتاب تو بہت کھائے اور علماً کو گالیاں بھی دیں جو اُس نبی کے اُمتی کے لئے نہایت زیبا ہیں۔ جو زمائم اخلاق، سب وشتم اور لعن وطعن کی تکمیل ہی کے لئے شاید مبعوث ہُوا تھا۔ لیکن آیۂ قرآنی فَاقتُلُوا اَنفُسَکُم کا کوئی مطلب پھر بھی نہ بتلا سکے۔ آپ نے میرے استدلال پر جو سوالات کئے ہیں ان کا نمبر وار جواب سُنیئے۔

(۱) کیا گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل مرتد تھے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کسی قوم کا عقیدہ خواہ کچھ ہو کیا عملی طور پر کسی تعلیم سے انحراف پر ارتداد کا فتویٰ صادر ہو سکتا ہے اور کیا آج لاکھوں مسلمان جو قبر پرستی اور کئی قسم کی من دون اللہ پرستش

(۱) کیا ایمان لانیکے بعد گوسالہ پرستی جس کیساتھ یہ بھی اعلان ہو کہ ہٰذا الٰھکم والٰہ موسیٰ فنسی اسکے ارتداد ہونے میں بھی آپ کو کچھ تردد ہے؟ پھر تو کھلی سے کھلی بت پرستی بھی آپکے نزدیک کفر نہیں ہو گی۔ کیا قبر پرست یہ کہتے ہیں

Marfat.com

میں مبتلا ہیں۔ ان پر اتہام اور سنگساری کا حکم صادر ہو سکتا ہے۔

کہ یہ قبر یا صاحب قبر ہی مسلمانوں کا اور حضرت محمد صلعم کا معبود ہے (معاذ اللہ)

۲۔ قرآن شریف میں صاف مذکور ہے کہ سامری کو جو اس ساری شرارت کا بانی تھا قتل نہیں کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ حکم شریعت کو سب سے بڑے مرتد پر کیوں نہ صادر کیا گیا؟ کیا وہ اس قوم کا مولوی تھا اور اس لئے حکم شریعت سے مستثنیٰ تھا۔

۲۔ سامری اس شرارت کا ایسا ہی بانی تھا جیسا آنحضرت صلعم کے عہد میں عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین قضیۂ افک کا بانی اور "الذی تولی کبرہ" کا مصداق اعظم تھا۔ مگر آپ کو شاید یہ خبر نہ ہو کہ حسب روایات صحیحہ اُس پر حدّ قذف جاری نہ کی گئی حالانکہ حضرت حسان بن ثابت وغیرہ مومنین پر حد قذف جاری ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں۔ لیکن اپنے نفاق کی وجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے کو بچاتے رہتے ہیں۔ جھوٹے بولنے اور بات سے بنا دینے میں اُن کو کوئی باک نہیں ہوتا ساری کارروائی کر کے بھی قانونی زد سے اپنے کو بچا لیتے ہیں۔ جیسا کہ لاہوری پارٹی باوجود یکہ مرزا صاحب کی اُن کتابوں کے حرف بحرف صحیح و صادق ہونے پر ایمان رکھتی ہے، جو دعاوی نبوت پر مشتمل ہیں۔ مگر از راہ خداع و فریب زبان سے یہی کہتی ہے کہ ہم اُن کو نبی نہیں مانتے۔ سامری کا نفاق اُن سے بھی زیادہ عریق تھا۔ وہ شروع سے ہی مومن نہ تھا۔ بلکہ ایک پکا منافق تھا جو ملت موسوی کی گھات میں رہتا تھا گویا وہ ابن عہد کا عبداللہ بن اُبی تھا۔ علامہ سید محمود الوسی بغدادی رحمہ اللہ روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں وہ بالجملۃ کان عند الجمہور منافقا یظہر الایمان

Marfat.com

وبطن لکفر روح المعانی ص۱۸۹ ج۵) پس جیساکہ میں رسالہ "الشہاب" میں بتلا چکا ہوں منافق کے احکام کھلے ہوئے مرتد سے علیحدہ ہیں۔ اس لئے سامری ان مرتدین کے ذیل میں نہیں آیا ہاں اس کے فتنہ سے محفوظ کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس کو یہ سزا دی۔ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ۔

(۳) اگر فاقتلوا انفسکم کے یہ معنی درست ہیں کہ شرک کرنیوالے لوگونکو قتل کردو تو اس شرک میں ساری قوم مبتلا ہے۔ اسکے بعد جس قوم بنی اسرائیل کا ذکر ہے وہ کہاں سے آئی تھی۔

(۳) یہ آپ ثابت کیجئے کہ گوسالہ پرستی میں ساری کی ساری قوم مبتلا تھی۔ لفظ قوم نوبار ہا قرآن میں ایسے واقعات کے ذیل میں استعمال ہوا ہے جنکا تعلق مخصوص جماعت یا افراد سے تھا۔

(۴) قرآن شریف میں انکی توبہ قبول کرنیکا بھی ذکر ہے۔ اور اسی واقعہ کا ذکر کر کے یہ بھی فرمایا ہے ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر گزار ہو اگر قتل کر دیئے گئے تو وہ معافی جس پر شکر گزاری کا حکم ہوتا ہے اور جو اسی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے کیا تھی؟

(۴) اگر اس آیت میں ان ہی مقتولین کی معافی کا ذکر ہے تو بیشک نجات اخروی کے اعتبار سے اُن کی توبہ مقبول ہو چکی اور جب اس کی مقبولیت کی اطلاع باقی قوم کو دی گئی تو باہمی تعلقات کی بناء پر ان کو بھی شکر گزار ہونا چاہیئے۔ اگر کسی کے ماں باپ، بھائی، بہن کا جرم حق تعالیٰ معاف کر دے اور اس سے اپنا عذاب اٹھالے تو کیا یہ ایک طرح کا احسان اس شخص پر نہیں ہے۔

Marfat.com

دیکھو بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم میں اُن بنی اسرائیل کو خطاب ہو رہا ہے جو آنحضرتؐ کے عہد میں موجود تھے۔ اور جس انعام کا ان پر ذکر کیا گیا ہے مثلاً فرعون کے ہاتھ سے نجات دلانا دریا سے پار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ ان بنی اسرائیل سے متعلق نہیں بلکہ ان کے اسلاف سے متعلق تھا۔ اسی طرح یہاں بھی سمجھ لو۔

اور اگر آپ کے نزدیک دنیا میں ہی ان کا جرم معاف ہو چکا تھا تو ان الذین اتخذوا العجل سینالہم غضب من ربہم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا" کسطرح صحیح ہوگا کیا خدا تعالیٰ ایک جرم معاف کر کے پھر اسی پر سزا بھی دیتا ہے۔

(۵) کیا یہ صحیح ہے کہ راغب جیسے امام لغت نے فاقتلوا انفسکم" کے معنی یہ بھی لکھے ہیں قیل عنی بقتل النفس اماطۃ الشہوات یعنی قتل نفس سے مراد شہوت کا دور کرنا ہے تو وہ تصریح اور ایضاح رہی جسکا مولوی صاحب کا دعویٰ تھا۔

(۵) راغب نے یہ معنی خود اختیار نہیں کئے کسی اور کا قول نقل کیا ہے۔ وہ بھی بصیغہ تمریض۔ اور پتہ نہیں کہ اس کا قائل کون ہے اور کس رتبہ اور درجہ کا ہے۔ ایک ایسے مجہول قائل کے غیر معروف قول کے مقابلہ میں کیا۔

ان الذین اتخذوا العجل سینالہم غضب من ربہم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا سے دست بردار ہو جائیں گے۔ کیا اماطۃ الشہوات اور نفس کشی بھی خدا کا غضب اور ذلت ہے ایسے غیر ناشی عن الدلیل احتمالات کسی مضمون کی صراحت اور وضوح کو باطل نہیں کر سکتے۔

*

Marfat.com

یہ تو امیر جماعت احمدیہ لاہور کی قرآن دانی کا حال تھا۔ اب حدیث فہمی کا نمونہ دیکھئے۔

میں نے سنت رسول اللہ صلعم کے ذیل میں چند احادیث قولیہ صحیحہ پیش کی تھی آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو نبی کریم صلعم کے اقوال وارشادات ہیں۔ سنت رسول اللہ صلعم تو آپ کا عمل ہوتا ہے۔ عمل دکھلاؤ۔

بلاشبہہ جو لوگ احادیث رسول اللہ صلعم سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں خدا کی لعنت سے کچھ ایسے غبطی ہو جاتے ہیں کہ موٹی موٹی چیزوں کے سمجھنے کا مادہ بھی ان میں نہیں رہتا۔ اور دنیا کی ذلت اور آخرت کی رسوائی سب کو بھول جاتے ہیں۔ کسی ادنیٰ طالب علم سے پوچھ لیا ہوتا کہ علمائے حدیث و اصول صرف فعل رسول اللہ صلعم ہی کو سنت کہتے ہیں یا حضورؐ کے قول کو بھی؟ بلکہ اگر قول و فعل، میں معارضہ ہو تو۔

قول کو فعل پر ترجیح دیتے ہیں۔

امیر جماعت احمدیہ کا اہمال اور قول و فعل میں امتیاز اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی صحیح حدیث قضاء اللہ و رسولہ کو قرآن کے مقابل صحابی کا ایک فعل قرار دیتے ہیں۔ اور پھر کھسیانے ہو کر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ مذکور نہیں۔ ہمیں کیا علم ہے کہ اس مرتد نے اور کیا کچھ کیا تھا۔ گویا آپ کا جہل (نہ جاننا) بھی بخاری کی صحیح حدیث کو رد کر سکتا ہے۔ یہ امتی تو اپنے نبی سے بھی بڑھ گیا۔ کیونکہ مرزا صاحب تو کسی حدیث کو رد کرنے کے لئے اپنی وحی کی آڑ پکڑتے تھے لیکن آپ کے یہاں ایک چیز کا نہ،

Marfat.com

معلوم ہونا بھی اس کے رد کرنے کے لئے کفایت کرتا ہے۔

اجماع ائمہ جو میں نے امام شعرانی کی کتاب سے نقل کیا تھا اس کا جب کچھ جواب نہ بن پڑا تو فرماتے ہیں کہ یستتاب ابدًا اور لاقتل الا بالحراب" اس کے معارض ہے۔

مگر یہ نہ بتلایا کہ یہ جملے اجماع کے مخالف کس طرح ہیں۔ جن بعض لوگوں کی رائے یستتاب ابدًا کی ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر مرتد قتل سے پہلے ارتداد سے توبہ کرے پھر ارتداد کیا پھر توبہ کر لی اور اسی طرح کرتا رہا تو توبہ قبول ہوتی رہے گی۔ اجماع اس پر ہے کہ مرتد واجب القتل ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک جب توبہ قبول ہو جاتی ہے تو وہ بعد توبہ مرتد ہی نہیں رہتا پھر کیوں قتل کیا جاوے فی الحقیقت یہ جملہ اُن علماء کے مقابلہ میں ہے جو فرماتے ہیں کہ تیسری دفعہ مرتد ہونے والے کی توبہ بھی قبول نہیں۔

اور لاقتل الا بالحراب جس جگہ لکھا ہے وہیں اس کی تفصیل بھی موجود ہے کہ حراب سے بالفعل جنگ کرنا مراد نہیں۔ اور آپ خود بھی اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کی تفسیر میں تسلیم کر رہے ہیں کہ ہر جگہ حراب کے معنی جنگ کرنے کے نہیں ہوتے اور اس کے شواہد قرآن شریف سے پیش کرتے ہیں۔ دیکھو بیان القرآن صـ ۶۱۵/۱ج

❋

قیاس شرعی جو میں نے حافظ ابن قیم سے نقل کیا تھا اس کا آپ نے کچھ ذکر نہ کیا بلکہ اس کی جگہ ایک دوسری عبارت جو میں نے اس سیاق میں نہیں

Marfat.com

لکھی تھی نقل کر دی۔ اور افسوس کہ اس کا بھی کچھ جواب نہ دے سکے۔

*

میرے مضمون میں ایک جگہ آخر الحیل السیف عربی کا یہ جملہ آگیا تھا جسے، کاتب نے نسخ میں لکھ دیا آپ اسے آیت قرآنی سمجھ کر قرآن میں تلاش کر رہے ہیں حالانکہ بہتر ہوتا کہ آپ اسے کابل کے اسلحہ خانہ میں تلاش کرتے۔

*

آپ کہتے ہیں کہ جس طرح خلیفۃ المسلمین کو یورپین طاقتوں کے دباؤ سے قتل مرتد کا قانون بدلنا پڑا ان علماء کو بھی ذلیل ہو کر ایکدن ایسا کرنا پڑیگا۔ مگر آپ کو یہیں سے سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ علماء ربانیین کو حق تعالیٰ نے کیا جرأت اور قوت قلبی بخشی ہے کہ جو چیز آپ کے ادعاء کے موافق یورپین طاقتوں کے دباؤ سے خلیفۃ المسلمین تک کو ماننی پڑی ہے اسے آج تک ہندوستان کے محکوم مولویوں نے نہ مانا تم تمام علماء کو مرزا صاحب کیطرح بزدل اور ڈرپوک نہ سمجھو بحول اللہ وقوتہ ایسے علماء قلیل کثیر برابر موجود رہیں گے جو تلواروں کی چمک اور بندوقوں کی کڑک کے نیچے بھی حق کا اظہار کریں گے۔

اور خدانکردہ اگر افغانستان بھی ایک قانون اسلامی کو تبدیل کر دے گا وہ جب بھی تبدیل نہ کریں گے۔ آپ نے آخر میں چند سوالات کا جو پمفلٹ میں کئے تھے پھر اعادہ کیا ہے۔ لیکن اُن سب کا جواب یہ ہے کہ ناظرین کرام ایک مرتبہ از راہ مہربانی پھر رسالہ الشہاب کو پڑھ جائیں۔

انشاء اللہ تمام وساوس شیطانیہ کے لئے لاحول کا کام دے گا۔ اور

Marfat.com

کوئی ضروری سوال ایسا نہ ملیگا جسکا جواب اس میں موجود نہ ہو میں تطویل کی ضرورت نہیں سمجھتا کیونکہ آپ نے عملاً میرے رسالہ کے سارے مضامین کو تسلیم کر لیا ہے اور جن ایک دو امور کی نسبت یہ دو ایک ورق سیاہ کئے ہیں اسکی شافی اور مبسوط بحث ہمارے رسالہ میں پہلے سے موجود ہے۔

تم ہزار بار برا کہو لیکن جو کاری ضرب "الشہاب" نے تمہارے اصل بنیاد پر لگائی ہے وہ خدا کے فضل سے بے اثر نہیں گئی جن کروڑوں مسلمانوں کو آپ کے مرزا صاحب نے دائرہ اسلام سے نکالا تھا وہ اس رسالہ سے اطمینان پا رہے اور دنیا میں جو چند نفوس مرزا صاحب نے مسلمان چھوڑے تھے ان کے دلوں میں حق تعالیٰ نے ایسا رعب ڈال دیا ہے کہ وہ اب الشہاب کے کسی مطالعہ کرنیوالے سے اپنے ارتداد کو نہیں چھپا سکتے۔

ایک طرف اگر مرزائی اور آریہ اور عیسائی چند جاہلوں کو مرتد بنا رہے ہیں تو دوسری طرف خدا تعالیٰ کا نور پھیلا رہا ہے۔ بہت سے غافلوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں۔ اور بہت سے لوگ اسلام کی فطری کشش سے اسلام کی طرف جذب ہوتے جاتے ہیں۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝

تم جلتے رہو اور غیظ کھاتے رہو ہماری طرف سے یہ جواب ہے۔

مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔

الراقم

شبیر احمد عثمانی دیوبند

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۳ھ

Marfat.com

تالیفاتِ عثمانی

مجموعہ

شیخ الاسلام حضرۃ علامہ

شبیر احمد عثمانی

قدس سرہٗ

محدث دار العلوم دیوبند

کے اہم علمی و دینی رسائل کا مجموعہ

- اسلام کے بنیادی عقائد
- اسلام اور معجزات
- اعجاز القرآن
- الروح فی القرآن
- المعراج فی القرآن
- العقل والنقل
- ھدیۃ سنیۃ
- تحقیق الخطبہ
- سجود الشمس
- مسئلہ تقدیر
- الشہاب

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰-انارکلی لاہور ۲